رضا پبلی کیشنز

عبد المصطفیٰ اعظمی

رضا پبلی کیشنز

نام کتاب ــــــــ نورانی تقریریں

مصنف ــــــــ شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفےٰ اعظمی مدظلہ

محرک ــــــــ مولانا محمد منشا تابش قصوری

مؤید ــــــــ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

ناشر ــــــــ میاں محمد زبیر احمد قادری ضیائی

بار اوّل ــــــــ یکم المحرم الحرام سنہ ۱۵۰۰ھ

صفحات ــــــــ ۴۶۴

قیمت ــــــــ

مطبع: جنرل پرنٹرز لاہور

ملنے کا پتہ

رضا پبلی کیشنز

مین بازار

داتا صاحب لاہور

رضا پبلی کیشنز

ایک ادارہ ایک تحریک

مرکزی مجلسِ رضا پاکستان کا قیام عمل میں آتے ہی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اہلِ علم و ادب اور صاحبانِ تحقیق کے لیے نہایت عمدہ لٹریچر دکھائی دینے لگا جس کا ہر درد مند مسلمان مدت سے متلاشی تھا۔ مواد کی فراہمی، اہلِ قلم کی حوصلہ افزائی عنقا تھی۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے اہلِ سنت وجماعت کے کتب خانے ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئے کسی وقت کشمیری بازار تاجر وناشران کتب کا سرمایۂ افتخار سمجھا جاتا تھا۔ مگر حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے خصوصی فیضان نے لال کوٹھی کی تقدیر بدلی، حزب الاحناف لاہور دہلی دروازہ سے یہاں منتقل ہوا اور اس مرکزی دار العلوم کا نقشہ کچھ اس انداز پر بنایا گیا کہ سامنے مین روڈ پر سُنّی کتب خانوں کی قطار لگ گئی۔ مکتبہ نبویہ، مکتبہ اسلامیہ، مکتبہ حامدیہ، مکتبہ برکاتیہ، شرکتِ حنفیہ، مکتبہ نوریہ رضویہ، مکتبہ رضوان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، الکتاب، المعارف وغیرہ گنج بخش روڈ کی زینت بن گئے۔ سامنے اُردو بازار کی طرف مکتبہ نذیر سنز مکتبہ سلطانیہ اور اُردو بازار میں مکتبہ اسلامیہ، فرید بک سٹال، حامد اینڈ کمپنی ایسے فعال ادارے نشر و اشاعت پر کمر بستہ ہوئے۔ اب تک ان تمام کتب خانوں کی شائع کردہ کتب کی فہرست مرتب کی جائے تو کئی دفتر تیار ہوں۔ ان کے علاوہ مچھلی مارکیٹ چوک اُردو بازار میں، ہجویری پبلشرز اپنی انفرادی حیثیت سے نمایاں نظر آتا ہے یہ ادارے اس قابل ہیں کہ ان کی خدمات کا بھرپور جائزہ لیا جائے مگر میرے پیشِ نظر نوری کتب خانہ بین بازار داتا

گنج بخش کے ساتھ ہی اہلِ سُنت جماعت کا ایک نہایت بلند پایہ اور معیاری کتب خانہ رضا پبلی کیشنز ہے۔ جس نے نہایت ہی کم مدت میں ایسی علمی و ادبی، تاریخی، تحقیقی اور پند و نصائح پر مبنی مواعظ کی بیسیوں کتابیں شائع کر کے پاک و ہند میں اپنا نام پیدا کر لیا ہے۔ گو مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ کی طرف سے علوم و فنونِ اسلامیہ پر اس سے کہیں زیادہ کام ہوا ہے مگر رضا پبلی کیشنز کے جواں سال اور ایک نئے دور کے گریجوایٹ ذہن کے مالک الحاج میاں محمد زبیر احمد ضیائی زید مجدہٗ تنِ تنہا مکتبہ کا کام چلا رہے ہیں۔ ہر نئی کتاب کی کتابت، طباعت، جلد بندی اور پھر سیل تک کے تمام اہم امور ان سے متعلق ہیں۔ صرف کتب خانہ سے ہی دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ مرکزی مجلس رضا کی کتابوں کی طباعت و اشاعت کا بیشتر کام انہی کے سپرد ہے۔ نیز ان کے جنون کی بات یہاں تک پہنچتی ہے کہ پاکستان سُنّی رائٹرز گلڈ کی مجلسِ عاملہ کے رکن اور خازن کی ذمہ داری بھی اپنے مضبوط کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ الحاج میاں محمد زبیر احمد ضیائی کی دریافت الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری صدر مرکزی مجلس رضا کا کارنامہ ہے۔ جن کے خلوص، عمل اور استقامت سے نہ جانے کتنے قلم توڑ اہلِ قلم بن گئے موصوف بڑے حکیمانہ انداز میں باتیں کرتے ہیں جو دل میں اتر جاتی ہیں۔ چنانچہ میاں صاحب کی صلاحیتوں کو حکیم صاحب نے اجاگر کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے بین بازار داتا گنج بخش میں رضا پبلی کیشنز کے نام سے ایک انقلابی کتب خانہ وجود میں آیا جس نے مارکیٹ میں قدم رکھتے ہی مذاہب الاسلام، فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں، فاضل بریلوی اور ترکِ موالات، تمہید ایمان، حیات امام احمد رضا، شعر حسن، اقبال و احمد رضا، قبال کا آخری معرکہ، تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم وغیرہ۔ تاریخی، تحقیقی، تحریکی، ادبی، مذہبی کتب قوم کے سامنے پیش کر دیں۔ خوبصورت انداز، دلکش کتابت، اعلیٰ مضبوط جلد اور ٹائیٹل پھر مضامین کی تاثیر اور حسن و خوبی نے

پاک وہند کے اہلِ محبت سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ اہلِ قلم نے حوصلہ افزاء خطوط لکھے، بہت سے علماء نے اپنی تصانیف کو بلامعاوضہ شائع کرنے کی پیش کش کی مگر میاں صاحب نے حالات کے تقاضہ کے مطابق ہندوستان کے ممتاز علماء کی تصانیف کو اوّلیت دی اور زیورِ طباعت سے مرصع کرنا شروع کیا۔ چنانچہ حضرت مولانا علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی کی عظیم تصنیف "انوار الحدیث" کو شائع کردیا جو ہاتھوں ہاتھ سیل ہوگئی۔ فوری طور پر دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی طرح ڈالی۔ الحمدللہ مصنف مدظلہ، کی تصحیح اور حالات کے ساتھ مارکیٹ میں انوار الحدیث دوسری بار طبع ہوکر آچکی ہے۔ مانگ کی بہتاب کے مدِنظر بیشتر کتب خانوں نے پیشگی آڈر دے رکھے تھے۔ اسی طرح حضرت علامہ مولانا الحاج عبد المصطفےٰ اعظمی مدظلہ، شیخ الحدیث دارالعلوم فیض الرسول (براؤن شریف) کی جملہ تصانیف کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

ایمانی تقریریں مارکیٹ میں آچکی ہے۔ کراماتِ صحابہ پریس میں ہے۔ جس میں ایک سو صحابہ کرام کے حالات خصوصاً کرامات کو بڑے موثر پیرائے میں بیان کیا گیا ہے عرفانی تقریریں، حقانی تقریریں زیرِ طبع ہیں۔

نورانی تقریریں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ دل ونگاہ کو ان سے منور کریں اور فیصلہ کریں کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، کی تصانیف کو رضا پبلی کیشنز نے ان کی شان کے شایان شائع کیا ہے یا نہیں؟

البتہ۔ حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی، علامہ نسیم بستوی، مولانا غلام عبدالقادر علوی اور حضرت شیخ الحدیث علامہ اعظمی دامت برکاتہم العالی کی طرف ادارہ کو سندِ تحسین وآفرین مل چکی ہے۔ انشاءاللہ العزیز ان گرامی قدر علماء کرام کی دعاؤں سے "رضا پبلی کیشنز" کے علمی اقدام سے اظہر من الشمس

ہے کہ آئندہ بھی ہر کتاب پوری خوبصورتی سے قوم کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا رہے گا۔ مولیٰ تعالیٰ میاں محمد زبیر احمد صاحب ضیائی زید مجدہٗ سجادہ نشین آستانۂ عالیہ حضرت داتا گنج بخش (علیہ الرحمۃ) اور ان کے معاونین کو دارین کی کامرانیوں سے بہرہ ور فرمائے

آمین !

محمد منشا تابش قصوری
ناظم مکتبہ اشرفیہ مریدکے رکن مجلسِ عاملہ
پاکستان سُنی رائٹرز گلڈ
لاہور

۲۵ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ

۴ دسمبر جمعرات ۱۹۸۰ء

فہرست مضامین

نوٹ:۔ اس سے پہلے کے سات وعظ اس کتاب کے حصہ اول "ایمانی تقریریں" میں پڑھئے۔

پہلا واعظ

بصد انداز یکتائی بغایت شان زیبائی
امین بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

حمد باری تعالیٰ

اے خدا سازندۂ عرشِ بریں — شام را دادی تو زلفِ عنبریں
روز را با شمعِ کافور اے کریم — کردۂ روشن تر از عقلِ سلیم
قادرا! قدرت تو داری بر کمال — اَنْتَ رَبِّی اَنْتَ حَسْبِی ذوالجلال

رَبَّنَا فَالْحَمْدُ لَکَ فِی کُلِّ حَال
اَنْتَ مَعْنَی السِّرِّ فِی کُلِّ الْمَقَال

نعتِ شریف

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمد است — آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمد است
تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است — لیکن کشادِ آں بہ زبانِ محمد است
ہر کس قسم بآں چہ عزیز است می خورد — سوگندِ کردگار بہ جانِ محمد است

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ الذی خلق نبیہ و زینہ بمکارم الوجود ؕ وفضلہ بالشفاعۃ الکبریٰ والمقام المحمود ؕ واشہد ان لا الٰہ الا اللہ الملک المعبود ؕ واشہد ان سیدنا محمداً عبدہٗ ورسولہ اکرم الخلق واحسن المولود ؕ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من میلادہ سعید ولقاءہ مسعود ؕ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ المکرمین الیٰ الیوم الموعود ؕ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ؕ

سَلِّمُوْا یَا قَوْمِ بَلْ صَلُّوْا عَلَی الصَّدْرِ الْاَمِیْن

مُصْطَفٰی مَا جَآءَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن

برادرانِ ملت! باآوازِ بلند درود شریف پڑھیے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم ؕ

محترم حاضرین! میں آج کے اس روح پرور دینی اجلاس میں حضور نبی رحمت کی ولادت باسعادت اور محفلِ میلاد شریف کی اہمیت و عظمت کے چند نقوش اجاگر کرنا چاہتا ہوں۔

حاضرین کرام! یہ جلسوں کا دور ہے۔ اور اس زمانے میں قسم قسم کے جلسے روزانہ ملک کے اندر منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے

شاندار اجلاس ہوتے ہیں - اور شاندار پنڈالوں میں سجاوٹ اور آرائشیں بھی خوب ہوا کرتی ہیں - بجلی کے قمقموں سے جلسہ گاہ بقعۂ نور بنادی جاتی ہے - غرض بڑے بڑے جاذبِ نظر اہتمام و انتظام کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔
مگر برادرانِ ملت! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا یہ جلسہ جس میں ہم اور آپ حاضری کی سعادت حاصل کر رہے ہیں - ملک کے تمام جلسوں سے زیادہ عزت و عظمت والا، اور بزرگی و تقدس والا ہے - بلکہ میرا تو اعتقاد ہے کہ اس آسمان کے نیچے، اور اس زمین کے اوپر اس سے زیادہ عظمت والا دوسرا کوئی جلسہ ہو ہی نہیں سکتا - کیوں؟ اس لئے کہ آج کل ملک میں جتنے جلسوں کا رواج ہے - عموماً ان جلسوں کا تعلق کسی نہ کسی سیاسی پارٹی، یا سیاسی لیڈر، یا سیاسی پروگرام، یا دوسری کوئی دنیاوی غرض سے ہوتا ہے کوئی کانگریس کا جلسہ ہے، تو کوئی کمیونسٹ کا - کوئی کسی لیڈر کے استقبال کا جلسہ ہے، تو کوئی الیکشن کا - غرض ہر جلسے کی نسبت اور اس کا تعلق سیاسیات یا دنیاوی اغراض سے ہوتا ہے - مگر آپ کو معلوم ہے کہ یہ جلسہ نہ تو کانگریس کا جلسہ ہے، نہ کمیونسٹ کا - نہ یہ الیکشن کا جلسہ ہے نہ کسی لیڈر کے سواگت کا - بلکہ اس جلسہ کی نسبت اور اس کا تعلق سبز گنبد کے مکین حضور رحمۃ للعالمین، نبی مکرم، خلیفۃ اللہ الاعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہے اور اس جلسہ کا نام ہی جلسۂ میلاد النبی - ہے - صلی اللہ علیہ وسلم) اور برادرانِ اسلام! یہ ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے کہ جس چیز کا تعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات والاصفات سے ہو جائے۔ اگرچہ وہ چیز کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو مگر اس کا رتبہ اس قدر بلند و بالا اور اتنا عظمت والا ہو جاتا ہے کہ ہماری ناقص و کوتاہ عقل اس کی رفعت و بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتی آپ یقین فرمالیجئے کہ جس طرح حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حق جل مجدہٗ کے محبوب اکرم ہیں۔ اسی طرح جن جن چیزوں کو آپ سے نسبت و تعلق ہے وہ چیزیں بھی بارگاہِ رب العزت میں اتنی محبوب ہو جاتی ہیں کہ ان سے محبت رکھنے والا بھی محبوبیت خدا کی منزل بلند پر فائز ہو جاتا ہے۔

ایک اہم مسئلہ

محترم حاضرین! یہاں تک بات آگئی ہے تو ایک مسئلہ بھی سن لیجئے۔ اور یقین فرمائیے کہ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس مسئلہ پر صحیح معنوں میں عامل ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ اُس سے کبھی بھی توہینِ محبوبانِ بارگاہ الٰہی کا گناہ عظیم نہیں ہو سکتا۔ اور سچ عرض کرتا ہوں کہ یہ میری لفاظی، یا زورِ خیال کی پرواز نہیں ہے۔ بلکہ یہ قرآن و حدیث کے مقدس پھولوں کا وہ عطر ہے۔ جو اہل ایمان کے مشامِ جان کو معطر کر دیتا ہے۔

سامعین کرام! مسئلہ یہ ہے کہ اللہ والے تو اللہ والے ہوتے ہی ہیں۔ مگر اللہ والوں کی ہر ہر چیز بھی اللہ والی ہوتی ہیں۔ اللہ کے محبوب تو اللہ کے محبوب ہوتے ہی ہیں مگر اللہ کے محبوبوں کی ہر ہر چیز بھی اللہ کی محبوب ہو جاتی ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ؕ یعنی اے تمام دنیا سے حج کے لئے آنے والو! جب تم خدا کے مقدس گھر کعبہ شریف کے پاس پہنچو۔ تو پہلے سات چکر بیت اللہ کا طواف کرو پھر کعبہ معظمہ سے چند قدم دور چل کر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھو۔

مقامِ ابراہیم میرے بزرگو اور بھائیو! یہ مقامِ ابراہیم کیا چیز ہے؟ آپ کو معلوم نہیں؟ مسلمانو! یہ ایک پتھر ہے پتھر! مگر ہاں! یہ ایک ایسا مقدس پتھر ہے کہ جب حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ کی تعمیر فرما رہے تھے۔ تو اسی پتھر پر کھڑے ہو کر خدا کے خلیل نے بیت اللہ کی دیواروں کو بنایا تھا۔ قرآن مجید میں ہے کہ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (بقرہ) یعنی جب حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام بیت اللہ کی دیواروں کو تعمیر کر رہے تھے۔ تو یہ دعا مانگتے تھے کہ اے پروردگار! تو ہماری اس خدمت کو قبول فرما لے بیشک تو ہماری دعاؤں کا سننے والا ہے، اور ہماری نیتوں کا جاننے والا ہے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نیچے سے پتھر اور گارا دیتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقدس پتھر پر کھڑے ہو کر دیواروں کو تعمیر فرما رہے تھے۔ آپ اتنی دیر تک اس پتھر پر کھڑے رہے کہ اس پر آپ کے دونوں قدموں کا نشان پڑ گیا جو آج تک قائم و باقی ہے یہ آپ کا معجزہ ہے کہ پتھر موم کی طرح نرم ہو گیا۔ اور آپ کا نقشِ قدم اس پر پیوست ہو گیا۔ اور آپ کے

اسی نقشِ قدم کی وجہ سے یہ پتھر "مقامِ ابراہیم" کہلانے لگا۔ اور اس کو اس نسبت کی وجہ سے ایسی عزت و کرامت، اور فضیلت و عظمت حاصل ہوئی کہ قرآنِ عظیم نے دو جگہ اس کی عظمت کا خطبہ پڑھا۔ ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا کہ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ یعنی کعبہ معظمہ میں رب البیت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ اور انھیں نشانیوں میں سے ایک نشانی "مقام ابراہیم" بھی ہے۔ اور دوسری جگہ اس طرح خداوندی فرمان کا بیان ہے کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ یعنی اے مسلمانو! تم طوافِ کعبہ کے بعد نماز تو خدا کے لیے پڑھو۔ سجدہ خدا کا کرو۔ مگر تم اپنی پیشانیاں اُس پتھر کے پاس زمین پر رکھ کر سجدہ کرو جس پر ایک اللہ والے کے قدموں کا نشان بنا ہوا ہے۔ سبحان اللہ! ایک پتھر کو ایک اللہ کے پیارے سے اتنا تعلق پیدا ہو گیا کہ اس کے قدموں کا اُس پر نشان بن گیا۔ تو اس پتھر کی محبوبیت کا یہ عالم ہو گیا کہ قرآن اس کی مدحت کا خطیب بن گیا۔ اور یہ پتھر تمام حجاج بیت اللہ کی سجدہ گاہ عجیب بن گیا۔

مسلمانو! اس آیت نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کر دیا کہ اے قرآن پڑھنے والو اس نکتہ سے غافل مت رہنا کہ اللہ والے تو اللہ والے ہوتے ہی ہیں مگر اللہ والوں کی ہر چیز بھی اللہ والی ہے۔ خدا کے پیارے تو خدا کے پیارے ہوتے ہی ہیں لیکن خدا کے پیاروں کی ہر چیز بھی خدا کی پیاری ہوتی ہے۔ مسلمانو! آپ نے دیکھا نہیں؟ کہ حضرت خلیل اللہ خدا کے پیارے ہیں۔ تو ان کے نشانِ قدم کو اپنے سینے پر

اُٹھانے والا پتھر بھی خدا کے نزدیک اتنا پیارا ہو گیا کہ اس پتھر کے پاس پیشانی رکھ کر جو سجدہ کیا جائے وہ بھی خدا کا پیارا ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس پتھر کے پاس خدا کا سجدہ کرنے والا بندہ بھی خدا کا محبوب، اور اللہ والا ہو جاتا ہے۔

مسلمانو! یہ تو خدا کے تمام محبوبوں کا حال ہے۔ اب تم غور کرو کہ اگر کسی چیز کو خدا کے محبوب خاص یعنی حبیبِ مکرم و محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق حاصل ہو جائے تو پھر سبحان اللہ! اس کی عزت و عظمت، اور کمالِ محبوبیت کا کیا عالم ہوگا؟ اللہ اکبر! قرآن مجید میں رب العزت جل جلالہٗ ارشاد فرماتا ہے کہ لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ یعنی خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ مجھ کو شہر مکہ کی اس لئے قسم ہے کہ اے محبوب! تم اس شہر میں مقیم ہو۔ اللہ اکبر!

برادرانِ ملت! ذرا غور تو کیجئے کہ مکہ میں صفا و مروہ بھی ہے چاہِ زمزم و مقام ابراہیم بھی ہے، بنیادِ خلیل یعنی کعبۂ رب جلیل بھی ہے غرض سیکڑوں عظمتیں، اور ہزاروں بزرگیاں شہر مکہ میں جلوہ فگن ہیں مگر ربِّ کعبہ جب اس شہر کی قسم ذکر فرماتا ہے۔ تو یوں فرماتا ہے کہ مجھے شہر مکہ کی اس لئے اور اس بنا پر قسم ہے کہ اے محبوب یہ شہر مکہ تمہارا مسکن ہے! پتہ چلا کہ مکہ مکرمہ اپنی بے شمار سابقہ عظمتوں کے باوجود، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے اتنا مکرم و معظم ہو گیا کہ رب العرش

اس کی عظمت کی قسم بیان فرماتا ہے۔ اعلیٰحضرت قبلہ نے اسی مضمون کو اپنے ایک شعر میں بیان فرمایا۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

مرزا غالب نے بھی اس مضمون پر خامہ فرسائی فرماتے ہوئے خوب کہا ہے[۵]

ہر کس قسم بآں کہ عزیزاست می خورد
سوگند کردگار بجان محمد است

یعنی ہر شخص کو جو چیز پیاری ہوتی ہے اسی چیز کی وہ قسم کھاتا ہے۔ دیکھ لو کہ پروردگارِ عالم کو اپنے حبیب کی جان سب سے زیادہ پیاری ہے۔ اس لیے خداوند عالم کبھی اپنے محبوب کے کلام کی، کبھی ان کی زندگی کی کبھی ان کے شہر کی قسم ذکر فرماتا ہے!

رمل برادرانِ اسلام! نسبتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آگیا۔ تو ایک مسئلہ اور بھی سُن لیجئے۔ حجاج کرام جانتے ہیں کہ مکہ معظمہ پہنچ کر سب سے پہلا جو کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس میں۔ رمل۔ کرنا پڑتا ہے "رمل" کیا ہے؟ عزیزانِ ملت! رمل یہ ہے کہ سینہ تان کر، شانہ ہلا ہلا کر خوب اکڑ اکڑ کر چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے طواف میں اس شان سے چلیں۔ کہ گویا کہ کوئی پہلوان اکھاڑے میں اپنے مقابل سے کشتی لڑنے کے لئے نکلا ہے۔ چنانچہ میرے بزرگو اور بھائیو! تمام حجاج کرام طواف کعبہ کے شروع کے تین چکروں میں خوب اکڑ اکڑ کر رمل کرتے ہیں۔ اور

جھوم جھوم کر مستانہ چال کے ساتھ کعبہ کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ چنانچہ دنیا بھر
کے جوان جوان حاجیوں کے ساتھ ہمارے ہندوستان کے اسّی اسّی برس
کے کھوسٹ بوڑھے حاجی بھی اکڑ اکڑ کر رمل کی سنت ادا کرنا چاہتے ہیں۔
مگر بڑھاپے کی وجہ سے ان کا سینہ آگے کو بھاگتا ہے۔ اور کمر پیچھے کو!
مسلمانو! یہ بڑی مصیبت ہے کہ ہندوستان کے مالداروں پر خدا کی ایسی
مار ہے کہ جب تک یہ اسّی یا نوّے برس کے نہ ہو جائیں اس وقت تک
گویا ان پر حج فرض ہی نہیں ہوتا۔ ساری جوانی تو کمانے کھانے میں گزار دیتے
ہیں۔ اور جب منہ میں دانت نہیں، پیٹ میں آنت نہیں۔ بالکل اُدل
جکول بوڑھے ہو گئے۔ اور دنیا میں کسی کام کے نہ رہے تب یہ سمجھے کہ اب
ہمارے اوپر حج فرض ہوا ہے۔ اور حج کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض
تو اب بھی نہیں چلتے۔ بلکہ زبردستی حج کے لئے چلائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بہت
سے بیٹے جب بوڑھے باپ کی موت کا انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں۔
اور پھر بھی بڈھا نہیں مرتا۔ تو بیٹے زبردستی باپ کو اس نیت سے حج کے لیے
بھیج دیتے ہیں کہ شاید اس لمبے سفر میں بڈھا قبرستان پہنچ جائے تو تجوری
کی کنجی ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ اسّی نوّے برس کا
کھوسٹ بڈھا جو بلا کسی کے سہارے اُٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ بھلا
وہ طواف میں رمل، اور صفا، مروہ کی سعی کیا خاک کرے گا؟ میں نے
اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ بڈھے حاجی طواف نہیں کر سکتے
بلکہ ان لوگوں کو چارپائیوں پر لٹا کر، کندھوں پر اُٹھا کر طواف کرایا

جاتا ہے۔ اوران لوگوں کو رکھشا پر بٹھا کر صفا و مروہ کی سعی کرائی جاتی ہے
اور جن غریب بوڑھوں کے پاس سواری کے لئے رقم نہیں ہوتی۔ اور
وہ پیدل صفا و مروہ کی سعی کرنے جاتے ہیں تو کمزوری کی وجہ سے گر پڑتے
ہیں۔ اور سعی کرنے والوں کے ہجوم میں بہت سے پامال بھی ہو جاتے ہیں
میرے بزرگو اور بھائیو! تمہیں خدا کا واسطہ دیکر عرض کرتا ہوں کہ اگر تم پر
حج فرض ہو چکا ہے۔ تو خدا کے لئے جوانی اور طاقت کی حالت میں حج
کر لو۔ اور بڑھاپے کی مجبوری اور لاچاری آنے سے پہلے ہی خدا کا فرض
ادا کر لو۔ بہرکیف برادران ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ طوافِ کعبہ میں
رمل۔ یعنی اکڑ کر چلنے کا حکم ہے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حرمِ کعبہ
میں جو جلال و جبروتِ الٰہی کا مرکز ہے۔ اور جہاں قہر و جلال خداوندی کے
خوف سے فرشتوں کے بال و پر بھی لرزہ براندام ہوتے ہیں۔ اس جگہ
ہم گناہگار بندوں کے اکڑ کر چلنے کا مطلب کیا ہے؟ قرآن میں ربِ کعبہ
کا فرمان ہے۔ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ج اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ
الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل) یعنی زمین پر
اکڑتے اور اتراتے ہوئے مت چلو۔ بیشک نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو
نہ لمبائی میں پہاڑ کے برابر ہو سکتے ہو۔

برادرانِ اسلام دیکھا آپ نے زمین پر اکڑ کر اور اترا کر چلنا حرام و گناہ
ہے۔ چنانچہ آپ ہندوستان میں اکڑ کر چلیں تو گناہ، جدہ میں اترا کر چلیں
تو گناہ، مکہ مکرمہ کی کسی گلی میں اکڑیں اور اترا کر چلیں تو گناہ، لیکن خاص

خدا کے گھر کے پاس حرمِ الٰہی کے اندر اکڑ اکڑ کر اور اترا اترا کر چلیں تو ثواب ہی ثواب ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ تمام روئے زمین پر اکڑ کر چلنا گناہ، اور خدا کے گھر کے پاس اکڑ کر چلنا ثواب ہے!

برادرانِ ملت! سنئے! اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ۷ھ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے اور حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو مشرکین مکہ نے طعنہ مارا کہ یہ صحابہ بھلا کیا طواف کر سکیں گے؟ ان لوگوں کو تو مدینہ کے بخار نے کچل ڈالا ہے۔ اور یہ بالکل ہی کمزور و لاغر ہو چکے ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے اس طعنے کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابۂ کرام کو "رمل" کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ تم لوگ اس طرح اکڑ اکڑ کر طواف کرو کہ ان مشرکین کے دلوں پر تمہاری شوکت و طاقت کا سکہ بیٹھ جائے چنانچہ آگے آگے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سینہ تانے اور شانہ ہلاتے ہوئے رمل کے ساتھ طواف فرمانے لگے۔ اور آپ کے پیچھے پیچھے صحابہ کرام نے بھی سینہ تان کر اکڑتے ہوئے شانہ ہلا ہلا کر طواف میں رمل کیا۔ مسلمانو! خدا کے گھر میں محبوبِ خدا کے اکڑ اکڑ چلنے کی یہ ادا خدا کو اتنی پیاری معلوم ہوئی کہ خداوند قدوس نے اپنے تمام بندوں کو یہ حکم دیدیا کہ میرے بندو! روئے زمین کے کسی حصہ پر بھی تمہارے لئے اکڑ اکڑ کر اور اترا اترا کر چلنا حرام و گناہ ہے۔ مگر جب تم مکہ مکرمہ میں میرے مقدس گھر کے طواف کے لیے آؤ تو یہاں پر تمہارا اکڑ کر چلنا

ثواب ہی ثواب ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس مقام پر اکڑ کر چلنے کو میرے محبوب سے نسبت و تعلق ہے۔ اور میرے محبوب کی ہر ادا مجھے محبوب ہے کیونکہ پیارے کی ہر ادا پیاری معلوم ہوتی ہے۔ لہذا اے میرے بندو! تمہارا اس مقام پر اکڑ کر چلنا مجھے پیارا معلوم ہوتا ہے۔

برادرانِ گرامی دیکھا آپ نے؟ اکڑنے اور اترا کر چلنے کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہو گئی۔ تو اکڑ کر چلنا اور اتراتے ہوئے طواف کرنا بھی خداوندِ قدوس کے نزدیک محبوب اور کارِ ثواب بن گیا۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ اللہ والے تو اللہ والے ہوتے ہی ہیں اس میں کیا شک ہے؟ مگر سوال تو یہ ہے کہ اللہ والوں کی ہر چیز بھی اللہ والی ہو جایا کرتی ہے خدا کے پیارے تو خدا کے پیارے ہوتے ہی ہیں۔ مگر خدا کے پیاروں کی ہر ہر چیز بھی خدا کی پیاری ہو جاتی ہے۔ پڑھئے جھوم کر بلند آواز سے درود شریف

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین
وبارک وسلم ابداً ابداً

دارالشفاء

برادرانِ ملت! ایک بات اور سن لیجئے! کون نہیں جانتا کہ مدینہ منورہ کا پرانا نام "یثرب" ہے۔ یہ شہر وباؤں کا مرکز، اور بیماریوں کا گھر تھا مگر جب رحمۃ للعالمین کے قدم یہاں آئے اور اس شہر کو خدا کے محبوب سے نسبت و تعلق حاصل ہو گیا۔ اور یہ مدینۃ الرسول کہلانے لگا تو نسبت رسول کی وجہ سے اس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلے یہ بیماریوں کا گھر تھا۔ لیکن اب "دارالشفا" اور تمام روحانی و جسمانی امراض

کا شفا خانہ بن گیا۔ چنانچہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ "تُربَۃُ اَرضِنَا بِرِیقَۃِ بَعضِنَا یَشفِی سَقِیمَنَا بِاِذنِ رَبِّنَا" یعنی مدینہ کی مٹی لعابِ دہن میں لگا کر جس مریض کو بھی استعمال کرائی جائے اس کو خدا کے حکم سے شفا حاصل ہوگی۔ مولانا حسن بریلوی قدس سرہٗ نے اس حدیث کا نہایت ہی لطیف ترجمہ فرماتے ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ ؎

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے سے
اٹھالے جائے تھوڑی خاک انکے آستانے سے

خیر الامم

حاضرین محترم! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہمارا اور آپ کا لقب "خیر الامم" ہے۔ یعنی تمام امتوں میں سب سے بہترین امت۔ کیا کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ امتیں تو بہت ہیں اور اگلی امتوں کی عمریں بھی بہت طویل ہوتی تھیں اور ان کے اعمال بھی بہت زیادہ تھے مگر کیا وجہ ہے؟ کہ یہ امت باوجودیکہ ان کی عمریں کوتاہ۔ اور اعمالِ صالحہ بھی بہت کم، پھر بھی قرآن مجید میں رب العزت جل وعلا نے اس امت کے درجات عالیہ کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ!۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران) یعنی اے میرے حبیب کی امت! تم ان تمام امتوں میں سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر ہوئیں۔ تم انسانوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو!

برادرانِ اسلام! آپ یقین فرمائیے کہ اس اُمت کے "خیر الامم" یعنی بہترین امت ہونے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس امت کو خدا کے پیارے، ہم غریبوں کے سہارے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق ہے اور اللہ کے پیارے تو اللہ کے پیارے ہوتے ہی ہیں۔ اس میں کیا شک ہے؟ مگر اللہ کے پیاروں سے نسبت رکھنے والے بھی اللہ کے پیارے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے سارے جہان سے زیادہ خدا کے پیارے کی امت بھی خدا کے نزدیک سارے جہاں والوں سے زیادہ پیاری ہو گئی! تو برادرانِ ملت! اب آپ خود غور کیجئے کہ جب مکہ مکرمہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت حاصل ہو گئی تو اس کی عزت و عظمت میں ایسا چار چاند لگ گیا کہ خداوند قدوس قرآن مجید میں اس کی قسم ذکر فرماتا ہے۔ جب "رمل" یعنی کعبہ کے طواف میں اکڑ کر چلنے کو حبیب خدا سے نسبت حاصل ہو گئی تو اکڑنا اور اترا کر چلنا بھی عبادت بن گیا۔ جب شہر مدینہ جو پہلے بیماریوں کا گھر تھا۔ نسبتِ حبیب کی وجہ سے دار الشفا بن گیا، جب یہ امت نسبتِ محبوب کی بدولت "خیر الامم" ہو گئی تو پھر سمجھ لیجئے کہ وہ جلسہ جس کو حضور صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہو۔ اور اس کا نام ہی جلسہ میلاد النبی ہو بھلا اس جلسے کی عزت و عظمت، اور اسکی فضیلت و کرامت کا کیا کہنا؟ یقیناً وہ جلسہ محبوبِ خدا و مقبولِ بارگاہِ کبریا ہوگا اور بلاشبہ نسبت رسول کی عظمت کی وجہ سے تمام جلسوں میں سب سے زیادہ مکرم و معظم ہوگا۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ آسمان کے نیچے، اور اس

زمین کے اوپر، جلسۂ میلاد النبی سے بڑھکر عظمت و تقدس والا دوسرا کوئی جلسہ ہو ہی نہیں سکتا۔

برادرانِ ملت! یہ وہ جلسہ ہے کہ آپ گھر سے چلے تو ہر قدم پر ایک نیکی لکھی گئی۔ اور جتنی دیر آپ اس جلسہ میں شریک اجلاس رہیں گے رحمتِ خداوندی کے سائبان آپ پر سایہ فگن رہیں گے کیونکہ جس جلسے میں آپ حاضر ہیں یہ میرا، تمہارا، ان کا، اُن کا جلسہ نہیں ہے بلکہ یہ محبوبِ خدا، سرورِ انبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہے۔ لہذا میرا ایمان ہے کہ اس جلسے میں جذبۂ عقیدت و جوشِ محبت کے ساتھ شرکت والا بھی یقیناً خدا کا محبوب اور مقبولِ بارگاہ الٰہی ہوگا۔

برادرانِ گرامی! پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ آپ اپنی میٹھی میٹھی نیند کو قربان کر کے اور اپنے نرم نرم بستروں کو لات مار کر اُن کی یاد میں یہاں جاگ رہے ہیں جنھوں نے سیکڑوں راتیں ہماری تمہاری یاد میں جاگ کر کاٹی ہیں۔ کیوں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں؟ کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساری ساری رات جاگ کر اپنی امت کی مغفرت کے لئے دعائیں مانگتے تھے اور امت کی یاد میں اتنا روئے، اور اس قدر جاگے کہ خدا کی خدائی کو مصطفےٰ کی مصطفائی پر پیار آگیا۔ اور قرآن میں خدا کا فرمان اُتر پڑا کہ:۔

یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۙ

یعنی اے جھرمٹ مارنے والے رات میں قیام فرمائیے مگر تھوڑا آدھی رات

یا اس سے بھی کم کیجئے، یا اس سے کچھ زیادہ کر لیجئے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے - برادرانِ اسلام! محبوبِ خدا رات رات بھر کھڑے رہتے، نمازیں پڑھتے، دعائیں مانگتے - حدیث گواہ ہے کہ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہُ یعنی اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا - اللہ اللہ! محبوبِ کبریا کی یہ شب بیداری، عبادت گزاری، گریہ زاری، کیوں تھی؟ کس کے لئے تھی؟ سنو! ؎

تمہارے ہی لئے تھا اے گنہ گارو سیہ کارو
وہ شب بھر جاگنا، اور رات بھر رونا محمد کا (صلی اللہ علیہ وسلم)

برادرانِ ملت! یہ جلسۂ میلاد شریف کیا ہے؟ اسی رحمت و شفقت والے آقائے نعمت کے ذکرِ جمیل، اور ان کی یاد کا جلسہ ہے - یہی وجہ ہے کہ رسول کے اہلِ محبت یعنی مسلمانانِ اہلسنت محفلِ میلاد شریف کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ ہمارے آپ کے دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ غمخوارِ امت، رسولِ رحمت کی مقدس یاد قائم و باقی، اور تازہ ہوتی رہے! پڑھئے درود شریف "

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

خاتم النبیین ہی کا میلاد کیوں؟

میرے عزیزو اور دوستو! کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ "میلاد" کے معنی کیا ہیں سنئے! میلاد عربی زبان کا لفظ ہے "میلاد" کے معنی پیدائش "میلاد النبی" یعنی نبی کی پیدائش - برادرانِ ملت! اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں

ایک تو یہ کہ ولادت و پیدائش تو سبھی کی ہوئی ہے۔ ہم اور آپ بھی پیدا ہوئے
تمام اولیاء کی بھی پیدائش ہوئی، تمام انبیاء علیہم السلام کی بھی ولادت ہوئی۔
مگر کیا وجہ ہے؟ کہ ہم مسلمان کسی کی ولادت و پیدائش کا خیال نہیں رکھتے۔ اور
حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی و رسول کا جلسۂ میلاد
منعقد نہیں کرتے۔ ہم تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ سب کی تعظیم
و تکریم بھی کرتے ہیں۔ مگر میلاد شریف صرف خاتم النبیین ہی کا پڑھتے ہیں۔
آج تک کبھی آپ نے نہیں سنا ہوگا کہ کسی نے حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت
موسیٰ حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا میلاد پڑھا ہو، یا ان کی
ولادت و پیدائش کا بیان کرنے کے لئے کوئی محفل سجائی ہو۔ دوسرا سوال یہ ہے
کہ آخر میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ کون سی ایسی خصوصیت ہے؟ کہ
مسلمان آج تک اپنے رسول کی ولادت و پیدائش کو نہیں بھول سکا۔ غور تو کیجئے کہ
مسلمان اپنے تخت و تاج اور سلطنت کو بھول گیا۔ اپنے جاہ و حشمت، اور
شان و شوکت کو بھول گیا، اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کی عزت و عظمت
کو بھول گیا۔ اپنا سب کچھ بھول گیا مگر آج تک اپنے رسول کی پیدائش اور ولادت
کو فراموش نہیں کر سکا۔ دیکھ لیجئے! شادی ہو تو میلاد شریف! غمی ہو تو
میلاد شریف! فرزند تولد ہو تو میلاد شریف! نیا مکان بنا تو میلاد شریف
مسلمانو! ان دونوں سوالوں کا جواب بہت اہم ہے۔ پہلا سوال یہ ہے
کہ صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا میلاد شریف کیوں ہوتا ہے
دوسرے انبیاء اور رسولوں کا میلاد شریف کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ اور دوسرا

سوال یہ ہے کہ چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود مسلمان اپنے رسول کی ولادت اور پیدائش کو کیوں فراموش نہیں کر سکا۔

تو بزرگو اور بھائیو! پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ بیشک تمام انبیاء اور رسولوں کی پیدائش ضرور ہوئی مگر یاد رکھئے! کہ جس طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور ان کی ہر ہر صفت بے مثل و بے مثال ہے۔ اسی طرح ان کی پیدائش اور ولادت بھی بے مثل و بے مثال ہے۔

مسلمانو! کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ اس دنیا میں آج تک جتنے پیدا ہونے والے پیدا ہوئے سب روتے ہوئے پیدا ہوئے ہر بچہ پیدا ہونے کے بعد رو رو کر اپنی زندگی کا اعلان کرتا ہے جی ہاں! یہ نوجوان جو پتلونوں میں کسے کسائے اکڑ فوں کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ اور سینہ تانے زمین پر پٹاخ پٹاخ بوٹ چٹخاتے ہوئے مٹر گشت کرتے پھرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں؟ کہ یہ جب پیدا ہوئے تھے تو ان کا کتنا پتلا حال تھا؟ اجی کچھ پوچھئے مت مٹھی بندھی ہوئی، دم گھٹا، سانس گم! گٹھڑی کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گئے ماں باپ پریشان! جل تو جلال تو، آئی بلا کو ٹال تو۔ خیر خدا خدا کر کے صاحبزادے کا سانس آیا۔ تو سب سے پہلے ایک چوں کی روئے۔ اور رو رو کے اپنی زندگی کا اعلان کیا۔ تو ماں باپ کی جان میں جان آئی کہ الحمد للہ بچہ زندہ پیدا ہوا خیر بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج تک جتنے پیدا ہونے والے پیدا ہوئے سب روتے ہوئے ہی پیدا ہوئے۔ مگر برادران ملت! آپ یہ سن کر حیران ہو جائیں گے کہ اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر

ایک ایسا بھی پیدا ہونے والا پیدا ہوا ہے جو روتا ہوا نہیں پیدا ہوا۔ بلکہ تمام جہاں کے روتے ہوؤں کو ہنساتا ہوا پیدا ہوا۔ وہ پیدا ہونے والے کون ہیں؟ سنئے! وہ مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ کے گھر حضرت بی بی آمنہ کی گود میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ مولودِ مسعود ہیں جو پیدا ہو کر روئے نہیں۔ بلکہ پیدا ہوتے ہی حمدِ الٰہی کا خطبہ پڑھا۔ اور سہ

سر سجدۂ معبود میں رکھ کر یہ حق سے عرض کی
یَارَبِّ ھَبْ لِیْ اُمَّتِیْ یَارَبِّ ھَبْ لِیْ اُمَّتِیْ

اللہ اکبر! برادرانِ ملت! دیکھ لیا آپ نے؟ رحمتِ عالم پیدا ہو کر روئے بلبلائے نہیں، آہ وزاری نہیں کی۔ بلکہ پیدا ہوتے ہی اپنی ننھی سی پیشانی کو مالکِ حقیقی و مسجودِ تحقیقی کی بارگاہِ عظمت میں سجدہ ریز کر دیا۔ اور اپنے ننھے ننھے، پتلے پتلے گلابی ہونٹوں سے جن کی رنگینی و نزاکت پر گلاب کی کلیاں قربان ہوتی ہیں آپ نے دعا مانگی۔ پھر دعا بھی کس کے لئے؟ اپنے لئے نہیں۔ اپنی لاڈلی بیٹی فاطمہ کے لئے نہیں۔ اپنے جنتی پھولوں حسن و حسین کے لئے نہیں اپنے ماں باپ، اپنے عزیز و اقارب کے لئے نہیں بلکہ سب سے پہلے آپ کے قلبِ نازک میں جس کا خیال آیا وہ امت کا خیال تھا۔ اور سب سے پہلی دعا جو لبِ پاکِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی وہ اُمت کے لئے تھی۔

اللہ اللہ! رسولِ رحمت کا یہ کرمِ عظیم ہے کہ اپنے والدین یا اولاد، یا کسی عزیز و اقربا، کو نہیں یاد فرمایا۔ بلکہ ہم کو آپ کو یاد فرمایا۔ اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے تمام لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ محمد رسول اللہ

پر ایمان لانے والوں کو یاد فرمایا۔ اور ان کے لیے دعا فرمائی!

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے ولادت تو ہر نبی اور ہر رسول کی ہوئی ہے مگر للّٰہ! بتائیے، کہ ایسی انوکھی اور نرالی، اور اتنی بے مثل و بے مثال ولادت کسی نبی و رسول کی ہوئی ہے؟ پھر ذرا ولادتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور اہتمام پر بھی نظر رکھئے؟ مسلمانو! رحمتِ عالم کی ولادت وہ عظیم الشان ولادت ہے کہ تمام انبیاء سابقین اس ولادت کی بشارت دیتے رہے۔ شبِ ولادت میں ستر ہزار ملائکہ مقربین کی جماعت کو لیکر جبریل امین فرشِ زمین پر اتر پڑے۔ استقبالِ ولادت کے لئے آسمان کے تارے جھک پڑے۔ بُت منہ کے بل گر پڑے۔ آتش کدۂ ایران کی آگ بجھ گئی۔ غرض عجیب عجیب آیات بینات، اور خوارقِ عادات کا ظہور ہوا۔ باقی دوسرے انبیاء کرام پیدا تو ضرور ہوئے مگر ان محبوبانِ خدا کی ولادت و پیدائش کا نہ تو پہلے سے کوئی چرچا تھا۔ نہ کوئی خاص اہتمام تھا۔ نہ ان کی ولادت کے وقت اتنی آیاتِ بینات اور نشانیوں کا ظہور ہوا۔ بس یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمان لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کے مطابق ایمان تو ہر نبی و رسول پر لاتے ہیں۔ اور سب کی تعظیم و تکریم بھی کرتے ہیں۔ مگر میلاد صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا پڑھتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ولادت میں جو خصوصی ندرت، اور امتیازی عظمت ہے وہ دوسرے کسی نبی و رسول کی ولادت میں نہیں ہے۔

برادرانِ گرامی! یہ تو پہلے سوال کا جواب ہے کہ میلاد شریف صرف خاتم النبیین ہی کا کیوں پڑھا جاتا ہے؟ اب رہ گیا دوسرا سوال کہ مسلمان سب

کچھ بھول گئے۔ مگر اپنے نبی کی ولادت کو کیوں نہیں بھولتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نبیِ رحمت نے اپنی اس ولادت کے وقت ہم کو یاد کیا۔ اس لئے ہم اس میلاد کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ بھلا ہم اُس میلاد کو کس طرح فراموش کر سکتے ہیں؟ جس میلاد کے وقت صاحبِ میلاد نے ہم کو یاد فرمایا۔ مسلمانو! ہم اپنے نبی رحمت کے اس احسانِ عظیم کو بھلا کس طرح بھول سکتے ہیں۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝

احسان کا بدلہ تو احسان ہی ہے۔ اس لئے رحمتِ عالم نے اپنی جس میلاد کے وقت ہم کو یاد فرمایا۔ حق تو یہ ہے کہ قیامت تک ہم اس میلاد کو فراموش نہیں کر سکتے اور اگر خدانخواستہ ہم نے اپنی بدنصیبی سے اس میلادِ رحمت کو بھلا دیا تو پھر سمجھ لیجئے کہ ہم سے بڑا احسان فراموش کوئی نہیں ہو سکتا!

بزرگو اور بھائیو! ایک کتا بھی روٹی کے ایک ٹکڑے کا احسان مانتا ہے اور اپنے محسن کے اس احسان کو فراموش نہیں کرتا، بلکہ دُم ہلا ہلا کر، زبان نکال نکال کر اس احسان کو یاد کرتا اور شکریہ ادا کرتا رہتا ہے۔ اور ہم انسان پھر صاحبِ ایمان ہو کر اُس رسولِ رحمت کے احسانوں کو بالکل فراموش کر دیں؟ کہ جو پیدا ہوئے تو ہمیں یاد کیا، ساری زندگی ہمیں یاد کرتے رہے۔ قبرِ انور میں بھی ہمیں یاد فرما رہے ہیں۔ اور میدانِ محشر میں بھی ہماری یاد میں بے قرار رہیں گے اور سہ

عزیز بچے کو جس طرح ماں تلاش کرے ٭ خدا گواہ، یہی حال آپ کا ہوگا

کبھی پل صراط پر، کبھی میزانِ عمل پر، کبھی جہنم کے دروازے پر پہنچ کر اپنی امت کے

گناہگاروں کو بچاتے ہوں گے۔ اللہ اللہ! مسلمانو! محسنِ اعظم، نبی اکرم، صلی اللہ علیہ وسلم کے تو ہم پر ایسے ایسے عظیم احسانات ہیں کہ اگر ہمارے جسم کے رونگٹے رونگٹے کو لاکھوں زبانیں مل جائیں پھر بھی سرکار نبوت کے عظیم احسانوں کا شکریہ نہیں ادا ہو سکتا۔ مگر ہم اتنے احسان فراموش ہو جائیں کہ ان کی ولادت کو بھی بھول جائیں۔ اور یہ بھی یاد نہ رکھیں کہ وہ کب پیدا ہوئے؟ کس طرح پیدا ہوئے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ ان کا حسب و نسب کیا ہے؟ ان کے والدین کریمین کا کیا نام ہے؟ مسلمانو! للہ! انصاف۔ کیا ہمارے ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اپنے یاد کرنے والے کو بالکل فراموش کر دیں۔ اور احسان فراموشی کریں؟ نہیں نہیں! ہرگز نہیں مسلمان اگر سچا مسلمان ہے۔ تو ہرگز ہرگز کبھی وہ اپنے رسول کا احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنا سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اور بھول گیا مگر اپنے نبی رحمت کی ولادت باسعادت کو کبھی نہیں بھولتا اور ہر خوشی اور غمی کے موقع پر محفلِ میلاد شریف میں نبی رحمت کی ولادت باسعادت کا ذکر جمیل سنکر اپنی دنیائے ایمان کے لئے روحانی تسکین و اطمینان کا سامان پیدا کر لیتا ہے!

مسلمانو! مگر ہاں! ایک ذرا کڑوی بات بھی سن لو۔ کیا کروں مجبور ہوں کہنا ہی پڑتا ہے کیونکہ ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ؛ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

کچھ لوگ اس زمانے میں ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو محفلِ میلاد شریف کو بدعت کہہ کر حرام بتلاتے ہیں۔ مگر یہ محفلِ میلاد شریف پر اسراف و بدعت

کا فتویٰ چپکا کر اس مقدس جلسہ کو حرام بتانے والے ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں اور سوچیں کہ وہ جمعیۃ العلماء، دیوبند، اور اپنے مدارس کے جلسوں میں تعیین، تداعی، روشنی، سجاوٹ، اہتمام، سب کچھ ضرورت سے زیادہ کرتے ہیں۔ اور اس پر رونقِ اجلاس، تبلیغی اجتماع، اسلامی جلسہ کا لیبل اور سائن بورڈ لگاتے ہیں۔ مگر غریب سنّی اگر اپنے نبیِ رحمت کے میلاد شریف کا چھوٹا سا بھی جلسہ کرے تو اس پر اسراف و بدعت کی لال جھنڈی دکھا کر مسلمانوں کو مشرک، اور بدعتی بتاتے ہیں۔ مسلمانو! اللہ! انصاف کرد کہ توحید کا ڈھنڈورہ پیٹنے والے مولویوں کی اس حرکت کو انصاف و دیانت سے بال برابر بھی کوئی تعلق ہے؟ کیا یہ ہمالیہ سے بڑا ظلم نہیں ہے؟ کہ مشرک لیڈروں کی جینتی اور مرتیو کی تقریبات میں اور اپنے جلسوں میں تو اہتمام روشنی، سجاوٹ اور تعیین و تداعی کے ہوتے ہوئے بھی شرکت کریں اور اس کو قوم و ملت کی خیر خواہی، اور اسلامی خدمت قرار دیں۔ مگر میلاد شریف میں ایک چراغ دیکھ کر چراغ پا ہو جائیں اور شرک و بدعت کی توپوں سے اندھا دھند گولہ باری شروع کر دیں۔

برادران ملت! برا نہ مانئے۔ حق بات کڑوی ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ دل کا چور ہے جو ان لوگوں کے قول و عمل سے پکڑا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ محبتِ رسول اور عظمتِ مصطفےٰ کا چراغ ان کے دلوں کی دنیا میں گل ہو چکا ہے اس لیے ہر وہ عمل جس سے رسول کی محبت و عظمت کا اظہار ہوتا ہو۔ خواہ وہ درود تاج ہو، یا میلاد شریف ہو یا سلام و قیام ہو

اس پر وہابیت کی توپ سے شرک وبدعت کے گولے ضرور داغے جائیں گے۔ مسلمانو! کیا تم نے کبھی اس طرح شرم وغیرت کا جنازہ نکلتے دیکھا ہے؟ کہ اتباعِ شریعت اور محبتِ اسلام کا دعویٰ بھی ہو اور ذکرِ رسول وعظمت نبوت سے ایسی عداوت بھی ہو۔ سچ فرمایا ہے اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے کہ ؎

ذکر روکے فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک۔ کہ ہوں امت رسول اللہ کی

مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی

خیر۔ برادرانِ ملت! آپ اس بات کا یقین کیجئے کہ جس کے دل میں محبتِ رسول کا اُجالا اور عظمتِ مصطفیٰ کا بول بالا ہوگا وہ ہرگز ہرگز کبھی بھی محفلِ میلاد شریف کا انکار نہ کرے گا۔ میرے بزرگو اور بھائیو! غالباً آپ نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کا نامِ نامی سنا ہوگا۔ یہ بہت ہی جامعِ شریعت وطریقت بزرگ تھے اور سلسلۂ مجددیہ کے ایک باکرامت ولی تھے۔ یہ محفلِ میلاد شریف، اور سلام وقیام سے بڑا والہانہ عشق رکھتے تھے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں ایک ایسے مولوی صاحب آگئے جن کا پائجامہ ضرورت سے زیادہ اونچا اور کرتا ضرورت سے زیادہ نیچا تھا۔ چمبونا ٹوپی، گلے کا بٹن کھلا ہوا، پیشانی پر ڈالر کے برابر گھٹا۔ چونکہ میلاد شریف والوں کو بدعتی سمجھتے تھے۔ اس لیے نہ حضرت مولانا سے سلام کیا نہ مصافحہ۔ بس ایک دم آئے اور دھم سے بیٹھ گئے۔ اور دانت نکال کر حضرت مولانا سے سوال کر دیا کہ کیا صحابہ کے زمانے میں میلاد شریف

ہوتا تھا؟ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں! میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟ کیا گالی گلوج ہوتا ہے؟ مولوی صاحب بولے کہ نہیں تو۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا ڈھول تاشہ بجتا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا نہیں تو، حضرت نے فرمایا کہ کیا کچھ کفریات یا گناہ کے کلمات بکے جاتے ہیں؟ مولوی صاحب کہنے لگے نہیں، نہیں، میلاد شریف میں یہ سب خرافات تو بالکل نہیں ہوتے پھر حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب! پھر آپ ہی بتائیے کہ میلاد شریف میں کیا کیا ہوتا ہے؟ تو مولوی صاحب ذرا ہکلا ہکلا کر کہنے لگے۔ کہ میلاد میں تخت و فرش بچھایا جاتا ہے۔ روشنی کی جاتی ہے۔ پھر لوگوں کو جمع کر کے کچھ تلاوت، کچھ نعت خوانی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت اور نبوت کے کمالات و معجزات کا بیان ہوتا ہے۔ پھر صلوٰۃ و سلام پڑھکر لڈو تقسیم کیے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میلاد شریف میں بس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر ہوتا ہے۔ مولوی صاحب سر ہلا ہلا کر کہنے لگے کہ جی ہاں۔ جی ہاں! بس رسول پاک کا ذکرِ خیر ہی ہوتا ہے۔ اب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کو جلال آ گیا اور تڑپ کر فرمایا کہ جب میلاد شریف میں ذکرِ رسول ہی ہوا کرتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بیشک صحابۂ کرام کے زمانہ میں بھی میلاد شریف ہوا کرتا تھا ضرور ہوتا تھا۔ یقیناً ہوتا تھا مگر بس فرق اتنا ہے کہ آج کل تو لوگ چاندنی اور قالین کا فرش بچھا کر، لالٹین اور پیٹرومیکس گیس کی روشنی کے نیچے میلاد شریف کرتے ہیں لیکن صحابہ میدان جنگ میں، چلچلاتی دھوپ میں گرم گرم ریت

کے اوپر کھڑے ہو کر تلواروں کی چمک کے نیچے میلاد شریف پڑھا کرتے تھے۔ اور آج کل تو لوگ میلاد شریف میں لیٹر و دا بانٹتے ہیں۔ مگر صحابہ مُونڑ وا بانٹتے تھے۔ پوربی زبان میں لڈو کو لیٹر و دا۔ اور سر کو "مونڑوا" کہتے ہیں۔ یعنی آج کل تو لوگ میلاد شریف میں لڈو بانٹتے ہیں۔ مگر صحابہ کرام سر بانٹا کرتے تھے۔

حضرت مولانا نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اے مولوی! تو خود اقرار کرتا ہے کہ ذکرِ رسول ہی کا نام میلاد شریف ہے۔ پھر بھی تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ صحابہ کے زمانے میں میلاد شریف ہوتا تھا یا نہیں؟ کیا تجھکو نہیں معلوم؟ کہ صحابہ گھر میں۔ باہر یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی رسولِ رحمت کا ذکر و چرچا کرتے تھے۔ کیا تم نے جہادِ اسلامی کی کتابوں میں یہ نہیں پڑھا؟ کہ صحابہ جب جہاد کے لیے میدانِ جنگ میں پہنچتے تھے تو پہلے امیرِ لشکر کافروں کے سامنے یہ تقریر کیا کرتا تھا۔ کہ اے گروہ کفار! سنو! ہم لوگ پہلے مشرک تھے بتوں کے پرستار، قتل و غارت اور لوٹ مار کے گناہگار تھے۔ شراب خواری، اور حرام کاری وغیرہ کی لعنتوں میں گرفتار تھے۔ اچانک ہم پر فضلِ خداوندی ہوا کہ نبیِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور انہوں نے ہمیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ محمد رسول اللہ کا مقدس کلمہ عطا فرما کر ہم کو خدائے واحد کی توحید کا پرستار، اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا جاں نثار بنا دیا۔ اور اسلام کی مقدس تعلیم سے ہمیں نیکوکار و پرہیزگار بنا دیا۔

لہذا اے گروہ کفار! تم بھی یہ کلمہ پڑھکر اسلام کے دامنِ رحمت میں آجاؤ۔ یا کم از کم نظامِ اسلام کی برتری کو تسلیم کر کے جزیہ ادا کرو۔ اور اسلامی فوجوں کی حفاظت میں پُر امن زندگی بسر کرو۔ ورنہ پھر تلوار کے فیصلے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دیکھ لو! اسلامی لشکر کا امیر میدانِ جنگ میں میلادِ رسول پڑھ چکا۔ اب اگر لشکر کفار اسلام یا جزیہ دینے سے انکار کر دیتا اور اللہ و رسول کے خلاف باغیانہ جنگ کے لئے تیار ہو جاتا تو پھر صحابہ کرام میلاد شریف ختم کر کے تلواریں میان سے نکال لیتے اور سر بانٹنا شروع کر دیتے۔ اور صبر و استقامت کا پہاڑ بنکر خدا اور رسول کے باغیوں سے ایسی شجاعت اور بے جگری سے لڑتے تھے کہ آسمانوں کے فرشتے فتح مبین لے کر اتر پڑتے تھے۔ اور میدان جنگ کا ذرہ ذرہ ان کی تحسین و آفریں کرتے ہوئے زبانِ حال سے پکار اٹھتا تھا کہ ؎

مجاہد ہیں کہ جوش و ضبط کی خاموش تصویریں

عیاں ہے ان سے دین اللہ افواجاً کی تفسیریں

مولوی صاحب حضرت مولانا علیہ الرحمہ پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگانے آئے تھے۔ مگر حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی یہ حقانی و نورانی تقریر سن کر ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ اور اقرار کر لیا کہ محفلِ میلاد شریف بدعت نہیں ہے اور حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے روحانی تصرف سے ایک دم مولوی صاحب کے دل کے بند دریچے کھل گئے اور اپنی بدمذہبیت سے تائب ہو کر حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے مرید ہو گئے اور میلاد شریف، و قیام و سلام میں ان کو بھی روحانی کیف

اور ایمانی سرور محسوس ہونے لگا۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! اللہ والوں کی روحانی طاقتوں کا کیا کہنا ہے؎

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اسکے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

عید میلاد پر خوشی منانا

بہرحال میں یہ عرض کررہا تھا کہ میلاد شریف کی محفل منعقد کرنے، اور عید میلاد پر فرح وسرور کے اظہار اور خوشی منانے میں ہرگز ہرگز کسی بدعت کا شائبہ تک نہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ میلاد النبی پر شادمانی وسرور کا اظہار کرنا، اور ولادتِ رسول کے ذکر کا چرچا کرنا درحقیقت قرآن کے فرمان کی تعمیل ہے

برادرانِ ملت! قرآن کا فرمان سن لیجئے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ذٰلِكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (پ۱۱ یونس)
یعنی اے مسلمانو! اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ! یہ ان تمام دولتوں سے بڑھکر ہے جنھیں لوگ جمع کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے! اس آیت میں خداوند قدوس نے اپنے بندوں کو کیا حکم دیا؟ آپ نے آیت اور اس کا ترجمہ سن لیا۔ کہ خدا کے فضل ورحمت پر خوشی منانا یہ حکم خداوندی ہے۔

برادرانِ ملت! اب آپ ہی بتائیے وہ کون ایسا بدنصیب مسلمان ہوگا؟ جو رسول پاک کی ولادت کو خدا کا فضل اور رحمت خداوندی نہیں مانتا ہوگا۔

لہذا برادرانِ اسلام! اگر مسلمان سچا مسلمان ہے تو وہ اس رحمت وفضل ربانی، یعنی عید میلاد النبی پر ضرور فرح وسرور کا اظہار کرے گا۔ اور خوشی

اور خوشی منائے گا!

برادرانِ ملت! اسی طرح ذکرِ میلاد کا چرچا کرنا، اور بار بار میلاد شریف کی محفل منعقد کرنا بھی فرمانِ قرآن ہی پر عمل کرنا ہے۔

سن لیجئے! حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے کہ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ؕ یعنی اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ مسلمانو! اللہ بتاؤ کیا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے بڑھکر ہم مومنین کے لئے کوئی نعمتِ خداوندی ہو سکتی ہے؟ اجی! یہ تو وہ نعمت عظمیٰ ہے کہ رب العزت جل جلالہٗ نے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ط فرما کر مومنین پر اس نعمت کا احسان جتایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک ایسے رسول کو بھیج دیا۔ جو انھیں میں سے ہے! جب میلادِ محمدی نعمت خداوندی ہے۔ اور فرمانِ قرآن ہے کہ خدا کی نعمت کا چرچا کرو تو ثابت ہو گیا کہ بار بار میلاد شریف کرنا درحقیقت فرمانِ قرآن کی تعمیل ہے اس لیے ان شاء اللہ تعالیٰ اہل ایمان "میلاد النبی" کا چرچا کرتے ہی رہیں گے اور منافق اپنی آتشِ غیظ و غضب میں جلتے ہی رہیں گے ؎

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا ؛ پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

میلاد و نماز

برادرانِ ملت! میلادِ رسول خدا کی نعمت ہے یہ ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ اور اسلام تو اسلام تمام مذاہب عالم اس پر متفق ہیں کہ نعمت کا شکر ادا کرنا واجب اور

ضروری ہے ۔ اب برادرانِ ملت! غور فرمائیے تو شکریہ ادا کرنے کی دو صورتیں بالکل ظاہر ہیں ۔ ایک تو یہ کہ نعمت دینے والے کی خدمت گزاری کی جائے اور دوسری یہ کہ اس نعمت کا چرچا کر کے نعمت دینے والے کی تعریف اور اس کی مدح وثنا کی جائے ۔ مثلاً آپ کو کوئی حاجت پیش آگئی ۔ اور کسی سخی انسان نے آپ کی حاجت پر رحم کھا کر ایک ہزار روپے سے آپ کی مدد کر دی ۔ تو یقیناً یہ اس مردِ سخی کی طرف سے آپ کو ایک بڑی نعمت مل گئی ۔ اب آپ دو طریقے سے اس کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں ۔ ایک طریقہ یہ ہے ۔ کہ آپ اس کے دروازے پر حاضری دیجئے اور اس کی خدمت وچاکری کیجئے ۔ اس کا ادب واحترام بجا لائیے ۔ تو آپ کی ان اداؤں کو دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ آپ اپنے آقائے نعمت کا شکریہ ادا کر رہے ہیں ۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کے اس احسان ونعمت کا جا بجا چرچا کیجئے اور اس کی مدح وثنا کرتے رہیئے ۔ اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہا کیجئے ۔ تو آپ کا آقائے نعمت اور دوسرے تمام دیکھنے والے یہی کہیں گے کہ یہ شخص اپنے محسن ومنعم کا شکر گزار ہے ۔ تو برادرانِ ملت! اسی طرح خداوند عالم نے ہم بندوں کو جو نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی کہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیج دیا ۔ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے کی بھی دونوں صورتیں اور دونوں طریقے نہایت بہترین ہیں ایک تو یہ کہ ہم اپنے منعم حقیقی پروردگار عالم کے دربار میں حاضری دیکر نماز پڑھیں اور طرح طرح سے اس کی خدمتِ عبادت بجا لائیں ۔ دوسرے یہ کہ ہر دم ہر قدم پر جا بجا اس کی نعمت کا چرچا کرتے رہیں ۔ اور مجلس میلاد النبی میں ذکر میلاد

پڑھ پڑھ کر خداوند کریم کی حمد و ثنا کرتے رہیں کہ اس رب کریم کا بہت ہی بڑا کرمِ عظیم ہے کہ اس نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری ہدایت کے لئے بھیج دیا۔ تو برادرانِ اسلام! خوب سمجھ لیجئے کہ مسجد میں نماز، اور جلسوں میں ذکرِ میلاد یہ دونوں شکرِ نعمت کے طریقے ہیں ہم مسجد میں جا کر خدا کی نماز پڑھتے ہیں یہ بھی نعمتِ خداوندی کا شکریہ ہے۔ اور محفلِ میلاد شریف میں بار بار ولادتِ رسول کا تذکرہ پڑھتے اور حمدِ الٰہی کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی نعمتِ رب کے شکریہ ادا کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔

لہٰذا اے برادرانِ اسلام! آپ مسجدوں میں نماز بھی پڑھئے۔ اور مجالس میں ذکرِ میلاد بھی کرتے رہئے۔ اور دونوں طریقوں سے اپنے ربِ کریم کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہئے! اور آپ یقین رکھئے کہ نماز اور ذکرِ میلاد کا چرچا نہ مٹا ہے نہ مٹ سکے گا۔ بلکہ انشاءاللہ تعالیٰ اس کے مٹانے والے خود ایک دن مٹ جائیں گے۔ اسی لئے میرے بزرگو اور بھائیو! آپ تو نماز کے ساتھ ذکرِ میلاد کی بھی دھوم مچاتے ہی رہئے۔ اور عید میلاد پر فرح و سرور کا مظاہرہ کرتے ہی رہئے۔ اور منکرین کو اُن کے غیظ و غضب کی آگ میں جلاتے ہی رہئے!

اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ؎

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے ۔۔۔ ملحدوں کی کیا مروّت کیجئے

مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں ۔۔۔ ذکرِ آیاتِ ولادت کیجئے

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل ۔۔۔ یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب ۔۔۔ اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے

پڑھئے درود شریف صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ط

برادرانِ گرامی! خدا کی طرف سے کسی فضل و رحمت کے ملنے پر خوشی منانے کا حکم تو آپ سورۂ یونس کی آیت قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا کی تفسیر میں سُن چکے۔ اب خدا کی کسی نعمت کے ملنے پر عید منانے کے بارے میں ایک آیت اور بھی سُن لیجئے۔ تاکہ آپ پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ حصولِ نعمت پر عید منانا انبیائے سابقین کی بھی سنت کریمہ ہے

آسمان کا دستر خوان

برادرانِ اسلام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے یہ درخواست کی تھی۔ کہ آپ ہمارے لیے آسمان سے ایک دستر خوان نازل کرائیے تاکہ ہم اس میں سے کھائیں۔ اور ہمارے دلوں کو آپ کی صداقت کا اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا دعا کی؟ سنئے! قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝ (مائدہ)

یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے عرض کی۔ اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتار دے تاکہ وہ ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے "عید" ہو۔ اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو۔ اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

چنانچہ آپ کی اس دعا سے خداوند عالم نے آسمان سے ایک دستر خوان

اتار دیا۔ جس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں پکی ہوئی تھیں۔ اور آپ کی امت نے اس میں سے کھا پی کر اطمینانِ قلب حاصل کیا۔

محترم سامعین! آپ نے غور کیا؟ کہ اس دعا میں تکون لنا عیداً سے ثابت ہوتا ہے کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص رحمت نازل ہو۔ اس دن عید منانا، شادمانی و مسرت کا اظہار کرنا، عبادتیں کر کے شکرِ الٰہی بجالانا سنتِ انبیاء و طریقۂ صالحین ہے۔ اب آپ ہی بتائیے! کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کتنی عظیم ترین نعمت ہے؟

لہٰذا ولادتِ مبارکہ کے دن عید منانا، میلاد شریف پڑھکر شکرِ الٰہی بجالانا یقیناً ایک نیک عمل، بلکہ سنتِ انبیاء و طریقۂ صالحین ہے۔ جو الحمدللہ! کہ ہم اہل سنت وجماعت کا طریقہ ہے۔ اور اس سے ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ بھی نہیں! کہ

غرض ہے دین کا ہو بول بالا　　　رسولِ حق کا چرچا جا بجا ہو

سلام و قیام

حضرات! بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ میلاد شریف تو خیر، ذکرِ رسول کی مجلس ہے۔ اس سے ہمیں انکار نہیں۔ مگر کھڑے ہو کر سلام پڑھنا یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا یہ لوگ سلام و قیام کے ثبوت کے لیے بار بار قرآن و حدیث سے دلائل طلب کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ سلام و قیام کہاں سے ثابت ہے؟ تو برادرانِ ملت! ان لوگوں کا جواب دینے کے لئے سیدھی سی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں رب العٰلمین نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی

اَلنَّبِیِّ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝
یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں
اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو، اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا
حق ہے۔ سامعین کرام! دیکھئے اس آیت میں خداوند قدوس نے اپنے نبی علیہ
الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور یہ حکم مطلق ہے
اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ تم بیٹھ کر درود وسلام پڑھو یا کھڑے ہو کر۔
بس صرف اتنا ہی فرمایا کہ درود وسلام پڑھو جس کا حاصل یہ ہوا کہ درود وسلام
پڑھنے کے لئے کوئی خاص ہیئت معین نہیں ہے۔ بلکہ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر ہر
طرح درود وسلام پڑھنا جائز و درست ہے۔ اسی لئے اہل سنت کا یہ عمل
ہے کہ پہلے ذکر میلاد کے وقت بیٹھکر بار بار درود وسلام پڑھتے ہیں۔ اور پھر
میلاد کے خاتمے پر کھڑے ہو کر بھی چند بار درود وسلام پڑھ لیتے ہیں تا کہ بیٹھ کر
اور کھڑے ہو کر دونوں شکلوں میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی سعادت حاصل ہو جائے
حضرات! جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ کھڑے ہو کر اور بیٹھکر ہر طرح
درود وسلام پڑھنا جائز ہے اُس سے دلیل طلب کرنا کہ بتاؤ کھڑے ہو کر
درود وسلام پڑھنے کا ثبوت کہاں سے ہے؟ یہ انتہائی درجے کی جہالت
وحماقت ہے۔ دلیل تو اس سے طلب کی جائے گی جو یہ کہتا ہے کہ
بیٹھے بیٹھے تو درود وسلام پڑھنا جائز ہے اور کھڑے ہو کر درود وسلام
پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم بتاؤ۔ تمہارے
پاس کیا دلیل ہے؟ کہ بیٹھکر تو صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے۔ اور

کھڑے ہو کر نا جائز ہے۔

مسلمانو! اہلسنت جو کھڑے ہو کر اور بیٹھکر دونوں طرح سلام پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا قول و عمل بالکل قرآن کے فرمان کی تعمیل ہے۔ کہ قرآن میں درود و سلام پڑھنے میں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ مطلق فرمایا گیا کہ درود و سلام پڑھو۔ مگر جو لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ قرآن کو جھٹلاتے ہیں۔ کیونکہ قرآن نے کہیں نہیں فرمایا کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام مت پڑھو۔

ایک شبہہ کا جواب

برادرانِ اسلام! سلام و قیام کے بعض منکرین کبھی یوں بھی دھوکا دیتے ہیں۔ کہ دیکھ لو نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام بیٹھکر پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ التحیات اور درود شریف دونوں بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور التحیات میں (السلام علیك ایھا النبی) ہے تو چونکہ صلوٰۃ و سلام نماز میں بیٹھکر پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے میلاد شریف میں بھی بیٹھکر ہی صلوٰۃ و سلام پڑھنا چاہئے۔

تو برادرانِ ملت! اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ نماز کی تمام دعائیں اور ہیئتیں شریعت کی طرف سے معین ہیں اور اس میں عقل و قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اس لئے میلاد کو نماز پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر نماز میں صلوٰۃ و سلام بیٹھ کر پڑھا

جاتا ہے۔ تو میلاد میں بھی بیٹھ کر ہی پڑھا جائے۔ دیکھ لیجئے! نماز میں قرآن مجید صرف کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے۔ اور نماز کے اندر رکوع یا سجدہ، یا بیٹھنے کی حالت میں قرآن پڑھنا منع ہے۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے؟ کہ چونکہ نماز میں قرآن کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے نماز کے باہر بھی قرآن کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے۔ اسی طرح "تسبیحات" نماز میں رکوع وسجدہ کی حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے؟ کہ تسبیحات چونکہ نماز میں رکوع وسجدہ کی حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس لیے نماز کے باہر بھی تسبیحات" کو رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں پڑھنا لازم ہے تو جب قرأت و تسبیح کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تو پھر صلوٰۃ وسلام کے بارے میں بھی یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ کہ چونکہ صلوٰۃ وسلام نماز میں بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے میلاد میں بھی صلوٰۃ وسلام بیٹھ کر پڑھنا چاہئے؟

اور برادرانِ اسلام! ایک دوسری خاص بات بھی ہے۔ جو سننے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ قرآن نے وسلموا تسلیما فرمایا۔ دیکھئے! اسلموا فعل امر کے بعد تسلیماً مفعول مطلق کا بھی ذکر کیا گیا۔ جو یہاں تاکید کے لئے ہے۔ تو اس کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ سلام پڑھو جیسا سلام پڑھنے کا حق ہے۔ یعنی ادب واحترام اور وقار کے ساتھ سلام پڑھو اب غور کیجئے کہ نماز کی حالتوں یعنی قیام، رکوع، سجود، قعود، قومہ جلسہ، میں سب سے زیادہ ادب واحترام اور اطمینان ووقار کی حالت "قعود" ہی ہے

یعنی بیٹھنے کی ہیئت ہے۔ اور نماز کے باہر ہمارا عرف یہ ہے کہ سب سے زیادہ ادب و احترام اور وقار و تعظیم کی ہیئت "قیام" یعنی کھڑا ہونا ہے۔ چنانچہ بیٹھ کر سلام کرنے والے کو ہمارے عرف میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس لئے نماز میں بیٹھکر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا کیونکہ نماز میں بیٹھکر صلوٰۃ و سلام پڑھنے میں زیادہ ادب و احترام اور اطمینان و وقار کا اظہار ہوتا ہے۔ اور نماز کے باہر میلاد وغیرہ میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے میں ہمارے عرف کے لحاظ سے زیادہ ادب و احترام، اور اطمینان و وقار کا مظاہرہ ہوتا ہے اس لیے اہل سنت نماز میں بیٹھکر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اور میلاد میں کھڑے ہو کر!

صلاۃ و سلام میلاد کے آخر ہی میں کیوں

برادرانِ ملت! ہاں! اب یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ میلاد شریف کے خاتمہ پر کیوں صلاۃ و سلام پڑھا جاتا ہے؟ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دوسرے اوصاف کا ذکر کرتے وقت صلاۃ و سلام کا التزام نہیں کیا جاتا مگر ذکرِ ولادت اور میلاد شریف کے خاتمہ پر بالالتزام صلاۃ و سلام پڑھنے کا معمول ہے یہ کیوں؟ آخر ذکرِ ولادت سے صلاۃ و سلام کو کون سا ایسا خاص تعلق ہے کہ جب میلاد شریف پڑھا جاتا ہے۔ تو صلاۃ و سلام بھی ضرور پڑھا جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ

ذکرِ ولادت کے بعد سلام پڑھنا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت ہے دیکھ لیجئے! قرآن مجید میں خداوند قدوس نے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کا میلاد شریف، اور ان کی ولادت کا تذکرہ سورۂ مریم میں فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی دعا مانگی، پھر دعا قبول ہوئی۔ اور منجانب اللہ بیٹے کی بشارت ملی۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اس طرح خداوند عالم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا پورا میلاد بیان فرمایا اور ذکرِ ولادت ختم فرماکر حضرت یحییٰ پر سلام بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّاO مریم۔ یعنی حضرت یحییٰ پر سلام ہو ان کی ولادت کے دن بھی ان کی وفات کے دن بھی۔ ان کے قبر سے اُٹھنے کے دن بھی!

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد شریف جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں بیان فرمایا۔ تو حضرت بی بی مریم کا حاملہ ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا۔ اور گہوارہ میں گفتگو کرنا وغیرہ سب کچھ مفصل بیان فرماکر جب ذکرِ ولادت ختم ہوگیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانِ فیض ترجمان سے سلام پڑھنے کا ذکر خداوند کریم نے اس طرح فرمایا کہ وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّاO یعنی سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میری وفات ہوگی اور جس دن میں قبر سے زندہ ہوکر اٹھایا جاؤں گا!

برادرانِ اسلام! دیکھ لیجئے ذکرِ ولادت اور سلام میں یہ تعلق ہے

کہ حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں پیغمبروں کے میلاد کے خاتمہ پر سلام پڑھا گیا۔ اسی سنت باری تعالیٰ پر عمل کرنے کے لئے اہل سنت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے خاتمہ پر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ پڑھئے درود شریف:۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وبارک وسلم

بزرگو اور بھائیو! حقیقت تو یہ ہے کہ بعض لوگوں کو میلاد شریف اور سلام وقیام سے چڑھ پیدا ہو گئی ہے۔ اور جب کسی آدمی کو کسی چیز سے چڑھ پیدا ہو جاتی ہے تو لاکھ اس کے سامنے اُس چیز کی خوبیاں بیان کرتے رہئے مگر وہ ہمیشہ اُس چیز میں عیب نکال نکال کر اُس سے اظہار نفرت ہی کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ کریلے سے، کچھ لوگ جلیبی سے، کچھ لوگ گلاب جامن سے چڑھ جاتے ہیں تو اب لاکھ ان لوگوں کے سامنے ان چیزوں کے فضائل اور ان کی خوبیوں کے دلائل پیش کرتے رہئے مگر یہ لوگ ان چیزوں کا نام سنتے ہی گالیوں کے سوا دوسری کوئی بات ہی نہیں کریں گے۔ اسی طرح میلاد شریف اور سلام وقیام سے چڑھ جانے والوں کے سامنے کتنے ہی دلائل کیوں نہ پیش کئے جائیں۔ مگر یہ لوگ میلاد وقیام کا نام سنتے ہی جل مرتے ہیں۔ اور کچھ سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ برادران اسلام! آپ لوگ دل میں کہتے ہونگے کہ مولانا صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا میلاد وقیام بھی کوئی چڑھنے کی چیزیں ہیں؟ جو کوئی ان سے چڑھ جائے گا؟ تو بھائیو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ

کسی چیز سے چڑھ پیدا ہونے میں ذرا دیر نہیں لگتی۔ کبھی کبھی ایسی چیزوں سے چڑھ پیدا ہو جاتی ہے۔ جو آدمی کو بہت زیادہ پسند ہوتی ہے۔

لطیفہ سنا ہے کہ بمبئی میں ایک ملاجی تھے، اور ایک منشی جی دونوں بڑے گہرے دوست تھے۔ اور ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ ملاجی گلاب جامن سے چڑھتے تھے۔ ایک دن منشی جی کہنے لگے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کو بعض چیزوں سے چڑھ کیسے پیدا ہو جاتی ہے؟ ملاجی نے کہا کہ بھائی یہ حقیقت ہے کہ چڑھ ہو جاتی ہے۔ اس کو کیا کیجئے گا؟ کہ کبھی کبھی اچھی چیزوں سے بھی آدمی چڑھنے لگتا ہے۔ مگر منشی جی کسی طرح ماننے کو تیار نہیں ہوئے کہ اچھی چیز سے بھی چڑھ ہو سکتی ہے ملاجی نے کہا اچھا منشی جی! بتائیے آپکو چٹنیوں میں کون سی چٹنی زیادہ پسند ہے؟ منشی جی بولے کہ آم کی چٹنی! ملاجی خاموش رہے اور ایک ہفتے کے بعد چند آدمیوں کو تیار کیا کہ جونہی منشی جی کھانے کیلئے بیٹھیں لوگ باری باری جاکر منشی جی سے آم کی چٹنی مانگیں۔ چنانچہ منشی جی ایک بجے دن میں اسکول سے دھوپ میں جلتے ہوئے گھر آئے۔ اور جیسے ہی دسترخوان پر بیٹھے کہ ایک آدمی آیا اور سلام کے بعد کہا کہ منشی جی! ملاجی نے آم کی چٹنی مانگی ہے۔ منشی جی نے کہا بھائی! آج چٹنی نہیں بنی ہے جب بنے گی تو بھیج دوں گا۔ یہ آدمی باہر نکلا ہی تھا اور منشی جی نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ دوسرا آدمی آیا اور کہا کہ منشی جی! ملاجی نے آم کی چٹنی مانگی ہے۔ اب کی مرتبہ منشی جی ذرا زور سے بولے کہ اجی کہہ تو دیا کہ آج چٹنی نہیں بنی ہے۔ دوسرا آدمی باہر نکلا تو تیسرا پہنچا۔ اور بولا کہ

منشی جی! ملا جی نے آم کی چٹنی مانگی ہے - اب منشی جی کا پارہ چڑھ گیا اور حلق میں لقمہ پھنستے پھنستے چلا کر بولے! اجی کیا بار بار چٹنی چٹنی لگا رکھا ہے - کہہ تو دیا ایک مرتبہ کہ آج چٹنی نہیں بنی ہے - تیسرا آدمی دروازے ہی میں تھا کہ چوتھا آدمی دوڑتا ہوا آیا اور بولا کہ منشی جی! ملا جی نے چٹنی مانگی ہے - جلدی دیجئے - منشی جی جھلا گئے - اور پوری طاقت سے تڑپ کر بولے کہ ابے مردود! کیا چٹنی چٹنی لگا رکھا ہے؟ چٹنی کی بھی ایسی تیسی اور تیرے ملا جی کی بھی ایسی کی تیسی - بار بار کہتا ہوں کہ آج چٹنی نہیں بنی ہے مگر پھر بھی چٹنی چٹنی کی رٹ لگا رکھی ہے - منشی جی چوتھے آدمی پر برس ہی رہے تھے کہ پانچواں آدمی پہنچ گیا اور تڑاخ سے بولا کہ ملا جی نے چٹنی مانگی ہے اور خفا ہو رہے ہیں کہ ہم نے چار چار آدمیوں کو بھیجا مگر آپ چٹنی نہیں دیتے - اب تو منشی جی آپے سے باہر ہو گئے اور دسترخوان کے برتن پٹک پٹک کر اور منہ میں جھاگ بھر کر چیخنے اور چلانے لگے -

ابے ظالمو! دیکھ لو - کہاں ہے چٹنی؟ جاؤ! جا کر ملا شیطان سے کہہ دو کہ اب اگر کسی کو بھیجا تو خیریت نہیں ہوگی - پانچواں آدمی جوں ہی مکان سے نکلا - اور منشی جی گلے کی رگ پھلائے غصہ میں ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہے تھے کہ چھٹا آدمی دوڑتا، ہانپتا آیا - اور چلا کر بولا کہ منشی جی چٹنی دیجئے - جلدی چٹنی دیجئے ملا جی بہت خفا ہو رہے ہیں اب تو منشی جی جامے سے باہر ہو گئے - اور لکڑی اٹھا کر دوڑے کہ ٹھہر! ملا جی کے بچے! ابھی بتاتا ہوں کہ کیسی ہوتی ہے آم کی چٹنی؟ منشی جی

دوڑے - اور یہ بھاگا - باہر نکلتے ہی ساتواں آدمی ملا اور کہنے لگا - کہ ہاں ہاں آپ کہاں جا رہے ہیں؟ ارے ملاجی کے لئے آم کی چٹنی تو دیتے جائیے! اب کچھ نہ پوچھئے؛ منشی جی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ! اور ایک لکڑی مار کر ساتویں آدمی کا سر پھاڑ دیا اور اس دن سے منشی جی کا یہ حال ہو گیا کہ جو آم کی چٹنی کا نام لیتا - منشی جی اس پر آگ بگولہ ہو جاتے اور آم کی چٹنی منشی جی کی چڑھ بن گئی -

" خیر " تو برادران ملت! ان چڑھ جانے والوں سے تو ہمیں کچھ کہنا ہی نہیں ہے - مگر ہاں! ہمیں ان انصاف پسند لوگوں سے گزارش کرنی ہے جو ہر مسئلے کو ٹھنڈے دل سے سنتے، سوچتے اور سمجھتے ہیں ہمیں ان حق پسندوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ میلاد شریف اور صلاۃ و سلام ذکرِ رسول کا نام ہے - اور اس کی اصل قرآن، حدیث، اور آثارِ صحابہ سے ثابت ہے

میلاد اور قرآن

چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ جو میں نے خطبہ کے بعد تلاوت کی اس میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت، اور تشریف آوری کا ذکر خود خداوند قدوس نے بیان فرمایا چنانچہ مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ؕ یعنی بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جو تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جو مسلمانوں پر بہت زیادہ مہربان، اور رحیم

فرمانے والے ہیں۔ مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ اس آیت میں لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ کے جملہ میں ولادتِ رسول کا ذکر فرمایا۔ اور مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے لفظ سے آپ کے نسب اور خاندان کا بیان فرمایا۔ اور عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ٥ فرماکر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت مقدسہ اور فضائل کا تذکرہ فرمایا۔ لِلّٰہ! انصاف کر کے آپ بتا دیجئے! کہ میلاد شریف میں اس کے سوا اور کن چیزوں کا بیان ہوتا ہے؟ میلاد شریف میں ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں یہ سب کچھ قرآن مجید میں خود رب العٰلمین نے بیان فرمایا ہے۔

حدیثِ میلاد النبی

حضرات! قرآن کی ایک آیت میں تو آپ نے ذکرِ میلاد سُن لیا۔ اچھا آئیے! اب ذرا حدیثوں پر ایک نظر ڈالئے۔ برادرانِ اسلام! احادیث میں تو اس کثرت سے میلاد شریف کا تذکرہ ہے کہ مجھ جیسا کم علم بھی اس مضمون کی سیکڑوں حدیثیں پیش کر سکتا ہے۔ چنانچہ محدثین کرام مثلاً امام ترمذی نے تو اپنی کتاب میں "میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا باب ذکر فرماکر اس میں ولادتِ رسول اور سالِ پیدائش کی حدیث نقل فرمائی ہے لیکن میں اس وقت صرف ایک وہ حدیث پیش کرتا ہوں جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے خود اپنا میلاد شریف بیان فرماتے ہوئے صحابہ کرام کی محفل میں ارشاد فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳ پر ہے۔

سَاُخْبِرُکُمْ عَنْ اَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ وَبِشَارَۃُ عِیْسٰی وَرُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَأَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ وَقَدْ خَرَجَ بِھَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَھَا مِنْہُ قُصُوْرُ الشَّامِ یعنی میں تم لوگوں کو اپنے ابتدائی معاملہ کی خبر دیتا ہوں دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں وبشارۃ عِیْسٰی اور میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی خوشخبری ہوں۔ وَرُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَأَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ اور میں اپنی والدہ کا وہ چشم دید منظر ہوں جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا وَقَدْ خَرَجَ بِھَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَھَا مِنْہُ قُصُوْرُ الشَّامِ کہ ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں انھیں ملک شام کے محلات نظر آگئے

برادرانِ ملت! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اس کا کیا مطلب ہے؟ سنئے! حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام میں رہتے تھے۔ اچانک حکم الٰہی ہوا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تم اپنے شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو حجاز کی اس بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ کر چلے آؤ جہاں کعبہ بننے والا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے کے ساتھ سفر کے لئے روانہ ہوگئے۔

حفیظ جالندھری نے کیا خوب لکھا ہے۔

خدا کے حکم سے مرسل نے جب رختِ سفر باندھا ؛ جنابِ ہاجرہ نے دوش پر لختِ جگر باندھا

خدائی قافلہ جو مشتمل تھا تین جانوں پر   معزز جسکو ہونا تھا زمینوں آسمانوں پر
چلا جاتا تھا اس تپتے ہوئے صحرا کے سینے پر   جہاں دیتا ہے انساں موت کو ترجیح جینے پر
وہ صحرا جس کا سینہ آتشیں کرنوں کی بستی ہے   وہ مٹی جو سدا پانی کی صورت کو ترستی ہے
یہ وادی گو بظاہر ساری دنیا سے نرالی تھی   یہی اک روز دین حق کا مرکز بننے والی تھی
یہیں ننھے سے اسماعیل کو لاکر بسانا تھا   یہیں اپنی جبینوں سے خدا کا گھر بنانا تھا

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اس سنسان بیابان میں حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو چھوڑ کر چلے آئے جب ماں اور بیٹے پیاسے ہوئے تو پروردگار عالم نے چشمۂ زمزم جاری فرمایا۔ قصہ مختصر! جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند کو ساتھ لیکر خدا کے حکم سے کعبہ بنایا اور کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے اپنے رب جلیل سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

یعنی اے میرے پروردگار! میری اولاد میں ایک رسول انھیں میں سے بھیجدے کہ وہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے۔ اور انھیں کتاب اور پختہ علم سکھائے۔ اور انھیں خوب ستھرا فرمائے۔ بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (بقرہ)

برادران ملت! یہی وہ دعائے ابراہیمی ہے جس کے بارے میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی دعا ہوں۔ یعنی میری ہی ولادت و بعثت کے لئے حضرت خلیل اللہ نے کعبہ بنا کر دعا مانگی تھی۔

برادرانِ اسلام! حدیث کا دوسرا جملہ کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں" یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس وعظ کی طرف اشارہ ہے۔ جو آپ نے بنی اسرائیل کے سامنے فرمایا تھا۔ جس کا تذکرہ قرآن حکیم نے ان لفظوں میں فرمایا کہ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (پ ۲۸ الصف)

یعنی یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے کہا تھا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتا ہوں اور اُن رسول کی بشارت سُناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے جن کا نام "احمد" ہے۔

حاضرین کرام! حدیث کا تیسرا جملہ کہ میں اپنی والدہ کا وہ چشم دید منظر ہوں جس کو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا کہ وَقَدْ خَرَجَ بِهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ یعنی ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں انھیں ملک شام کے محلات نظر آگئے۔

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے! اس حدیث میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع میں اپنا میلاد شریف بیان فرمایا

الغرض ذکرِ میلاد شریف قرآن حدیث اور عملِ صحابہ سے ثابت ہے قرآن و حدیث تو آپ سُن چکے۔ حضرت مخرمہ صحابی کا عمل بھی سُن لیجئے۔ آپ نے ایک مجمع میں ارشاد فرمایا کہ وُلِدْتُ وَرَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم عَامَ الْفِیْلِ (ترمذی باب میلاد النبی)

یعنی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "عام الفیل" میں پیدا ہوئے فرمائیے! کیا یہ ذکرِ میلاد نہیں ہے؟ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ذکرِ میلاد خیر القرون سے آج تک صالحینِ امت کا معمول رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک امتِ رسول کے صالحین اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے کہ میلاد شریف کرنا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی تعظیم ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی خلافِ شرع بات نہ ہو۔ اور امام سیوطی نے فرمایا کہ میلاد النبی پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے اور امام جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن و امان میں رہتے ہیں۔ اور اس میں جلد مرادیں پوری ہونے کی خوشخبری ہے (روح البیان سورۂ فتح)

میلاد دافع شرک ہے

مگر افسوس کہ کچھ لوگوں نے اس عملِ خیر کو شرک و بدعت قرار دیکر اپنی آخرت کو خراب کر لیا۔ حالانکہ اگر غور کیجئے تو میلاد شریف شرک سے بچانے والا عمل ہے۔ وہ کیسے! دیکھئے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے چند معجزات کو دیکھ کر ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ ہمارے حضور

علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزات تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر محیر العقول ہیں۔ لہٰذا ممکن تھا کہ کم فہم آپ پر خدا ہونے کا گمان کر لیتا۔ مگر جب میلاد شریف میں یہ بار بار بیان ہوتا رہتا ہے کہ آپ اپنی والدہ کے شکمِ مبارک سے بارہویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور بی بی حلیمہ کا دودھ پیا۔ عبد المطلب پھر ابو طالب نے آپ کی پرورش کی۔ تو پھر کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ خدا ہیں۔ تو درحقیقت میلاد شریف امت کو شرک سے بچانے کا ایک بہترین عمل ہے۔ مگر اس کا کیا علاج؟ کہ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

بیانِ ولادت

سامعینِ محترم! بہر حال میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ اب میں نہایت مختصر لفظوں میں تولد شریف کا ذکر پڑھ کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ آپ لوگ باواز بلند درود شریف کا ورد کریں۔ ؎

رَبِّ سَلِّمْ علیٰ رسول اللہ

مَرْحَبَا مَرْحَبَا رسول اللہ

حاضرین کرام! خلاق عالم جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ یعنی تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آئی۔ مولیٰ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا۔ کہ میرا حبیب نور ہے۔ حدیث شریف میں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی وَکُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُوْرِیْ وَاَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ اور تمام مخلوقات کو میرے نور سے بنایا۔ اور میں اللہ کا نور ہوں۔

بزرگانِ ملت! روایت ہے کہ زمین و آسمان کے پیدا ہونے سے بہت پہلے خداوند قدوس نے اپنے حبیب کے نور کو پیدا فرمایا پھر جب حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو خلعتِ وجود بخشا۔ تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی پیشانی میں ودلعیت فرمایا۔ اور فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کریں اس طرح حضرات ملائکہ کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا شرف حاصل ہوا پھر جب حضرت آدم علیہ السلام بحکم رب العٰلمین روئے زمیں پر تشریف لائے اور توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اصلاب طیبہ سے ارحامِ طاہرہ میں منتقل ہونے لگا۔ اور درجہ بدرجہ یہ نورِ مکرم حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جلوہ گر ہوا۔ اور ان سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ خاتون کو تفویض ہوا۔

سَلِّمُوْا یَا قَوْمِ بَلْ صَلُّوْا عَلَی الصَّدْرِ الْاَمِیْن
مُصْطَفٰے مَاجَاءَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْن

اَللّٰھُمَّ یَا نُوْرَ النُّوْرِ صَلِّ عَلٰی نُوْرِكَ الْاَنْوَرِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الْمُنَوَّرَۃِ وَاَصْحَابِہٖ السُّرُجِ الْغُرِّ اِلٰی یَوْمِ الْمَحْشَرِ

برادرانِ اسلام! جن جن پیشانیوں میں یہ نورِ منور جلوہ گر ہوا عجیب عجیب اور طرح طرح کے خوارقِ عادات کا ظہور ہوا۔ جب اس نورِ مقدس نے حضرت بی بی آمنہ کو مشرف فرمایا تو تمام بُت مُنہ کے بَل اوندھے گر پڑے اور قریش جو قحط سالی کے وبال میں تھے اس نور کی برکتوں سے نہال ہو گئے۔ بارانِ رحمت سے سرزمین عرب سرسبز و شاداب ہو گئی۔ اسی لئے عرب نے اس سال کا نام سنۃ الفتح والابتھاج رکھ دیا۔ یعنی شادابی و شادمانی کا سال۔ حضرت بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھکو ایامِ حمل میں کوئی تکلیف یا گرانی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور میں ہر رات خواب میں انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہوتی تھی۔ ایک فرشتہ مجھے خواب میں اس طرح بشارت دیتا تھا کہ اے آمنہ! اے اللہ کی بندی! تجھے بشارت و مبارکباد ہو کہ بہترین خلائق تیری گود میں پیدا ہونیوالے ہیں۔ جب یہ ہدایت و فلاح کا سورج طلوع ہو جائے تو ان کا اسمِ نامی و اسمِ گرامی محمد رکھنا۔ پڑھئے درود شریف

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَصَحْبِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ!

محترم حاضرین! اب وہ ساعتِ سعید قریب سے قریب تر آگئی ہے کہ منعم ذوالجلال کی سب سے بے مثال نعمت اہلِ عالم کو نہال، اور خزائنِ الٰہی کی سب سے عظیم دولت روئے زمین کو اپنے وجودِ جمال سے

مالامال کرنے والی ہے۔ یعنی ؎

ربیع الاول امیدوں کی دنیا ساتھ لے آیا دعاؤں کی قبولیت کو ہاتھوں ہاتھ لے آیا
خدا نے ناخدائی خود کی انسانی سفینے کی کہ رحمت بنکے چھائی بارہویں شب اس مہینے کی
مرادیں بھر کے دامن میں مناجات زبور آئی امیدوں کی سحر پڑھتی ہوئی آیاتِ نور آئی

عام الفیل۔ بارہویں ربیع الاول۔ دو شنبہ کی صبح صادق کے وقت حضرت جبریل امین ستر ہزار ملائکہ مقربین کی جماعت کے ساتھ روئے زمین پر تشریف لائے۔ اور شہنشاہ دوسرا، محبوب کبریا، احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد پر استقبال کے لئے سراپا انتظار تھے۔ کہ ؎

یکایک ہو گئی ساری فضا تمثالِ آئینہ نظر آیا معلق عرش تک اک نور کا زینہ
بجائی بڑھ کے اسرافیل نے پُر کیف شہنائی ہوئی فوجِ ملائک جمع زیر چرخ مینائی
خدا کی شان رحمت کے فرشتے صف بصف اترے پرے باندھے ہوئے سب دین و دنیا کے شرف اترے
سحابِ نور آکر چھا گیا مکے کی بستی پر ہوئی انوار کی بارش بلندی اور پستی پر

حضرت جبریل علیہ السلام ایک مرتبہ کعبہ میں خدا سے دعائیں کرتے اور ایک مرتبہ درِ رسول پر آمد آمد کی التجائیں کرتے۔ یہی منظر تھا کہ ناگہاں ؎

ہوا عرشِ معلیٰ سے نزول رحمت باری ؛ تو استقبال کو اٹھی حرم کی چار دیواری
ابھی جبریلؑ اترے بھی نہ تھے کعبہ کے ممبر سے ؛ کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے
مبارک ہو کہ ختم المرسلین تشریف لے آئے ؛ جناب رحمۃ للعالمین تشریف لے آئے
بصد اندازِ یکتائی بغایت شانِ زیبائی

"امین" بنکر امانت آمنہ کے گود میں آئی

یعنی ہزاروں جاہ و جلال، اور شوکت و کمال کے ساتھ نبی آخر الزماں خاتم پیغمبران صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا۔ اور تولد ہوئے اور اسطرح ؎

ہوئے پہلوے آمنہ سے ہویدا　　　دعائے خلیل اور نوید مسیحا

حاضرین کرام! بصد آداب و احترام کھڑے ہو کر شہنشاہِ مدینہ کی بارگاہِ عظمت میں چند بار صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیجئے!

صلاۃ وسلام

یا نبی سلام علیک　　　یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک　　　صلوات اللہ علیک

اَرسَلَ اللہ تعالیٰ　　　عندنا نورًا مُّبینًا

مُصطفیٰ مَاجَاءَ اِلَّا　　　رَحمَةً لِلعَالَمِیْن

یا نبی سلام علیک

آپ سلطانِ مدینہ　　　مہبط وحی السکینہ

نور سے معمور سینہ　　　مشک سے بہتر پسینہ

یا نبی　　　سلام علیک

اے شہنشاہِ مدینہ　　　ہند میں مشکل ہے جینا

پار ہو میرا سفینہ　　　یا غیاث العالمینا

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

دوسرا واعظ

شبِ معراج عروج تو گزشت از افلاک
بمقامیکہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فَوْقَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ہ
وَشَرَّفَہٗ بِغَایَۃِ قُرْبِہٖ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ہ وَاصْطَفَاہُ
لِرُؤْیَتِہٖ وَکَلَامِہٖ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ہ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْمُجْتَبٰی ہ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ
صَعِدُوْا فِیْ مَعَارِجِ الْحَقِّ وَالْھُدٰی ہ امابعد فاعوذ باللہ
من الشیطان الرجیم ہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ
سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَی الْمَسْجِدِ الاقصٰی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا
اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ (بنی اسرائیل)

محترم سامعین! پہلے بہ آوازِ بلند درود شریف کا ورد فرمایئے۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ
وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ ہ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ھُدَاۃِ الْعَرَبِ
وَالْعَجَمِ ہ

حضراتِ گرامی! اس وقت میں "سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت تلاوت کی ہے۔ اور آج میں "معراج النبی" صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض گوشوں پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ "معراج" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزاتِ جلیلہ میں سے ایک بہت ہی عظیم الشان

اور نہایت ہی محیر العقول معجزہ ہے جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے خصائص کبریٰ میں شمار کیا جاتا ہے۔ خصائص کبریٰ کیا؟ آپ یوں سمجھئے کہ خداوند عالم نے تمام انبیاء و مرسلین کے معجزات کو حضور خاتم النبیین علیہ الصلاۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات میں جمع فرمادیا۔ اور ان کے علاوہ ایسے خاص خاص معجزات سے بھی حضرت حق مجدہٗ نے آپ کو ممتاز فرمایا جو آپ کے سوا کسی نبی و رسول کو نہیں عطا کئے گئے یہی معجزات آپ کے خصائص کبریٰ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ معجزۂ معراج بھی اُنھیں خصوصی معجزاتِ نبوت میں سے ہے جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی و رسول اس سے سرفراز نہیں کیا گیا۔

معزز حاضرین! معراج کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور علیہ الصلاۃ والسلام رات کے ایک مختصر حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر جہاں تک باری تعالیٰ نے چاہا تشریف لے گئے۔ اور عرش و کرسی لوح و قلم، جنت و دوزخ وغیرہ آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ فرمایا۔ اور رب العرش کے دیدار، اور اس کی بے انتہا نوازشوں، اور لاتعداد عنایتوں سے سرفراز ہو کر واپس تشریف لائے۔

برادرانِ ملت! اس واقعۂ معراج کی صداقت پر دورِ صحابہ سے آج تک تمام اہل حق کا اتفاق رہا۔ اور کفار و ملحدین کے سوا کوئی بھی اس معجزہ کا منکر نہیں ہوا۔ اور حق تو یہ ہے کہ معراج سے

انکار کی کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ آخر معراج کیا ہے؟

درحقیقت معراج ایک نہایت ہی تیز رفتار حرکت ہی تو ہے کہ ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی، بستر بھی رہا گرم
تا عرش گئے اور چلے آئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ ہی بتائیے کیا حرکت کی سرعت، اور تیز رفتاری کی کوئی حد معین ہے؟ کون کہہ سکتا ہے؟ کہ فلاں چیز کی رفتار سے زیادہ تیز کسی چیز کی رفتار نہیں ہو سکتی۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ حرکت کی سرعت اور تیز رفتاری کی کوئی حد معین ہی نہیں ہے۔ لہٰذا حرکت سریع سے سریع تر، اور تیز سے تیز تر ہو سکتی ہے۔

تیز رفتاری کا دارومدار

یاد رکھئے حرکت کی تیز رفتاری کا دارومدار درحقیقت محرک کی طاقت، اور متحرک کی صلاحیت پر موقوف ہے۔ یعنی چلانے والے میں جس قدر زیادہ طاقت، اور چلنے والے میں جتنی زیادہ صلاحیت ہو گی اسی قدر چال زیادہ سے زیادہ، اور رفتار تیز سے تیز تر ہو گی۔ مثال کے طور پر آپ یوں سمجھئے کہ اگر آپ سے کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک ریل گاڑی جس میں تھرڈ کلاس، سکنڈ کلاس، فرسٹ کلاس وغیرہ کے بہت سے ڈبے جڑے ہوئے تھے۔ اور سیکڑوں مسافر اپنے اپنے سامانوں کے ساتھ سوار تھے اور اس ریل گاڑی کے آگے ایک چوہیا بندھی ہوئی تھی جو اس ریل گاڑی کو ایک گھنٹہ میں پچاس میل کی رفتار سے کھینچے

لیے جارہی تھی - تو آپ یقیناً یہی کہیں گے کہ یہ شخص یا تو دنیا بھر کے
جھوٹوں اور بنڈل بازوں کا پیر و مرشد ہے - یا اس کے دماغ کی مشینری
کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے - کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اتنی بڑی ریل گاڑی
کو ایک چوہیا کھینچ لیجائے - دیکھئے! آپ نے اس حرکت کا کیوں انکار
کر دیا؟ اسی لئے تو کہ متحرک یعنی ریل گاڑی میں اگرچہ حرکت و تیز رفتاری
کی صلاحیت موجود ہے مگر محرک یعنی چوہیا میں اتنی طاقت نہیں ہے جو
اتنی بڑی ریل گاڑی کو اس رفتار کے ساتھ چلا سکے - اسی طرح اگر
کوئی آپ سے یہ کہے کہ میں نے ریلوے لائن پر ایک ایسا انجن دیکھا
ہے - جس کے پیچھے چند درخت اور چند مکانات اور کچھ پہاڑیاں جڑی
ہوئی تھیں - اور وہ انجن ریلوے لائن پر ایک گھنٹے میں پچاس میل
کی رفتار سے ان درختوں، اور مکانوں، اور پہاڑوں کو کھینچے لئے چلا
جارہا تھا - تو آپ یہ سُن کر فوراً پکار اُٹھیں گے کہ یہ یا تو ہمالیہ سے بھی بڑا
جھوٹ ہے - یا اس خبر کا سنانے والا تمام پاگلوں کا گرو گھنٹال ہے - کیوں؟
اس لیے کہ محرک یعنی انجن میں تو چلانے کی طاقت موجود ہے - مگر درخت
و مکانات اور پہاڑیوں میں ریلوے لائن پر چلنے کی صلاحیت موجود نہیں
لیکن اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ میں نے ریلوے لائن پر ایک ریل گاڑی
کو دیکھا ہے کہ اس کو ایک انجن ایک گھنٹے میں ستر میل کی رفتار سے کھینچے
لیے جارہا تھا تو اس خبر میں ذرا بھی آپ کو تعجب ہو گا نہ انکار - بلکہ اس
خبر کو آپ سو فیصدی صحیح مان لیں گے - کیوں؟ اس لیے کہ انجن میں اسقدر

تیز رفتاری سے چلانے کی طاقت موجود ہے۔ اور ریل گاڑی میں اتنی تیز رفتاری کے ساتھ چلنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

برادرانِ ملت! پتہ چلا کہ چلانے والے میں جس قدر زیادہ طاقت ہوگی اور چلنے والے میں جتنی زیادہ چلنے کی صلاحیت ہوگی۔ اسی قدر حرکت میں سُرعت اور رفتار میں تیزی ہوگی۔ اب آپ غور کیجئے کہ معراج کی تیز رفتار چال میں چلانے والا کون ہے؟ اور چلنے والا کون؟ تو ارشادِ خداوندی ہے کہ سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ یعنی معراج میں چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور چلنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سبحان اللہ! مسلمانو! بتاؤ! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر طاقت وقدرت والا کون ہوسکتا ہے؟ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر صلاحیت والا کون ہوسکتا ہے؟ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ سے بڑھکر کوئی قدرت وطاقت والا نہیں۔ اور قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور سے بڑھکر کسی چیز میں تیز رفتاری کی صلاحیت نہیں ہے تو پتہ چلا کہ دنیا میں کوئی تیز سے تیز رفتار بھی معراج کی تیز رفتاری سے بڑھکر نہیں ہوسکتی لہذا ثابت ہوا کہ معراج کی تیز رفتار چال یعنی ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی، بستر بھی رہا گرم تا عرش گئے اور چلے آئے محمدؐ

یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ جس طرح چاند اور سورج کی روشنی کا انکار نہیں کیا جا سکتا اسی طرح شبِ معراج میں صاحبِ لولاک

سیّارِ افلاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تیز رفتاری کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا!

نور کی تیز رفتاری

برادرانِ ملت! کبھی آپ نے اس پر غور کیا کہ نور کی تیز رفتاری کا کیا عالم ہے؟ اللہ اکبر! دیکھئے پہلا آسمان زمین سے پانچسو برس کے راستے کی دوری پر ہے۔ مگر ہماری آنکھوں کے نور کی یہ کیفیت ہے کہ ایک سکنڈ میں ہماری آنکھوں کے نور سے نکلنے والی شعاع پہلے آسمان تک بلکہ چاند، سورج ستاروں تک پہنچ جاتی ہے جو زمین سے ہزاروں برس کی مسافت کے فاصلے پر ہیں مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی۔ کہ ہماری آنکھوں کا وہ نور جو گوشت روٹی، دال چاول، بھاجی ترکاری وغیرہ معمولی غذاؤں سے پرورش پاتا ہے۔ جب اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک سکنڈ میں لاکھوں میل کی مسافت طے کرلیتا ہے تو پھر وہ نور جو نورٌ علی نور بلکہ تمام عالمِ انوار کا منشاء نور و مصدرِ ظہور ہے۔ اگر رات کے ایک مختصر حصے میں فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک کا راستہ طے کرلے تو اس میں کون سا تعجب ہے؟

برادرانِ ملت! یہ ایک تعجب خیز سانحہ ہے کہ پٹرول سے چلنے والا، اور انسان کا بنایا ہوا ایک انجن سیکڑوں من لوہے کے ہوائی جہاز اور راکٹ کو ہزاروں فٹ کی بلندی پر چند منٹوں میں اڑا کرلے جاتا ہے اور ایک گھنٹے میں ہزار میل کی رفتار سے فضائے آسمانی میں اڑتا چلا جاتا ہے۔ تو اس پر کسی کو تعجب ہوتا ہے نہ انکار، مگر خلاقِ عالم جو قادرِ مطلق اور قیومِ برحق ہے اگر وہ اپنے نورِ خاص، سیّارِ افلاک صلی اللہ علیہ وسلم

کو فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک چند ساعتوں میں سیر کراتا ہے تو سائنس کے غلام عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر تعجب و انکار کا جھنڈا لہرانے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ معراج کو ہماری عقل تسلیم نہیں کرتی۔ برادرانِ ملت! میں تو اکثر ان لوگوں سے یہ کہہ دیتا ہوں۔ کہ بھائیو! تمہاری عقل کی بساط و حقیقت ہی کیا ہے؟ جو تم اس پر اتنا ناز کرتے ہو؟ دنیا میں ہزاروں حقائق ایسے ہیں جہاں تک تمہاری عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی مگر تم ان حقیقتوں کا انکار نہیں کر سکتے۔ دیکھو بچہ بچہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ انسان نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ مگر لِلّٰہ بتاؤ؟ کیا تمہاری عقل میں یہ آتا ہے کہ ایک قطرہ نجس پانی سے ایک پیکرِ جمیل انسان پیدا ہو سکتا ہے؟ تمہاری عقل ہرگز ہرگز اس کو نہیں سمجھ سکتی۔ مگر تم اس کو مانتے ہو۔ اور یہاں ہماری، تمہاری عقل یہی کہکر سپر ڈال دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ لہٰذا وہ قادر ہے کہ ایک قطرۂ نجس کو انسانی روپ بخش دے۔ تو پھر یہاں بھی تمہاری عقل کو یہی کہنا پڑے گا کہ وہ قادرِ مطلق و قیوم بر حق جو چاند و سورج اور ستاروں کو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ چلاتا ہے، اور جو ہماری آنکھوں کے نور کی شعاعوں کو ایک سکنڈ میں چاند و سورج تک ہزاروں میل کی بلندی پر پہنچا دیتا ہے وہ قدرت والا خدا اس پر بھی قادر ہے کہ چند ساعتوں میں اپنے محبوب کو فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک سیر کرا دے۔

منکرین قیامت کا سوال و جواب

برادرانِ ملت! مشرکینِ عرب نے بھی قیامت کا ذکر سن کر یہی کہا تھا ءَ اِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ ۝ یعنی یہ بات عقل سے بہت ہی بعید ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے۔ تو پھر ہم دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے؟

خلاقِ عالم جل جلالہٗ نے ان قیامت کے منکروں کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۝ کیا آدمی نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ پھر وہ ہم سے کھلم کھلا جھگڑا کرنے لگا ہے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ۚ اور ہمارے لئے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ۝ کہتا ہے کہ ایسا کون ہے جو گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کر دے؟ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ۝ (یٰسٓ) اے محبوب تم فرما دو کہ انھیں وہ زندہ کرے گا۔ جس نے پہلی بار انھیں بنایا۔ اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نطفہ کو خلاقِ عالم انسان بنا دیتا ہے۔ یہ بھی تو تمہاری عقل میں نہیں آ سکتا مگر تم اس کو مانتے ہو کہ خالقِ کائنات ایسی قدرت والا ہے کہ نطفہ کو زندہ انسان بنا دیتا ہے۔ تو پھر یہ بھی مان لو کہ وہ گلی سڑی ہڈیوں کو بھی دوبارہ زندہ فرما سکتا ہے۔ بس خدا کی قدرت پر ایمان

لاؤ۔ اور عقل کے مداری کا تماشا مت بنو کیوں؟ اس لئے کہ ؎

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے ٭ عشق بیچارا، نہ واعظ ہے، نہ مُلّا نہ فقیہہ

لطیفہ بزرگو اور بھائیو! حقیقت تو یہ ہے کہ یہ نیولائٹ کے اندھیرے میں عقل کے گھوڑے پر سوار ہونے والے اکثر منہ کے بل اوندھے گرا کرتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مسٹر جنٹلمین تھے جن کو اپنی عقل پر بڑا ناز تھا۔ اور ان پر انگریزی عقل کا اتنا بخار سوار تھا کہ اُٹھنا، بیٹھنا، سونا جاگنا، نہانا، دھونا، کھانا، پینا، سب کچھ انگریزی ہی میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کسی عالم سے وعظ میں تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کی تفسیر سنی۔ مولانا صاحب نے وعظ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جیسا پیدا فرمادیا اس سے زیادہ حسین، اس سے زیادہ مناسب، اس سے بڑھ کر اچھی وہ چیز ہو نہیں سکتی تھی۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کوئی بے ڈھنگا پن نکال سکے۔ مسٹر جنٹلمین ناک بھوں چڑھا کر بولے۔ اجی مولانا رہنے بھی دیجئے! (معاذ اللہ) خدا کی پیدا کی ہوئی بعض چیزوں میں تو بہت ہی بے ڈھنگا پن ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں؟ تربوز کی بیل کتنی نرم و نازک ہے جو زمین پر پھیلی ہوئی ہے مگر خدا نے اس نرم و نازک بیل میں بیس بیس سیر کا بڑا بڑا پھل تربوز لگا دیا اور آم کے اتنے بڑے بڑے اور مضبوط درختوں میں اتنے چھوٹے چھوٹے پھل لگا دیئے۔ بھلا یہ بھی کوئی تک کی بات ہے؟ کیا یہ بے ڈھنگا

پتہ نہیں ہے؟ کہ نرم و نازک بیل میں بڑے بڑے پھل اور بڑے
بڑے درختوں میں چھوٹے چھوٹے پھل؟ مولانا صاحب سمجھاتے رہے
کہ میاں! خداوند تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ اس میں بھی ضرور کوئی نہ کوئی
حکمت ہوگی۔ مگر ہماری ناقص و کوتاہ عقل اس حکمت کو سمجھنے سے قاصر
ہے۔ مسٹر جنٹلمین اپنی ضد پر اڑے رہے۔ یہاں تک کہ دونوں چلتے
چلتے آم کے باغ میں پہونچ گئے۔ مسٹر جنٹلمین ہیٹ ہاتھ میں لئے
ہوئے ننگے سر تھے۔ بیچ سر کا بال بڑھاپے کا جانور چر چکا تھا اور چندیا
بالکل صاف تھی۔ خدا کی شان کہ اس چکنی کھوپڑی پر بالکل اچانک درخت
سے ایک آم گرا۔ پٹاخ کی آواز آئی اور تیں کر کے مسٹر جنٹلمین بیٹھ گئے۔
مولانا نے فرمایا کہئے! مسٹر جنٹلمین! دیکھی آپ نے خدا کی حکمت؟ اگر
اس درخت میں آم کے بدلے تربوز پھلا ہوتا۔ اور اس وقت وہ تربوز
آپ کی اس چکنی کھوپڑی پر گرا ہوتا۔ تو وہ تربوز، اور آپ کی گردن کے اوپر
کا تربوز دونوں پھٹ پھٹا کر زمین پر پڑے ہوتے۔ اور آپ کا بھیجا گل قند
کا نمونہ بنکر بکھر جاتا۔ اور آپ اس وقت نہ ہندوستان میں رہتے
نہ پاکستان میں بلکہ سیدھے قبرستان میں پہنچ جاتے۔ مگر خدا کا شکر ادا کیجئے
اور ایمان لائیے کہ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ، بیشک خداوندی
حکمت کا یہی تقاضا تھا کہ لمبے لمبے درختوں میں چھوٹے چھوٹے پھل ہوں۔
اور تربوز وغیرہ بڑے بڑے پھل زمین پر پھیلی ہوئی بیلوں میں ہوں تاکہ انسان
کے لئے ہلاکت یا ضرر کا باعث نہ ہوں۔ مسٹر جنٹلمین! یاد رکھئے کہ خداوند قدوس

علیم وخبیر ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوقات کے رموز واسرار سے خوب واقف ہے لہٰذا اس پر اعتراض کر کے اپنے ایمان کو برباد کرنا یہ عقلمند کا کام نہیں ہے اور اگر بالفرض کائنات عالم میں کسی مخلوق کا راز ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو اپنی عقل کا قصور سمجھنا چاہئے۔ اور احسن الخالقین کی حکمت بھری تخلیقات پر ہرگز ہرگز اعتراض کے لیے لب کشائی تو بڑی چیز ہے کبھی دل میں اعتراض کا خیال بھی نہیں لانا چاہئے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کتنی سچی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے

؎ نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

یعنی ہر جگہ (عقل کا) گھوڑا ہی نہیں دوڑانا چاہئے۔ بلکہ بہت سی جگہوں پر (تسلیم ورضا) کی سپر بھی ڈال دینی چاہئے۔

مولانا کی یہ نورانی تقریر سن کر مسٹر جنٹلمین کو ایمانی روشنی نظر آگئی۔ اور انہوں نے کہہ دیا کہ میں ایمان لایا کہ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ!

عزیزان ملت! سچ پوچھو تو یہ عقل، عقل کا نعرہ لگانے والے درحقیقت بالکل ہی عقل سے بیدل ہیں۔ اجی! ان سے پوچھو تو سہی! کہ تمہاری عقل کی بساط و حقیقت ہی کیا ہے؟ جو تم اس عقل پر اس قدر ناز کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں سچ کہتا ہوں کہ تمہاری عقل تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ تمہارا پیٹ بھر سکے۔ تمہیں تندرست رکھ سکے۔ دیکھ لو! ایک بیوپاری تجارت میں اپنی ساری عقل کا زور لگا دیتا ہے

مگر پھر بھی جب اچانک بازار کا بھاؤ گر پڑتا ہے۔ تو کروڑپتی دیوالیہ بن جاتا ہے اور اس کی عقل اس وقت کچھ کام نہیں آسکتی۔

ایک ڈاکٹر اپنی تندرستی کے لیے اپنی عقل کی مشینری کو دن رات پوری طرح مصروفِ عمل رکھتا ہے۔ مگر ناگہاں اس پر ایسے مہلک مرض کا حملہ ہو جاتا ہے کہ اس کی عقل ہرن ہو جاتی ہے۔ سیکڑوں تیر بہدف دوائیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اور پچاسوں ڈاکٹر اپنی اپنی عقل کے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس مرض کے حملہ کو دفع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ پھر بھی مرض غالب آجاتا ہے۔ اور عقل کا منہ کالا، اور قدرت کا بول بالا ہو جاتا ہے۔

برادرانِ اسلام! دیکھا آپ نے؟ یہ ہے عقل کی لاچاری۔ اب ذرا سوچو تو سہی کہ ایسی لاچار و ناقص عقل جو ہمیں تجارت کے گھاٹے سے نہیں بچا سکتی۔ جو ہماری بیماری کو نہیں دفع کر سکتی۔ بھلا اس عقل کو مسائلِ نبوت و الٰہیات کا دار و مدار بنانا بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے؟

عقل و عشق

مسلمانو! یاد رکھو۔ یہ ایمانیات کا میدان ہے۔ یہاں عقل کا گھوڑا لنگڑا ہو کر منہ کے بل گر پڑتا ہے۔ اس میدان کو تو عشق کا شہباز ہی طے کر سکتا ہے۔ نبوت و الٰہیات کے مسائل میں عقل کا جھنڈا نہیں لہرانا چاہئے۔ بلکہ اللہ و رسول کے ساتھ عقیدت و محبت کا ایسا عشق پیدا کرنا چاہئے کہ ہر فرمانِ خداوندی

وارشادِ نبوی پر عاشقوں کی طرح والہانہ انداز میں سرِ تسلیم خم کر کے ایمان لانا چاہیئے۔ آپ نے یہ کہاوت سنی ہو گی کہ "عقل" اور "عشق" میں کبھی نہیں بنی۔ کیوں؟ اس لیے کہ عقل کا مقام اور ہے اور عشق کا جہاں اور۔ کسی شاعر نے عقل اور عشق کا فرق بیان کرتے ہوئے خوب کہا ہے کہ ؎

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل ؛ عشق اگر مصلحت اندیش ہو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ؛ عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

برادرانِ ملت! سن لیجئے۔ اور یاد رکھئے کہ جب تک ایمانیات کے مسائل میں انسان عشقِ ایمانی کی اس منزل پر نہیں پہنچے گا ہرگز ہرگز اس کو ایمان کا نور نصیب نہیں ہو سکتا اور وہ ہمیشہ شکوک واوہام کی اندھیری گھاٹیوں میں اندھے اونٹ کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہی رہے گا۔

برادرانِ ملت! یہی وہ ایمان افروز حقیقت ہے جس کو عارف رومی نے اپنے عارفانہ انداز میں کیا خوب کہا ہے ؎

گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے ؛ فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے

یعنی اگر عقلی دلیلوں پر دین کا دارومدار ہوتا۔ تو فخرالدین رازی جو عقلی دلیلوں کے بادشاہ تھے آج دنیا میں دین کے رازدار کہلاتے مگر ایمانیات میں تو عقلی دلیلوں کا کوئی مقام ہی نہیں ہے کیوں؟ اسلیے کہ ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود ؛ پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یعنی عقلی دلیلوں کا سہارا لینے والوں کا پاؤں تو لکڑی کا پاؤں

ہوتا ہے - اور کون نہیں جانتا کہ لکڑی کا پاؤں انتہائی کمزور ہوتا ہے
آخر میں عارف رومی ایمانیات میں عشقِ ایمانی اور والہانہ تسلیم
ورضا کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

قال را بگزار و مرد حال شو   پیش مردِ عارفے پامال شو
صد کتاب و صد ورق در نار کن   روئے دل را جانب دلدار کن

یعنی اپنی قال اقوال اور عقلی دلیلوں کو چھوڑ دے اور کسی عارف
باللہ کے روبرو اپنے کو اس طرح پامالِ عقیدت کر دے کہ ایمانیات
میں وہ جو کچھ کہے اس کو بلاچون وچرا تسلیم کر لے اور عقلی دلائل کی ساری
کتابوں کو نذرِ آتش کر دے - کیونکہ عقلی دلیلوں سے تجھے خدا نہیں مل سکتا
بلکہ خدا تک رسائی کا واحد راستہ یہی ہے کہ تو اپنے دل کے چہرے کو
اپنے دلدار کی طرف متوجہ کر دے یعنی عقل کی بھول بھلیوں سے
نکل کر عشقِ خدا و رسول کی شاہراہ پر گامزن ہو جا - پھر دیکھ!
کہ کس طرح اور کتنے معرفتِ الٰہی کے دروازے تجھ پر کھل جاتے
ہیں - اکبر الٰہ آبادی نے بھی اپنے مخصوص انداز میں اسی حقیقت
کی نقاب کشائی فرمائی ہے کہ ؎

فلسفی کو بحث میں ہرگز خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

لہٰذا برادرانِ ملت! مسئلہ معراج ہو یا دوسرے ایمانی مسائل
للّٰہ! اس میں ہرگز ہرگز عقل کا دخل نہ دیجئے - بلکہ سلامتی کا راستہ

یہی ہے کہ خدا اور رسول کے ساتھ جذبۂ عشق و محبت رکھتے ہوئے ہر شرعی مسئلہ پر بلا چوں وچرا ایمان لائیے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ؎

عشق ہی ابتدائے ذات، عشق ہی انتہائے ذات
عشق نہ ہو تو شرعِ دیں، بتکدۂ تصورات

بہرحال برادرانِ ملت! میرا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ معراج کو یہ کہہ کر کہ ہماری عقل میں نہیں آتا۔ انکار کر دینا یہ انتہائی جرمِ عظیم ہے۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ اگر عقلِ سلیم سے بھی اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو ہرگز ہرگز مسئلہ معراج عقل و فلسفہ کے خلاف نہیں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ اگر فلسفہ کی روشنی میں بھی مسئلہ معراج کا مطالعہ کیا جائے تو معراج نبوی کا سمجھ لینا نہایت ہی آسان ہے۔

معراج اور فلسفہ

برادرانِ اسلام! دیکھئے فلسفۂ طبعیات کا یہ مسلم الثبوت مسئلہ ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک حیز طبعی اور اصلی مقام ہوتا ہے۔ مثلاً مٹی کا اصلی مقام پانی کے نیچے، پانی کا اصلی مقام ہوا کے نیچے، ہوا کا اصلی مقام آگ کے نیچے ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اپنے حیز طبعی یعنی اصلی مقام میں رہے یا اصلی مقام میں چلی جائے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز اپنے حیز طبعی یعنی اپنے اصلی مقام سے نکل کر کسی دوسرے مقام میں چلی جائے تو یہ باعثِ تعجب ہوا کرتا ہے۔ مثلاً مٹی کا ڈھیلا اگر پانی میں ڈوب کر پانی کے نیچے زمین تک

چلا جائے تو اس میں ذرا بھی تعجب نہیں ہو گا۔ کیونکہ مٹی کے ڈھیلے کا حیز طبعی و مقامِ اصلی پانی کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے۔ لیکن اگر کوئی مٹی کا ڈھیلا پانی کے اوپر تیرنے لگے، یا ہوا میں اڑنے لگے تو یقیناً یہ بہت ہی تعجب کی چیز ہوگی کہ ڈھیلا اپنے اصلی مقام سے نکلکر دوسرے مقام میں چلا گیا۔ اسی طرح اگر گیند میں ہوا بھر کر اُس کو پانی میں ڈالا جائے۔ اور گیند پانی کے اوپر تیرنے لگے تو اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں کیونکہ ہوا کا مقامِ اصلی پانی کے اوپر ہی ہے۔ لیکن اگر ہوا بھری ہوئی گیند پانی کی تہ میں بیٹھ جائے تو یقیناً یہ انتہائی تعجب کی بات ہوگی کہ ہوا اپنے اصلی مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام میں کس طرح چلی گئی؟

برادرانِ ملت! فلسفہ کے اس مسئلہ کی روشنی میں اگر مسئلہ معراج کا جائزہ لیا جائے۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا حیز طبعی اور مقامِ اصلی کیا ہے؟ تو اس کو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ نور کا اصلی مقام عالم بالا ہے۔ دیکھئے! چاند و سورج اور ستارے نورانی ہیں۔ تو ان سب کا مقام اوپر ہی ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ نورِ محمدی کا اصلی مقام بھی عالم بالا ہی ہے۔ تو اگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام زمین سے عرش بریں کی بلندی پر تشریف لے گئے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ نورِ محمدی کا اصلی مقام عالم بالا ہی ہے اور کوئی چیز اگر اپنے اصلی مقام میں پہنچ جائے تو اس میں ذرا بھی تعجب کا محل نہیں ہے

لہذا معراجِ محمدی ہرگز ہرگز کوئی تعجب کی چیز نہیں! ہاں البتہ سچ پوچھو تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا اس عالمِ اسفل یعنی زمین پر تشریف لانا بہت زیادہ باعثِ تعجب ہے کہ آپ نور ہوتے ہوئے اپنا مقامِ اصلی یعنی عالم بالا چھوڑ کر زمین پر کس طرح تشریف لائے؟ تو درحقیقت معراجِ محمدی۔ باعثِ تعجب نہیں۔ بلکہ میلادِ محمدی۔ باعث تعجب ہے کہ وہ نورِ مبین عالم بالا کے مکین ہوتے ہوئے فرشِ زمین پر تشریف لائے کیا خوب کسی نے کہا ہے کہ ؎

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں، کسی عالم میں رہ جاتے یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

برادرانِ ملت! یہ مسئلہ کہ "معراج محمدی" سے زیادہ میلادِ محمدی۔ قابلِ تعجب ہے۔ اگر غور کیجئے تو قرآن مجید میں بھی اس کی طرف ایک لطیف اشارہ موجود ہے۔ دیکھئے! قرآن مجید کا یہ اصول ہے کہ وہ قسم ایسی ہی چیزوں کی بیان فرماتا ہے جو عجیب سے عجیب تر ہوں۔ اور جن میں کوئی انوکھا پن اور نرالی ندرت ہو۔ اب غور کیجئے کہ قرآن حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے معراج میں اوپر تشریف لے جانے کا بھی ذکر فرماتا ہے۔ اور معراج سے زمین پر اترنے کا بھی۔ لیکن معراج میں عالم بالا پر تشریف لیجانے کی قسم قرآن میں نہیں بیان کی گئی مگر جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے عالم بالا سے زمین پر اترنے کا قرآن نے بیان فرمایا تو یوں کہا کہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى یعنی اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے (ترجمہ رضویہ) دیکھا آپ نے؟ معراج میں اوپر تشریف

لے جانے کی قسم نہیں بیان کی گئی ۔ کیونکہ یہ چنداں قابلِ تعجب چیز نہیں تھی ۔ اس لیے کہ آپ اپنے اصلی مقام میں تشریف لے گئے تھے ۔ مگر معراج سے اترنے کی قسم بیان کی گئی کیونکہ آپ کا عالم بالا سے عالمِ اسفل میں آنا بہت ہی نادر اور نہایت ہی عجیب بات تھی !

معراج اور چاند کا سفر

برادرانِ ملت! بلکہ میں تو اکثر یہ کہا کرتا ہوں ۔ کہ آج جو روس اور امریکہ چاند کے سفر کا پروگرام بنا رہے ہیں ۔ اور چاند کی سطح تک راکٹ پہنچائے جاتے ہیں ۔ یہ ساری ترقیاں میرے آقا و مولیٰ ، صاحب لولاک سیّاحِ افلاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج ہی کا صدقہ ہے ورنہ دنیا کی تاریخ پڑھ لو ۔ میرے آقا کی معراج سے پہلے کسی انسان نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی انسان عالم بالا کا سفر کر سکتا ہے ۔ سب سے پہلے میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے چاند اور سورج کی رفعتوں اور عالم بالا کی بلندیوں کو اپنے قدموں سے پامال کر کے انسان کو یہ تصور بخشا کہ ایک ساکنِ زمین بھی فضلِ ربّ العالمین سے عالمِ بالا کا مکین بن سکتا ہے ۔ ورنہ بتا دیجئے کہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی انسان کو یہ خیال بھی آیا تھا کہ ہم چاند کا سفر کر سکتے ہیں ؟

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ چاند تک پہنچنے کی یہ ساری جدوجہد اور دورِ حاضر کی یہ ساری فضائی ترقیاں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی رہینِ منت ہیں ۔ یہی وہ مضمون ہے جس کی طرف ڈاکٹر اقبال

نے اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

پتہ چلا ہے یہ معراجِ مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

یعنی معراجِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام انسانوں کو اس کا پتہ چلا کہ آسمان بھی عالمِ بشریت کی زد میں ہے۔ اور فضلِ ربانی سے عالمِ انسانی کی رسائی آسمانوں پر بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ اگر معراجِ محمدی نہ ہوتی۔ تو انسان اس کا تصور بالکل وہم وگمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی انسان آسمان تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ سبحان اللہ! قربان جائیے میری آقا کی معراج پر جس نے انسان کو اتنی بلند پروازی کا درس دیا پڑھئے درود شریف اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہٖ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم

حضرات! اسی لئے میرا تو یہ نظریہ ہے۔ کہ

معراج انسانیت ستائیسویں رجب کی یہ معراج ایک طرح سے دیکھئے تو یہ معراجِ محمدی کے طفیل میں انسانیت کی معراج ہے کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے عرش پر تشریف لیجانا یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ آپ تو اپنے نورانی پیکر میں ہزارہا برس تک عالمِ بالا میں جلوہ گر رہ چکے ہیں۔ اور عالمِ بالا آپ کا اصلی وطن ہی ہے۔ اس لئے حضور علیہ الصلاۃ والسلام بارہا عرشِ مجید تک آتے جاتے ہی رہے ہیں۔ مگر اس معراج سے قبل جب بھی آپ عرش تک

تشریف لے گئے تو نوری لباس اور نورانی پیکر میں تشریف لے گئے۔ لیکن ستائیسویں رجب کی معراج میں ایک بڑی اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ جامۂ بشری و پیکر انسانی میں فرش زمین سے عرش بریں پر تشریف لے گئے تاکہ آپ کے طفیل میں انسانیت کی معراج ہو جائے۔ اور یہ کہا جائے کہ اس دنیا میں ایک ایسا بھی انسان ہوا ہے جو دم زدن میں فرش سے عرش تک گیا اور پھر واپس آ گیا۔ اللہ اکبر۔ یہ معراج محمدی کا طفیل ہے کہ ہر انسان فخر کے ساتھ یہ کہے گا کہ ہماری نوعِ انسانی کا ایک فرد اتنا عظیم المرتبت ہوا ہے جو عالم بالا کی رفعتوں کو پامال کرتا ہوا عرش مجید تک پہنچ گیا۔

حضرات اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب کسی قوم کا کوئی شخص کسی بڑے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ ساری قوم کے لئے باعث فخر و موجب سربلندی ہوتا ہے۔ دیکھئے اگر کسی برادری کا کوئی شخص وزیر اعظم یا چیف جسٹس سپریم کورٹ یا صدر جمہوریہ بن جائے تو اس پوری برادری کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ پھر اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام انسانی شکل و صورت میں فرش سے عرش تک تشریف لے گئے تو یہ تمام انسانی برادری کے لئے بہت ہی بڑا قابلِ فخر اعزاز و شرف ہو گیا۔ اس طرح گویا پوری انسانی برادری کی معراج ہو گئی۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ ستائیسویں رجب کی معراج محمدی سے انسانیت کی معراج ہو گئی۔

معراج اور قرآن

برادرانِ اسلام! بہر حال معراجِ مصطفٰے ایک ایسی درخشندہ وتابناک حقیقت ہے کہ عقل و فلسفہ بھی اس کی حقانیت کے اعتراف پر مجبور ہے۔ اور قرآن کی آیات بینات اور احادیث صحیحہ کی تجلیات تو اس عظیم الشان معجزہ پر ایسی عالم افروز روشنی ڈال رہی ہیں کہ آفتاب نصف النہار کی طرح یہ مسئلہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ چنانچہ انہیں آیات بینات میں سے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت کریمہ بھی ہے جو میں نے خطبے کے بعد تلاوت کی ہے۔ اس آیت میں خداوند سُبّوح وقدوس نے معراج حبیب کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُہ

حاضرین محترم! پہلے اس آیت مقدسہ کا ترجمہ سن لیجئے پھر انشاءاللہ تعالیٰ میں اس کی تفسیر کے بعض گوشوں پر بھی روشنی ڈالوں گا ارشاد خداوندی ہے پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اس کو اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ بہت زیادہ سننے والا، اور دیکھنے والا ہے۔

حضرات! اس آیت میں سب سے پہلے لفظ اَسْرٰی پر غور فرمائیے کہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ معراج میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ خداوند تعالیٰ ان کو لے گیا۔

حضرات! خدا کے یہاں کسی کا خود جانا۔ یہ اور بات ہے۔ اور خدا کسی کو اپنے دربار میں خود لیجائے۔ یہ اور بات ہے۔ کہاں خود گئے؟ اور کہاں خدا لے گیا؟ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت جامی نے کیا خوب فرمایا ؎

زسرِّ سینہ اش جائی اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ برخواں
زمعراجش چہ می پرسی کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْریٰ

اعلیحضرت قبلہ قدس سرہٗ نے بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا کہ ؎

نہ عرش ایمن، نہ اِنِّیْ ذَاهِبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطفِ اُدْنُ یَا اَحْمد، نصیب لَنْ تَرَانِی ہے

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام وادی ایمن میں خود سے اپنے رب کے دیدار کے لئے گئے اور محبوب خدا کو عرش پر اپنا جلوہ دکھانے کے لئے خود خدا لے گیا۔ تو کہاں وادی ایمن کی معراجِ موسوی۔ اور کہاں عرش کی معراجِ محمدی۔؟ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست پیش کی تو یہ جواب ملتا ہے کہ لَنْ تَرَانِیْ یعنی تمہاری آنکھوں میں ہمارے جمالِ باکمال کے دیدار کی تاب نہ طاقت ہی نہیں ہے اس لیے تم ہرگز ہرگز ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ مگر جب صاحب لولاک سیار افلاک صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر مہمان بنا کر بلائے گئے۔ اور اور سُرادقاتِ جاہ وجلال سے خداوند لم یزل ولایزل کے جمال

کی تجلیاں دیکھکر قدم آگے بڑھانے سے رُک گئے ۔ تو خداوند قدوس نے خود پکارا کہ " اُدْنُ یا احمد ۔ اُدْنُ یا محمد " یعنی قریب آؤ اے احمد ۔ قریب آجاؤ اے محمد ۔ اللہ اکبر! کہاں جواب لَنْ تَرَانِی اور کہاں ندائے ربانی؟ اعلیٰحضرت قبلہ نے قصیدۂ معراجیہ میں اس موقع پر کیا خوب فرمایا کہ ؎

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لَنْ تَرَانِی کہیں تقاضے وصال کے تھے

عبدہٗ کا ایک نکتہ برادرانِ اسلام! اس آیت میں ایک بڑا ہی وجد آفریں نکتہ اور بھی سنئے رب العزت نے اس آیت میں اپنے حبیب کو بعبدہٖ سے تعبیر فرمایا ۔ یہاں برسولہٖ یا بنبیہٖ یا بحبیبہٖ نہیں فرمایا ۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اپنے رسول، یا اپنے نبی، یا اپنے حبیب کو معراج میں لے گیا بلکہ یوں فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندے کو معراج میں لے گیا ۔ اس طرز بیان میں خداوند عالم نے اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ معراج کا اعزاز جو میں نے اپنے حبیب کو عطا فرمایا ہے ۔ یہ میرے حبیب کی سب سے پہلی صفت یعنی صفت "عبدیت" کا انعام ہے ۔

اب اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب محبوب کی سب سے پہلی صفت "عبدیت" کا انعام معراج ہے تو پھر میرے حبیب کی دوسری بڑی بڑی صفات عالیہ یعنی نبوت، رسالت، محبوبیت

وغیرہ کے جلیل القدر انعاموں کا کیا عالم ہو گا؟

حضرات اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی بادشاہ کا ایک وزیر ہے اور یہ وزیر ایسا شخص ہے کہ اپنے گاؤں کا پردھان بھی ہے۔ اور اپنے صوبہ کی یونیورسٹی کا چانسلر بھی ہے۔ اور پورے ملک کا وزیر اعظم بھی ہے اب بادشاہ اس وزیر کے اعلیٰ کارناموں پر آج انعام کا اعلان کرنے والا ہے۔ چنانچہ بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ میں نے اپنے وزیر اعظم کو اپنے گاؤں کا ایک بہت اچھا پردھان ہونے کی حیثیت سے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا تو بادشاہ کے اتنے ہی اعلان سے ہر شخص یہ سمجھ لے گا کہ جب پردہان ہونے کی حیثیت سے اتنا بڑا انعام ملا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یونیورسٹی کا چانسلر ہونے کی حیثیت سے اس کو کتنا بڑا انعام ملے گا۔ اور پھر وزیر اعظم ہونے کی حیثیت سے یہ شخص کیسے کیسے عظیم و گراں قدر انعاموں کا مستحق ہو گا۔

تو حضراتِ گرامی! بلا شبہ اسی طرح "اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ" کو سنتے ہی اہل علم پر روشن ہو جائے گا کہ جب رب العزت نے اپنے حبیب کو عبد یعنی صرف اپنا بندہ ہونے کی حیثیت سے معراج جیسا عظیم الشان انعام عطا فرمایا۔ تو پھر نبی اللہ، اور رسول اللہ اور حبیب اللہ ہونے کی حیثیت سے رب العالمین اپنے پیارے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے کیسے نامی گرامی انعام و اکرام کی نوازشوں سے سرفراز فرمائے گا۔

برادرانِ ملت! عبدیت ایک ایسی عام صفت ہے کہ ہر مخلوق میں یہ صفت موجود ہے۔ کون ہے جو خدا کا بندہ نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ یعنی زمین و آسمان کی تمام کائنات خدا کی عبد یعنی بندہ ہے مگر سبحان اللہ! یہی صفت "عبدیت" حبیب محبوبِ خدا کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے۔ تو جس طرح صاحبِ جمال و جلال، نبی بے مثال کی تمام صفات بے مثل و بے مثال ہیں۔ اسی طرح ان کی صفت عبدیت" بھی ایسی بے مثل و بے مثال ہو جاتی ہے کہ آپ کی اس ایک صفت کا انعام "معراج" ہے!

برادرانِ ملت! میں نے تمہید میں آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ خیر۔ اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ میری آج کی تقریر کا موضوع "معراج" ہے۔

حضرات! معراج ایک ایسا جامع "موضوع" ہے کہ اگر اس کے تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی جائے تو اس کے لئے ہفتوں، بلکہ مہینوں کا وقت درکار ہے۔ مگر آج کی مجلس میں مَیں معراج کے صرف تین سوالوں پر نہایت مختصر گفتگو کروں گا۔ اور پھر آخر میں حدیثِ معراج کا ترجمہ سنا کر آپ سے رخصت ہو جاؤں گا۔

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ یہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی؟ تیسرا سوال

یہ ہے کہ معراج کس لئے ہوئی؟

معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

حضرات! یہ بحث کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ اس کے بارے میں مفسرینِ کرام نے بڑی جامع اور حقیقت افروز بحثیں کی ہیں۔ مگر ان کو پیش کرنے کے لئے نہ تو وقت ہی میں گنجائش ہے نہ یہ مجمع ہی اس کے لئے مناسب ہے۔ اس لیے میں تمام دلائل کو چھوڑ کر اس وقت صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اہل سنت وجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم وروح کے ساتھ عالم بیداری میں معراج حاصل ہوئی۔ اور میں اس مسئلہ پر روایت کی بجائے صرف ایک درایت پیش کر دینا چاہتا ہوں جو انشاء اللہ تعالیٰ طالبِ حق کے لئے کافی ہے۔

برادرانِ ملت! یہ تو مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ شبِ معراج کی صبح کو جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے سفرِ معراج کا حال بیان فرمایا۔ تو کفار میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اور آپ نے ابھی اتنا ہی فرمایا تھا کہ میں رات میں مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک گیا۔ کہ کفار پاگل اونٹوں کی طرح بدکنے لگے اور چلا چلا کر تکذیب وانکار کرنے لگے۔ کوئی بیت المقدس کی نشانیاں پوچھنے لگا۔ کسی نے ملکِ شام سے آنے والے قافلہ کا حال دریافت کیا۔ کوئی راستہ کی منزلوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگا۔ کچھ مذاق اُڑانے لگے۔ کچھ لوگ چلا چلا کر یہ کہنے لگے کہ معراج کا

دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ نہیں بولا جا سکتا۔ غرض ہر طرف ایک شور و غوغا کا طوفان برپا تھا۔ حد ہو گئی کہ ابوجہل حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ اے ابوبکر! آج تمہارے پیغمبر نے یہ کہا ہے کہ وہ رات کی چند ساعتوں میں بیت المقدس تک جا کر واپس آ گئے۔ کیا بھلا یہ ممکن ہے کہ ایک ماہ کا راستہ چند منٹوں میں کوئی طے کر لے؟ یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ فرمایا۔ کہ اے ابوجہل! اگر میرے رسول نے یہ فرمایا ہے تو میں دل سے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور زبان سے شہادت دیتا ہوں۔ کہ ان کی ہر بات سچی ہے۔ لہذا ان کی معراج بھی حق ہے۔ چنانچہ اسی موقع پر آسمان سے آپ کے لئے "صدیق اکبر" کا خطاب نازل ہوا۔

خلاصہ یہ کہ معراج کا کافروں نے انتہائی شد و مد کے ساتھ انکار کیا جھٹلایا۔ اس کا مذاق اڑایا۔ اس پر دلیلیں طلب کیں۔ ان پورے پورے حالات و واقعات پر نظر ڈالنے سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یہی اعلان فرمایا تھا کہ میں بیداری کی حالت میں اپنے جسم کے ساتھ معراج میں گیا تھا ورنہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر معراج صرف ایک خواب کی بات ہوتی تو ہرگز ہرگز کفار اس کا نہ انکار کرتے۔ نہ مذاق اڑاتے کیونکہ دنیا میں لوگ بڑے بڑے عجیب و غریب خواب دیکھا کرتے ہیں۔

اور برملا بیان بھی کرتے ہیں۔ مگر کوئی بھی نہ خواب کو جھٹلاتا ہے۔
نہ اس کا مذاق اُڑاتا ہے۔ نہ اس پر دلیل طلب کرتا ہے۔

لہذا برادرانِ ملت! میرے نزدیک معراج جسمانی بحالتِ بیداری ہونے کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ کفار نے انتہائی شدت کے ساتھ اس کو جھٹلایا۔ انکار کیا۔ مذاق اُڑایا۔ اور دلیل طلب کی۔ اسی لئے اہل سنت وجماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم وروح کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ ملا احمد جیون علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیراتِ احمدیہ میں فرمایا کہ فَمَنْ قَالَ اِنَّہٗ بِالرُّوْحِ فَقَط اَوْ فِی النَّوْمِ فَقَطْ فَمُبْتَدِعٌ ، ضَالٌّ ، مُضِلٌّ ، فَاسِقٌ (تفسیراتِ احمدیہ ص ۳۲۹)
یعنی جو شخص یہ کہے کہ معراج صرف روح کو حاصل ہوئی۔ یا فقط خواب میں معراج ہوئی۔ تو وہ شخص بدعتی، گمراہ، گمراہ کن، اور فاسق ہے

حضرات! معراجِ جسمانی کے منکرین اکثر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول پیش کرتے ہیں کہ وہ معراجِ روحانی کی قائل تھیں۔ مگر محققین کے نزدیک اُن کا یہ قول اس لئے قابلِ اعتبار نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معراج کے وقت بہت ہی کمسن تھیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں بھی نہیں آئی تھیں (صاوی ج ۲ ص ۲۳۵)

بہرحال عزیزانِ ملت! اس درایت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ کہ معراج بحالت بیداری ہوئی۔ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنے جسم وروح کے ساتھ معراج میں تشریف لے گئے۔

پڑھئے درود شریف :- اللّٰھم صلِّ وسلّم وبارک علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ط

معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی

برادرانِ ملت! اب رہا دوسرا سوال کہ معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی؟ اور اس کی اعتقادی حیثیت کیا ہے؟ تو اس بارے میں اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ معراج میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کے اوپر بالائے عرش مجید جہاں تک رب العالمین نے چاہا محبوبِ خدا نے سیر فرمائی۔ اور معراج کی اعتقادی حیثیت کے بارے میں عام طور پر علماء کرام نے یہ لکھا ہے کہ مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کی معراج کا ثبوت تو قرآن مجید سے ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور مسجد اقصیٰ سے آسمانِ دنیا تک معراج حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ اور اس کا منکر بدعتی وگمراہ ہے۔ اور آسمانِ اول سے بالائے عرش تک کی معراج خبر واحد سے ثابت ہوئی ہے۔ اور اس کا انکار کرنے والا فاسق ہے۔ (تفسیرات احمدیہ صفحہ ۳۲۹)

مگر محققین علماء کا قول یہ ہے کہ مسجد حرام سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی معراج کا ثبوت بھی قرآن مجید سے ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت سبحٰن الذی اسریٰ سے جس طرح مسجد اقصیٰ تک معراج کا ثبوت بالکل واضح ہے۔ اسی طرح سورۃ "والنجم" کی آیاتِ کریمہ سے آپ کا "سدرۃ المنتھی" تک تشریف لے جانا بھی بالکل ظاہر ہے۔ دیکھئے!

سورۂ "وَالنَّجم" میں ارشادِ خداوندی ہے کہ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۙ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ یعنی انہیں تعلیم دی سخت قوتوں والے طاقتور نے۔ پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا۔ اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا۔ پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا۔ تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ط اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ○ یعنی دل نے جھوٹ نہیں کہا جو دیکھا۔ تو کیا تم اُن سے اُن کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ (ترجمہ رضویہ)

برادرانِ اسلام! سورۂ والنجم کی ان آیات میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ کہ آیت میں "شَدِيْدُ الْقُوٰى" سے مراد باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ کو دیکھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ "شدید القوی" سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ بہرحال ان آیتوں سے اتنا تو یقینی

طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "سدرۃ المنتہیٰ"
اور جنتہ الماویٰ تک پہونچے اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ
اور جنتہ الماویٰ ساتویں آسمان کے اوپر ہیں۔ الحاصل سورۂ بنی اسرائیل
اور سورۂ والنجم کی آیتوں کے پڑھنے سے آفتاب عالم تاب کی طرح روشن
ہو جاتا ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے ساتویں آسمان
کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماویٰ تک معراج کا ثبوت قرآن مجید
سے ثابت ہے۔ چنانچہ ملا احمد جیون علیہ الرحمہ نے فرمایا اِنَّ الْمِعْرَاجَ
اِلٰی مَافَوْقَ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ اَیْضًا ثَابِتٌ بِالْقُرْاٰنِ وَقَدْ
یَدُلُّ عَلَیْہِ مَاذُکِرَ فِیْ سُوْرَۃِ وَالنَّجْمِ وَھُوَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی
عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی (تفسیرات احمدیہ صـ ۳۲۸) یعنی حق یہ ہے
کہ بیت المقدس اوپر کی معراج بھی قرآن مجید سے ثابت ہے
اور سورۂ والنجم کی آیات اس کی دلیل ہیں۔

معراج کس لئے ہوئی؟ خیر۔ برادرانِ ملت! اب رہ جاتا ہے
تیسرا سوال کہ معراج کس لئے ہوئی؟
تو اس کا جواب اسی آیت میں موجود ہے کہ "لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا"۔
یعنی ہم نے اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کو معراج میں اس لیے
بلایا۔ تاکہ ہم ان کو اپنی قدرت، اپنی ربوبیت، اپنی حکمت غرض
اپنی تمام صفات کی آیات بینات اور عالم ملک و ملکوت کی تمام
کائنات کا مشاہدہ کرادیں۔

حضرات! خداوند قدوس کی نشانیاں دو قسم کی ہیں۔ ایک آیاتِ صغریٰ یعنی چھوٹی نشانیاں۔ اور دوسری آیاتِ کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیاں۔ سورۂ والنجم میں رب العزت جل جلالہٗ نے فرمایا کہ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی " یعنی محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا مطلب یہ ہے کہ آیاتِ صغریٰ تو بہت سے خواص یعنی اولیاء وانبیاء علیہم السلام کو دکھائی گئیں مگر آیاتِ کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھ لینا یہ صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حصہ تھا جن کو دکھانے کے لئے رب العرش نے آپ کو معراج میں بلایا۔ اب رہا یہ سوال کہ کن کن آیاتِ کبریٰ کا رب العزت نے اپنے حبیب کو مشاہدہ کرایا؟ اور کون کون سی بڑی بڑی نشانیوں کو حبیب خدا نے دیکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا علم اللہ اور رسول کے سوا کسی کو نہیں۔ اس کو تو بس دکھلانے والا ہی جانتا ہے کہ اُس نے کیا کیا دکھایا۔ اور دیکھنے والے ہی جانتے ہیں کہ انہوں نے کیا کیا دیکھا؟

بزرگو اور بھائیو! آپ اس کو یوں سمجھئے کہ دنیا میں اگر کوئی مہمان کہیں بلایا جاتا ہے تو قاعدہ ہے کہ جس حیثیت کا مہمان اور میزبان ہوتا ہے اسی حیثیت کی مہمان داری و مہمان نوازی ہوا کرتی ہے۔ پھر یہ بھی قاعدہ ہے کہ میزبان اپنے مہمان کو اپنے شہر کی انوکھی اور عجیب عجیب چیزیں دکھایا کرتا ہے۔ بس اسی طرح آپ سمجھ لیجئے کہ جب رب العالمین نے اپنے

محبوب رحمۃ لعالمین کو اپنا مہمان بنا کر معراج میں بلایا تو ظاہر ہے کہ جس شان کا مہمان۔ اور جس شان کا میزبان ہے اسی شان کی مہمان نوازی بھی ہوئی ہوگی۔ اور اسی لحاظ سے مہمان کو عجائبِ قدرت و غرائبِ حکمت اور آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ بھی کرایا گیا ہوگا۔ اب دیکھ لیجئے کہ مہمان رحمۃ للعالمین ہیں اور میزبان رب العالمین۔ تو پھر سمجھ لیجئے کہ کتنی شاندار مہمان نوازی ہوئی ہوگی۔ اور کیا کیا انھیں دکھایا گیا ہوگا۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ سمجھے تو کون سمجھے؟ اور بتائے تو کون بتائے؟ یہاں تو وہی معاملہ ہے کہ اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ؎

اُٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہیں ارے تھے

سراغ این و متیٰ کہاں تھا؛ نشانِ کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

حجاب اُٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے۔
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

معراج کی مہمان نوازیاں

برادرانِ ملت! شبِ معراج دربارِ خداوندی میں عرشِ مجید کے مہمان کی کیسی کیسی مہمان نوازیاں ہوئیں؟ اور رب العرش نے اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کو کیسی کیسی عظمتوں، اور عزتوں کی سربلندیوں سے سرفراز فرمایا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم انسانوں کو اس کا وہم و گمان بھی

نہیں ہو سکتا۔ دوستو، اور بزرگو! ہم کیا چیز ہیں؟ خود عرشِ بریں کو خبر نہیں کہ بالائے عرش کیا ہوا؟ اللہ اکبر! سچ فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ نے ؎

عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے جانِ مراد اب کدھر؟ ہائے ترا مکان ہے
عرش پہ جاکے مرغِ عقل تھک کے گرا غش آ گیا اور ابھی منزلوں پرے پہلا آستان ہے

مگر بہر حال مہمانِ معراج کی چند مہمان نوازیوں کے جلوے آپ کو دکھاتا ہوں۔ اگرچہ الفاظ کی تاب و طاقت نہیں ہے کہ کما حقہٗ اس کی تصویر کشی کر سکے۔ سنئے! روایت ہے کہ جب سُرادقاتِ جاہ و جلال کو طے فرما کر مہمانِ معراج مقام قاب قوسین او ادنیٰ کی منزلِ بلند پر تشریف فرما ہوئے۔ اور بارگاہِ رب العرش میں انتہائی قرب کے شرف سے سرفراز ہوئے تو دربارِ خداوندی میں آداب کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوتُ وَالطَّیِّبَاتُ۔ یعنی ہماری قولی فعلی، مالی تمام عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ اس کے جواب میں مالکِ عرش مجید نے تحفۂ سلام پیش فرما کر مہمانِ معراج کا استقبال فرمایا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ یعنی اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ جب خداوند عالم نے اپنے حبیب کو سلام کیا۔ تو عرشِ اعظم کے مہمان نے سلامِ خداوندی کا اس طرح جواب دیا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ ط یعنی اے خدا تعالیٰ! ہم پر بھی سلام ہو اور تیرے نیک بندوں پر بھی۔ پھر

عالم بالا کے فرشتوں نے یہ نعرہ لگایا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

سُبْحَانَ اللّٰه ! ؎

ادھر سے تھیں نذر شہ نمازیں ادھر سے انعام خسروی تھے
سلام ورحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پُر نور میں پڑے تھے

برادرانِ ملت! بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس سلام وجواب سلام کے بعد تَكَلَّمَ مَعَهٗ تِسْعِيْنَ اَلْفَ حِكَايَةٍ اَسْرَارًا وَّ اَخْبَارًا وَّ اَحْكَامًا (تفسیرات احمدیہ صـ۳۳۰) یعنی خداوند قدوس نے اپنے حبیب سے نوّے ہزار حکایتیں بیان فرمائیں جن میں سے کچھ اسرار تھے، کچھ خبریں تھیں، کچھ احکام تھے:

بزرگو اور بھائیو! یہی وہ حکایات وکلماتِ ربانیہ ہیں جن کو سورۂ وَالنَّجْمِ میں فرمایا کہ " فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى " یعنی جو کچھ اپنے بندے کی طرف وحی کرنی تھی وہ خداوند عالم نے وحی کر دی - اور جو کچھ اپنے محبوب سے فرمانا تھا وہ فرمادیا - غور کیجیے کہ اس کلام میں کس قدر ابہام واختصار ہے؛ محبوب ومحب میں کیا کیا گفتگو ہوئی؛ اور رب العرش نے اپنے مکرم مہمان کو کن کن کلاموں سے نوازا - اس کی کوئی تفصیل خداوند عالم نے بیان نہیں فرمائی - بلکہ صرف اتنا بیان فرمادیا کہ جو کچھ کہنا تھا اپنے محبوب سے کہدیا - علامہ صاوی فرماتے ہیں کہ اس ابہام میں اس طرف اشارہ ہے کہ باری تعالیٰ نے ایسی ایسی عظیم الشان باتیں اپنے محبوب

سے فرمائی ہیں کہ نہ تو الفاظ ان کے متحمل ہو سکتے ہیں، نہ مخلوقات میں کوئی ایسا ہے جو ان باتوں کو سمجھ سکے۔ (صاوی ج ۱ ص ۴۳۸) ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ قَدْ اَوْحَی اللّٰہُ یَا مُحَمَّدُ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوٰی ذٰلِكَ خَلَقْتُهٗ لِاَجْلِكَ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ وحی فرمائی کہ اے محمد! میں ہوں اور تو ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب میں نے تیرے لئے پیدا فرمایا ہے۔ تو جواب میں مہمانِ عرش نے عرض کیا کہ یَا رَبِّ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوٰی ذٰلِكَ تَرَكْتُهٗ لِاَجْلِكَ (تفسیرات احمدیہ ص ۲۲۹) یعنی اے پروردگار! میں ہوں۔ اور تو ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب میں نے تیرے لئے چھوڑ دیا۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ شبِ معراج جو کچھ وحی کی گئی ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں۔ ایک نماز کی فرضیت، دوسرے سورہ بقرہ کی آخری آیتیں۔ تیسرے یہ کہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کے تمام گناہ شرک کے سوا بخش دئے جائیں گے۔ (حاشیہ جلالین بحوالہ لمعات ص ۲۲۷)

برادرانِ اسلام! سبحان اللہ! مہمانِ عرشِ عظیم کی مہمانی کا کیا کہنا؟ خداوند عالم نے سلام کے بعد رحمتوں اور برکتوں کی نچھاور فرمائی۔ پھر نوّے ہزار حکایتیں سنا کر محبوب کی دلبستگی فرمائی۔ جن حکایتوں میں اسرار واخبار اور احکام شرعیہ کے خزانے بھرے ہوئے تھے۔ اس طرح فضلِ ربانی سے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کا سینہ خزائنِ علوم وعرفان کا سفینہ بن گیا۔ پھر اسی پر بس نہیں۔ بلکہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام

کائنات کا علم عطا فرما کر آپ کو اعلم الخلق بنا دیا۔

حضرات! یہ میری شاعری یا لفاظی نہیں بلکہ یہ مستند حدیثوں کا عطر ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ سُن لیجئے! ایک حدیث پڑھ دیتا ہوں۔ صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ رَأَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَاءُ الْاَعْلٰی یعنی میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے فرمایا کہ اے محبوب اوپر والی جماعت یعنی فرشتے کس چیز کے بارے میں بحث کر رہے ہیں؟ قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ تو میں نے عرض کیا کہ الٰہی! تو ہی اس کو زیادہ جانتا ہے۔ قَالَ فَوَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ پھر خداوندقدوس نے اپنے فیض رسانی کی ہتھیلی میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھدی۔ تو میں نے اُس کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان میں محسوس کی۔ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (مشکوٰۃ ص۷۰) تو مجھے ان تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا۔ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ سبحان اللہ! دیکھا آپ نے؟ یہ ہے مہمانِ معراج کی ضیافت و مہمان نوازی کی شان! کہ مالکِ عرشِ مجید نے اپنی رحمت و شفقت کی ہتھیلی کو محبوب کے شانوں پر رکھ کر اپنی لامحدود نوازشوں سے اپنے محبوب کو نوازا۔ اور اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کے سینے کو تمام کائناتِ آسمان و زمین کے علوم کا خزانہ بنا دیا۔

برادرانِ گرامی! صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں بڑی نفیس بات لکھی ہے جو سننے کے قابل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دونوں شانوں کے درمیان ہتھیلی رکھنا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ خداوند عالم کا فضلِ عظیم اور فیضانِ عمیم حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر بہت ہی زیادہ ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی پر بہت زیادہ مہربان ہوتا ہے تو اس کے دونوں شانوں کے درمیان ہتھیلی رکھ دیتا ہے۔ تاکہ سب لوگوں کو متنبہ کردے کہ یہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ مہربانی ولائق اکرام ہے۔ اور اس کو سب سے زیادہ میری تائید ونصرت اور امداد واعانت حاصل ہے (حاشیہ مشکوٰۃ ص۷۲) پڑھئے درود شریف:۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

معراج المومنین

حضرات! معراج کے تحفوں کا ذکر آگیا ہے تو یہ بھی سُن لیجئے کہ نماز پنجگانہ بھی اُنہیں تحائف میں سے ہے جو مالکِ عرش نے مہمانِ عرش کی مہمان نوازی میں عطا فرمایا یہ اتنا عظیم الشان تحفہ ہے کہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ "یعنی نماز مومنوں کی معراج ہے

برادرانِ اسلام! نماز مومنوں کی معراج کس طرح ہے؟ کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ دیکھئے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو ہر وقت قربِ خداوندی حاصل تھا۔ مگر سب سے زیادہ قرب معراج میں حاصل ہوا۔ تو چونکہ مومنین کو سب سے زیادہ قُربِ خداوندی نماز میں حاصل

ہوتا ہے ۔ اس لئے نماز مومنوں کی معراج ہوئی ۔ معراجِ عرش تو رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی شان کے لائق ہے اس لئے انہیں معراجِ عرشِ بریں عطا کی گئی ۔ اور آپ کے غلاموں کی شان کے لائق یہی معراج تھی کہ انہیں خداوندِ قدوس کی نزدیکی حاصل ہو جائے ۔ چنانچہ انہیں نماز میں یہ معراج زمین پر عطا کی گئی ۔ اور یہ تو آپ نے بارہا سنا ہو گا کہ پہلے پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے بار بار مہمانِ عرش نے بارگاہ رب العرش میں تخفیف کی التجا کی ۔ تو کم ہوتے ہوتے پانچ وقت کی نماز رہ گئی ۔ مگر خداوند قدوس نے فرمایا کہ اے حبیب! یہ پانچ وقت کی نمازیں پچاس وقت ہی کی نمازیں ہیں ۔ کیونکہ میں آپ کی امت کو پانچ وقت کی نماز پر پچاس وقت کی نمازوں کا ثواب دوں گا!

چند آیاتِ کبریٰ

بہر کیف برادران ملت! میں عرض کر رہا تھا کہ معراج کس لیے ہوئی؟ تو خداوند عالم نے معراج کی حکمت خود ہی بیان فرمائی کہ "لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا" یعنی معراج اس لئے ہوئی تاکہ رب العرش مہمان عرش کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائے اور یہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ سورۂ والنجم میں ارشاد ربانی ہے کہ ان نشانیوں سے مراد آیاتِ کبریٰ یعنی بڑی نشانیاں ہیں ۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں چند ان بڑی نشانیوں کا بھی ذکر سنا دوں جن کا معراج میں مہمانِ عرش

کو مشاہدہ کرایا گیا۔

دیدارِ الٰہی برادرانِ ملت! سب سے بڑا انعامِ ربانی اور اعلیٰ سے اعلیٰ نشانی تو یہی ہے کہ رب العزت جل جلالہٗ نے مہمانِ معراج کو اپنے دیدارِ پُر انوار کی دولت سے مالا مال فرمادیا اور اس طرح کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی یعنی نہ آنکھ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ اور آپ نے اپنی آنکھوں سے رَبِّ کریم کا دیدار کرلیا۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں خود ارشاد فرمایا کہ خَاطَبَنِیْ رَبِّیْ وَ رَأَیْتُہٗ بِعَیْنِیْ بَصَرِیْ فَاَوْحٰی (صاوی ج ۳ ص ۳۲۸)

یعنی میرے رب نے مجھ سے کلام فرمایا۔ اور میں نے اپنے پروردگار کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اس نے میری طرف وحی فرمائی۔ سبحان اللہ! کسی نے خوب کہا ہے ؎

خدا کو کسی نے نہ آنکھوں سے دیکھا مگر جا کے خیر البشر دیکھ آئے

حضرات! مجھے اس وقت حضرتِ عارف برعی علیہ الرحمہ کے تین اشعار یاد آگئے جو سننے کے قابل ہیں ؎

وَ اِنْ قَابَلْتَ لَفْظَۃَ لَنْ تَرَانِیْ بِمَا کَذَبَ الْفُؤَادُ فَہِمْتَ مَعْنیٰ

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دیدار کی درخواست پر لن ترانی فرمایا گیا اور حبیب کے لئے مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ارشاد ہوا۔ اگر تم ان دونوں کا مقابلہ کروگے تو ایک بہت بڑا مطلب تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔

فَاِنَّ اللّٰہَ کَلَّمَ ذَاکَ وَحْیًا وَکَلَّمَ ذَا مُشَافَھَۃً وَادْنٰی

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی دور سے کلام فرمایا اور حبیب کو انتہائی قرب عطا فرما کر بالمشافہہ کلام فرمایا۔

فَمُوْسٰی خَرَّ مَغْشِیًّا عَلَیْہِ وَاَحْمَدُ لَمْ یَکُنْ لِیَزِیْغَ ذِھْنًا

پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام تجلی دیکھ کر استغراق کی کیفیت میں زمین پر لیٹ گئے۔ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں کوئی کجی بھی نہیں پیدا ہوئی۔

حضرات! بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار اپنے سر کی آنکھوں سے فرمایا۔ چنانچہ حضرت امام اشعری علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام میں کی بہت بڑی جماعت کا یہی قول ہے کہ رَأٰی رَبَّہٗ بِبَصَرِہٖ وَعَیْنَیْ رَاْسِہٖ یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور امام نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح مذہب ہے (زرقانی ج ۶ ص ۱۱۶)

جنت و دوزخ کی سیر

برادرانِ ملت! پیارے مصطفےٰ نے دیدار الٰہی کے علاوہ سدرۃ المنتہیٰ عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و دوزخ وغیرہ کے تمام عجائب و غرائب کا معائنہ فرمایا۔ جو سب آیات کبریٰ اور بڑی بڑی نشانیاں

ہیں۔ آپ نے داروغہ جنت حضرت رضوان اور داروغہ جہنم حضرت مالک علیہما السلام سے بھی ملاقات فرمائی اور جنت و جہنم کی نعمتوں اور عذابوں کے مناظر بھی دیکھے۔ جہنم میں یہ دیکھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور دوسرے خاص خاص مجرمین کو بھی عذابوں میں مبتلا دیکھا۔ مثلاً ایک قوم کو دیکھا کہ فرشتے پتھر کی چٹانوں سے اُن کے سر کچل دیتے ہیں اور پھر ان کے بدستور درست ہو جاتے ہیں۔ جبریل امین نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ فرض نمازوں سے ان کے سر بوجھل ہوا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

ایک جماعت کو کانٹوں والی گھاس اور تھوہڑ کا درخت کھاتے دیکھا جو ان کی حلقوں میں پھنستا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو زکوۃ نہیں ادا کرتے تھے۔ ایک گروہ کو دیکھا کہ قینچیوں سے ان کی زبان اور ہونٹ کو فرشتے بار بار کاٹ رہے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا "ھٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ الْفِتْنَةِ" یہ وہ واعظین ہیں جو اپنے وعظوں سے امت میں فتنہ پھیلاتے تھے۔ ایک جماعت کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے پیٹ بڑے بڑے گنبدوں کی طرح ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں۔ اور وہ جب اُٹھتے ہیں تو گر پڑتے ہیں۔ حضرت جبریل نے بتایا کہ "ھُمْ اٰکِلَۃُ الرِّبَا" کہ یہ سود خوار لوگ ہیں۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۵ و صحاح ستہ)

اسی طرح جب جنت کی سیر فرمائی تو اپنے بعض خاص خاص غلاموں کو بہشت میں دیکھا - اور بعض امتیوں کے جنتی محلات کو بھی ملاحظہ فرمایا - چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوبدار کی طرح جنت میں اپنے آگے آگے چلتے ہوئے دیکھا - اور حضرت ابو طلحہ صحابی کی بیوی حضرت رُمَیْصَاء رضی اللہ عنہا کو بھی آپ نے جنت کی نعمتوں سے سرفراز دیکھا - جناب اقبال احمد سہیل نے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

نظر سے عالمِ ناسوت کے سارے حجاب اُٹھے بِرَءْیِ الْعَیْن کی سیر بہارستانِ رضوانی
رُمَیْصا زوجۂ بوطلحہ کی تقدیر کیا کہنا کہ خود دیکھا نبی نے انکو فِی رَوْحٍ وَّ رَیْحَانٍ
سنی سرکار نے جنت میں آوازِ خرام انکی بلال پاک کے طالع کی اللہ رے درخشانی

حضرت عمر کا جنتی محل

اسی طرح اپنے دوسرے غلاموں کے بہشتی محلات کے ساتھ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک محل جنت میں دیکھا جو اپنی خوبصورتی و نفاست کے لحاظ سے بہت ہی امتیازی شان رکھتا تھا - جناب سہیل اس کی تصویر کشی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ؎

بڑھے آگے تو وسطِ ساحتِ فردوس میں دیکھا بلند و پرشکوہ و دل کشا اک قصرِ لاثانی
وہ شفاف و شفق گوں رنگ جیسے حل ہو کوثر میں بتاثیر سحر، سیم قمر، یاقوت رُمانی
چمن میں رشکِ شبنم کی جگہ دُرِ نجف غلطاں روش پر سنگریزوں کی جگہ لعلِ بدخشانی
یہ ایواں دیکھتے ہی آپ نے حیرت سے فرمایا ہے کس کے واسطے یہ اہتمام جلوہ سامانی

فرشتوں نے کہا فاروق کی دولت سرا ہے یہ — یہ قصر اس کا ہے طالب جسکے ہیں محبوب یزدانی
شہید اور منصب صدیقیت کے اولیں وارث — امیر اور مسندِ ختم الرسل کے جانشیں ثانی

الغرض مہمانِ معراج جنتوں کی سیر فرماتے ہوئے۔ اور عجائبِ قدرت کی آیات بینات کا نظارہ فرماتے ہوئے آگے بڑھے تو کیا کیا دیکھا؟

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر ؎

یہاں سے پھر بڑھے سرور تو وہ جلوے نظر آئے — کہ اجمالاً بھی کچھ لکھیے تو اک دفتر ہو طولانی
غرض ملکوت کا ہر گوشہ چھانا اور جہاں پہنچے — نظر کے سامنے آتی گئیں آیاتِ ربانی

برادرانِ ملت! یہی مطلب ہے لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا کا یعنی ہم نے اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کو معراج میں اسی لیے بلایا تھا۔ تاکہ وہ ہماری ان آیات کبریٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

پڑھئے درود شریف اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم ط

حضرات! اب اس آیت کریمہ کا آخری جملہ رہ گیا۔ اس کے بارے میں بھی کچھ سُن لیجئے۔ ارشاد ربانی ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ یعنی بیشک وہ بہت زیادہ سننے والا۔ اور بہت زیادہ دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کے بارے میں مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ضمیر کا مرجع باری تعالیٰ ہے۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ سننے والا، اور بہت زیادہ دیکھنے والا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ اب آیت کا ترجمہ یہ ہوگا۔

کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام بہت زیادہ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں (صاوی ج ۱ ص ۳۳۵)

برادرانِ اسلام! یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ اور اُس کی تمام صفتوں کی طرح اس کا سننا اور دیکھنا بھی ازلی، ابدی اور لامحدود ہے۔ مگر دوسرے قول کی بنا پر جب یہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی دو صفتیں قرار دی جائیں، تو یہ ایسا ہی ہوگا جس طرح خداوند پاک نے اپنے دوسرے چند نام مثلاً رؤف، رحیم وغیرہ اپنے حبیب کو عطا فرمائے اسی طرح سمیع و بصیر اپنے دو مقدس ناموں کو بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیا۔ اور سبحان اللہ! محبوبِ خدا کے سننے اور دیکھنے کو کیا کہنا؟ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اِنِّی اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَنِّی اَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ یعنی اے دنیا والو! میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم لوگ نہیں دیکھتے۔ اور میں وہ سُن رہا ہوں جس کو تم لوگ نہیں سُن پاتے۔ مسلمانو! یہ ایمان کی بات ہے اور ذرہ برابر اس میں شبہہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا اور سننا تمام عالم سے بڑھ کر ہے کیونکہ خداوند قدوس نے آپ کو سمیع و بصیر فرمایا ہے۔ خیر، بزرگو اور بھائیو! میں نے تمہید میں آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ اب میں حدیثِ معراج سنا کر آپ سے رخصت ہوں گا۔

حضرات! یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ معراج کے بارے میں احادیث کے ذخیروں کا یہ عالم ہے کہ واقعۂ معراج کی روایتیں تقریباً پینتالیس

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ اور حدیث معراج کو اُن تمام محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے جو بلا شبہ فنِ حدیث کے امام بلکہ یوں کہئے کہ آسمانِ علم الحدیث کے ایسے روشن ستارے ہیں جن سے قیامت تک علم و عمل کی دنیا روشن رہے گی۔ میں ان روایات کا ایک جامع خلاصہ آپ کو سناتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ واقعاتِ معراج کا ایک نہایت روشن نقشہ آپ کے ایمانی ذہنوں میں نقش ہو جائے گا۔ لہٰذا بغور سنئے!

حدیث معراج

حضرات! نبوت کا بارہواں سال اور رجب کی ستائیسویں رات تھی۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ام ہانی بنت ابو طالب کے گھر میں بسترِ نبوت پر استراحت فرما رہے تھے۔ آنکھیں محوِ خواب تھیں مگر دل بیدار تھا۔ کہ ناگاہ جبریلِ امیں بارگاہِ رحمۃٌ للعالمین میں حاضر ہوئے اور عالمِ قدس کی بزمِ نور میں شرکت کے ربُ العرش کا دعوت نامہ پیش کیا۔ چنانچہ مہمانِ عرش حریم ام ہانی سے نکل کر حرمِ کعبہ میں تشریف لائے۔ حضرت سہیل لکھتے ہیں کہ ؎

رجب کی لبت و ہفتم بارہواں سالِ نبوت تھا — کہ بخشا خلوت آرائے ازل نے فخر مہمانی
حریم ام ہانی میں حضور آرام فرما تھے — در اقدس پہ قدسی و ملک تھے محو دربانی
دو چشمِ نرگسیں تھیں بند لیکن چشم دل وا تھی — سرہانے طالعِ بیدار کرتا تھا نگہبانی
ادب سے آکے جبریلِ امیں نے یہ گزارش کی — کریں سرکار بزمِ نور تک تشریف ارزانی

پھر جناب جبریل علیہ السلام نے آپ کا سینۂ مبارک چاک کر کے قلبِ منور کو آبِ زمزم سے دھویا۔ اور حلم و علم اور یقینِ ایمان سے پُر کر کے پھر قلبِ انور کو سینۂ منور میں رکھ کر بند کر دیا۔ اور حرمِ کعبہ سے روانہ ہوئے۔ اور براق پر سوار ہو کر مہمانِ الٰہی سفرِ معراج کے لیے چل پڑے۔ براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں تک نگاہ جاتی تھی اتنا لمبا اس کا ایک قدم ہوتا تھا ؎

سنی روح القدس سے جب طلب بزمِ حضوری کی اٹھے اور دی براقِ پاک پر داد سبک رانی
براقِ برق پیکر نے چلایوں ذاتِ انور کو فضا میں تیر جائے جسطرح بجلی کی تابانی
حرم سے چل کے اول مسجدِ اقصیٰ میں منزل کی وہاں سے جلوہ گاہ قدس تک جا کی پھر ٹھانی

بیت المقدس پہنچکر یہ دیکھا کہ انبیاء و رسولوں کی مقدس جماعت استقبال و خیر مقدم کے لیے حاضر ہے۔ امام المرسلین نے امامت فرمائی۔ اور تمام انبیاء و مرسلین نے مقتدی بن کر آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ فرماتے ہیں ؎

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر، عیاں ہوں معنیِ اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

نماز کے بعد جناب جبریل امین نے ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ پیش فرمایا۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا برتن اٹھا لیا۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اَصَبْتَ الْفِطْرَۃَ یعنی آپ نے دینِ اسلام کو پا لیا۔ اگر آپ شراب کا برتن لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی

اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک برتن میں پانی بھی تھا اور حضرت جبریل امین نے فرمایا کہ اگر آپ پانی کو پسند فرماتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔

برادرانِ ملت! اب یہاں سے آسمانِ دنیا کی طرف عروج فرمایا۔ اور آنِ واحد میں فضا کو پار کر کے آسمانِ اول پر تشریف فرما ہو گئے سبحان اللہ! ؎

حضور اسطرح گزرے گنبدِ مینائے گردوں سے　　نظر جس طرح شیشے سے گزر جائے بہ آسانی
ملائک اور رسل صف بستہ استقبال کو آئے　　اُٹھا افلاک میں ہر سمت شور تہنیت خوانی
سرِراہ ہر قدم پر ذوقِ نظارہ کی تسکیں کو　　حقائق کا تراکم تھا، مناظر کی فراوانی

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مرحباً بالابنِ الصالح فرما کر استقبال فرمایا۔ اور دعائیں دیں۔ اسی طرح دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ و حضرت یحییٰ علیہما السلام سے، اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے، اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے، اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے، اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ سب نے مرحبا کہہ کر خیر مقدم کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بیت المعمور سے مسند لگا کر رونق افروز ہیں۔ آپ نے مرحبا اور دعا کے بعد فرمایا کہ اے پیارے نبی! آپ اپنی امت سے میرا

سلام و پیغام کہہ دیجئے گا کہ جنت کی مٹی بہت خوشبودار اور پانی نہایت ہی شیریں ہے۔ اور جنت کے درخت سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں بیت المعمور کا یہ منظر دیکھا کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جن کو زندگی میں پھر دوبارہ حاضری کا موقع نہیں ملتا۔ بیت المعمور کی آیات کبریٰ کا معاینہ فرمانے کے بعد آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کے جمالستان کا نظارہ فرمایا۔ اور یہ دیکھا کہ سونے کی بے شمار ٹڈیاں سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ یہی وہ حسین منظر ہے جس کو قرآن مجید نے فرمایا کہ:۔ "اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ" یعنی جب سدرہ پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا۔ پھر آپ نے مقام "مستویٰ" میں عروج فرمایا۔ جہاں قضا وقدر لکھنے والے فرشتوں کے قلموں کی آوازیں آپ کو سنائی دیں۔ اس مقام پر آپ نے دیکھا کہ رفرف سواری کے لئے حاضر ہے۔ چنانچہ آپ نے رفرف پر سوار ہوکر عروج کا ارادہ فرمایا۔ تو کیا دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے جدا ہو رہے ہیں۔ اس وقت مہمانِ عرش نے حیران ہوکر فرمایا ؎

بدو گفت سالار بیت الحرام   کہ اے حاملِ وحی برتر خرام

سردار بیت الحرام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے وحی کے لانے والے اوپر چلئے!

چو در دوستی مخلصم یافتی   عنانم ز صحبت چرا تافتی

اے جبرئیل! جب دوستی میں آپ نے مجھے مخلص پایا۔ تو پھر میری ہمراہی سے آپ اعراض کیوں کر رہے ہیں؟

بگفتا فراتر مجالم نماند   بماندم کہ نیروئے بالم نماند

جناب جبرئیل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ یارسول اللہ! اب اس سے اوپر چلنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ میں اب عاجز آچکا ہوں۔ کیونکہ میرے بازوؤں کی طاقت جواب دے چکی ہے۔ یارسول اللہ اب میں آپ کے ساتھ ایسے مقام تک آگیا ہوں کہ ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم   فروغِ تجلی بسوزد پرم

یعنی اگر میں بال کی نوک کے برابر اس مقام سے اوپر پرواز کروں گا تو پھر خداوندی جاہ و جلال کی تجلیات سے میرے پر جل جائینگے!

برادرانِ ملت! عرشِ الٰہی کے مہمان اب ایک ایسی منزل میں پہونچ رہے ہیں۔ کہ نہ اس کو منزل کہہ سکتے ہیں نہ مکان۔ اسکے سوا کیا کہا جاسکتا ہے؟ کہ آپ لامکاں میں تشریف لے جارہے ہیں جہاں نہ کسی کا وہم پہونچ سکتا ہے نہ گمان ؎

خرد سے کہدو کہ سر جھکائے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کے لالے کوئی بتائے کدھر گئے تھے
سراغ "این و متی" کہاں تھا؟ نشانِ کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

الغرض آپ رفرف پر سوار ہوکر آگے بڑھے۔ اور عالم ملک وملکوت

کی سیر فرما کر اب عالم عزت و جبروت کی منازل کو طے فرماتے ہوئے عروج فرما رہے ہیں۔ روایت ہے کہ عالم تنہائی میں جب آپ جاہ وجلال کے پردوں سے گزر رہے تھے۔ تو اس وقت ربّانی جلال وجبروت کی ہیبتوں سے آپ پر کچھ خوف کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ اُس وقت یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز آئی کہ قِفْ اِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّي یعنی ٹھہر جائیے۔ آپ کا رب آپ پر رحمت نازل فرما رہا ہے۔ یارِ غار کی آواز سُن کر آپ کو سکونِ قلب حاصل ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں اسی فکر میں تھا کہ ابوبکر کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟ کہ اتنے میں مجھے ربِّ اعلیٰ نے پکارا کہ اُدْنُ يَا اَحْمَدُ اُدْنُ يَا مُحَمَّد (زرقانی ج ۶ ص ۹۳) آخر چلتے چلتے رفرف بھی رُک گیا۔ اور آپ مقامِ دنیٰ فتدلّیٰ اور منزلِ قابَ قوسین اور ادنیٰ میں پہنچکر بارگاہِ سبوح وقدوس میں شرفِ باریابی سے سرفراز ہوگئے ؎

سوادِ لامکاں تک رک گیا رفرف کہ اس کو بھی
کہاں اس خلوتِ وحدت میں اذنِ گرم جولانی
کسی نے لے لیا خود بڑھ کے آغوشِ محبت میں
ہوا ملکِ قدم خلوت سرائے حسنِ امکانی

برادرانِ ملت! منزلِ قابَ قوسین اَوْ اَدنیٰ کیا ہے؟
قربِ الٰہی کی وہ بلند ترین منزل ہے جو صرف مہمان عرش ہی کو حاصل ہوئی۔ آپ کے سوا کسی نبی و رسول یا مقرّب فرشتے کو کبھی یہ رتبہ

نصیب نہیں ہوا۔

قاب قوسین کی ایک تفسیر

حضرات! قَابَ قوسین او اَدْنیٰ... کی تفسیر میں امام مجاہد نے ایک بڑی نفیس بات فرمائی ہے۔ جس کو اکثر مفسرین نے بہت ہی پسند فرمایا۔ اس کو بھی سن لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم عرب کے محاورے پر نازل ہوا ہے اور عربوں کا دستور تھا کہ جب دو بادشاہ ایک دوسرے سے انتہائی محبت کا معاہدہ کرتے تھے تو دونوں اپنی کمانیں اور تیر لیکر میدان میں نکلتے تھے۔ اور دونوں اپنی اپنی کمانوں کو ایک ساتھ ملاکر دونوں کمانوں سے ایک تیر چلایا کرتے تھے۔ یہ اس بات کا اعلان ہوتا تھا کہ یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کے ایسے محب اور دوست بن گئے ہیں کہ جو ایک کا دوست ہوگا وہ دوسرے کا بھی دوست ہوگا۔ اور جو ایک کا دشمن ہوگا۔ وہ دوسرے کا بھی دشمن ہوگا۔ یہی اتحاد و محبت کا معاہدہ عرب میں "قاب قوسین" کہلاتا تھا۔ چونکہ معراج میں رب العرش اور مہمانِ عرش کا یہی معاہدہ ہوا تھا کہ اے محبوب! جو تمہارا دوست وہ ہمارا دوست۔ اور جو تمہارا دشمن وہ ہمارا دشمن۔ جس سے تم راضی اس سے ہم بھی راضی۔ جس سے تم ناراض اس سے ہم بھی ناراض۔ اس لئے اس معاہدہ کو عرب کے محاورہ کے مطابق قرآن نے فرمایا کہ "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنیٰ"

یعنی محبوب و محب کے درمیان "قاب قوسین" کا معاہدہ ہوا۔

(حاشیہ جلالین ص۴۳۵)

الغرض مہمانِ عرش بارگاہِ رب العزت میں بے شمار اعزاز و اکرام، اور قسم قسم کی لاتعداد نوازشوں سے سرفراز ہو کر پھر زمین پر تشریف لائے۔ اور جب حطیم کعبہ میں کھڑے ہو کر صبح کو اپنے اس سفر کا ذکر فرمایا تو ابھی آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ رات کو میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گیا۔ کہ کفار چلا چلا کر انکار کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ یہ ناممکن ہے کہ آپ رات بھر میں بیت المقدس تک جا کر واپس پلٹ آئیں۔ چونکہ کفار نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی معراج کا انکار کیا تھا۔ اس لئے ان کی دہن دوزی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔ سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت سبحٰن الذی اسریٰ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی معراج کا ذکر ہے اور مسجد اقصیٰ سے اوپر کی معراج کا ذکر سورۂ "والنجم" میں ہے۔ جس کا بیان آپ سن چکے۔

چونکہ معراج کی تصدیق سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی اس لئے وہ صدیق اکبر کے خطاب و لقب سے سرفراز کئے گئے!

"سبحان اللہ"

بجز ذاتِ مُطہر یہ شرف کس کو ہوا حاصل؟
بجز صدیق اکبر یہ حقیقت کس نے پہچانی؟

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ
تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ وصحبہ اجمعین

تیسرا واعظ

برہانِ معجزات

زبرہاں تا بہ ایماں سنگہا دار درہ واعظ
ندارد ہیچ واعظ ہمچو برہانے کہ من دارم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ نَبِیَّهٗ فَسَوَّاهُ وَعَدَّلَهٗ ۝ وَجَعَلَهٗ بُرْهَانًا وَّنُوْرًا وَّبِالْحَقِّ اَرْسَلَهٗ ۝ وَعَلٰی سَائِرِ الْخَلْقِ شَرَّفَهٗ وَفَضَّلَهٗ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ عَظَّمَهٗ وَبَجَّلَهٗ ۝

اما بعدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ (نساء)

برادرانِ اسلام! ہدیہ درود و سلام حضور خیر الانام علیہ الصلاۃ والسلام کے دربار عالی مقام میں بہ آواز بلند پیش کیجئے۔

سَلَامٌ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَسَیِّدٍ حَبِیْبِ اِلٰهِ الْعٰلَمِیْنَ مُحَمَّدٍ
بَشِیْرٍ نَّذِیْرٍ هَاشِمِیٍّ مُّکَرَّمٍ عَطُوْفٍ رَّؤُوْفٍ مَّنْ یُّسَمّٰی بِاَحْمَدَ

حضرات! میں آج کے وعظ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ابھی ابھی خطبے کے بعد سورۂ النساء کی ایک آیۂ کریمہ تلاوت کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ
اے لوگو! بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک واضح دلیل آئی

اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور اُتارا۔

محترم سامعین! تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں برہان سے مراد حضور پرنور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ اور روشن نور سے مراد قرآن مجید ہے۔ اب غور طلب یہ بات ہے کہ اس آیت میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات کو خداوند عالم نے برہان یعنی دلیل بتایا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ دلیل کسی نہ کسی دعویٰ کی ہوا کرتی ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا دعویٰ ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی دلیل بنا کر بھیجے گئے ہیں تو میرے بزرگو اور بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے دنیا میں تشریف لا کر یہ دعویٰ فرمایا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہر دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا ہے۔ تو پھر محمد رسول اللہ بھی ایک دعویٰ ہے۔ لہٰذا اس کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہے۔ تو خداوند جلّ وعلا نے ارشاد فرمایا کہ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ یعنی اے دنیا والو! میرے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس دعویٰ کی دلیل خود ان کی ذات ہی ہے اور وہ تمہارے پاس خداوند قدوس کی طرف سے اس دعویٰ کی دلیل بن کر تشریف لائے ہیں۔ یعنی اگر تم لوگ محمد رسول اللہ کے دعویٰ پر دلیل طلب کرتے ہو تو محمد رسول اللہ کی ذات کو دیکھ لو۔ محمد رسول اللہ

کی دلیل خود محمد رسول اللہ ہیں۔ سبحان اللہ! "آفتاب آمد دلیل آفتاب"
یعنی جس طرح سورج کی دلیل خود سورج کی ذات ہے۔ اسی طرح
"محمد رسول اللہ" کی دلیل خود محمد رسول اللہ کی ذات ہی ہے۔ یہ ثابت
کرنے کے لیے کہ سورج موجود ہے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے
بلکہ سورج کی ذات ہی سورج کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے
اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنے کے
لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حضور رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وسلم کی ذات ہی آپ کی رسالت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس
طرح سورج کو ایک نظر دیکھنے والا یہ اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ
سورج موجود ہے۔ اسی طرح جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو
حق بیں نگاہوں سے ایک مرتبہ بھی دیکھ لے گا تو اس کے قلب و دماغ
میں آفتاب عالم تاب سے بڑھکر یہ حقیقت روشن و آشکار ہو جائے
گی۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں!

حضرات! یاد رکھئے کہ انبیاء و رسولوں کی نبوت و رسالت
کی دلیلوں کو "معجزہ" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر نبی و رسول کو ان
کی نبوت و رسالت کے ثبوت کے لئے دلیل کے طور پر پروردگار عالم
نے کچھ معجزات عطا فرمائے۔ جن کو پیش کر کے انبیاء اور رسولوں نے
دنیا والوں کے سامنے اپنی اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کیا۔ مگر
ہر نبی و رسول کا معاملہ یہ رہا کہ ان کے معجزات ان کی ذات سے

الگ کچھ مافوق العادات اور تعجب میں ڈال دینے والے کمالات ہوتے رہے کہ جن کو دکھا کر انبیاء سابقین اپنی اپنی نبوت کو اپنی اپنی امتوں کے سامنے ثابت کرتے رہے ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا کہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا ۔ یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف سے عطا کئے ہوئے معجزات کے ساتھ بھیجا ۔ یعنی عصاء، ید بیضاء، دریا کا پھٹ جانا، پتھر پر لاٹھی مار کر پانی نکال دینا وغیرہ معجزات لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے ۔ اسی طرح تمام انبیاء اور رسولوں کے بارے میں رب العزت جل جلالہٗ نے فرمایا کہ جَآءُوْا بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ یعنی یہ انبیاء معجزات، اور صحیفے، اور روشن کتاب لیکر آئے ۔ غرض ہر نبی و رسول کے بارے میں یہی دستور خداوندی رہا کہ اُن کے معجزات اُن کی ذات سے الگ کچھ محیر العقول چیزیں ہوا کرتی تھیں جن کو لیکر انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے تھے ۔ اور انھیں معجزات کو دکھا کر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی نبوتوں کو دنیا والوں کے سامنے ثابت کرتے تھے اور یہی معجزات ان کی نبوت کی دلیل ہوا کرتے تھے، مگر نبی آخر الزماں، خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شان تمام انبیاء اور رسولوں سے انوکھی اور نرالی ہے کہ آپ کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ آپ اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے چند معجزات بطور دلیل لیکر تشریف لائے بلکہ یہ فرمایا کہ

قَدْ جَاءَ کُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ یعنی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی نبوت کی دلیل بن کر تشریف لائے۔ اور خود آپ کی ذات ہی سراپا آیات بیّنات و مخزن معجزات ہے اور برادران ملت! اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ اگر غور کیجئے تو یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات، ان کی ہر ادا، ان کی ہر بات، بلکہ اُن کے تنِ اقدس کا رونگٹا رونگٹا اور اُن کے جسم منور کا بال بال سراپا کمال و معجزۂ بے مثال ہے۔ چنانچہ اگر کوئی انسان ایک نظر بھر جمالِ نبوت کا نظارہ کرلے تو وہ آپ کی نبوت و رسالت کے اقرار پر مجبور ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ جمال نبوت کا دیدار کیا۔ مگر ایک ہی نظر میں میری دنیاءِ دل کے اندر ایسا انقلابِ عظیم پیدا ہو گیا کہ وَاللّٰہِ لَقَدْ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْھَہٗ لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ ط یعنی میں نے جان لیا اور پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ وہ بدنصیب انسان جن کے دلوں میں کفر و انکار کی مہر لگ چکی ہے۔ اور جو اپنی آنکھوں پر بغض و عناد کی عینک لگائے ہوئے ہیں وہ اگر لاکھوں بار بھی جمالِ نبوت کے جلوے دیکھیں پھر بھی انہیں رحمتِ عالم کی حقانیت و صداقت اور ان کی نبوت و رسالت کا آفتاب نظر نہیں آسکتا۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے

کیا خوب فرمایا کہ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

یعنی اگر دن میں چمگادر کی آنکھ سورج کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتی تو اس میں سورج کا کیا گناہ ہے؟ سورج تو اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے یہ چمگادڑ کی آنکھ کا قصور ہے کہ وہ سورج کی روشنی کا جلوہ دیکھنے سے محروم ہے۔ اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم منور کے ذرّے ذرّے میں معجزاتِ نبوت کے ہزاروں آفتاب روشن و درخشاں ہیں۔ مگر کافروں اور منافقوں کی آنکھیں جن پر کفر و نفاق کی پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اگر انہیں پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزاتِ نبوت کے آفتاب و ماہتاب نظر نہیں آتے تو یہ ان بدبخت آنکھوں کا قصور ہے۔ ورنہ آفتاب نبوت کی تجلیاں تو زمین و آسمان کے ذرّے ذرّے کو رشکِ آفتاب ماہتاب بنا رہی ہیں۔ ؎

انھیں کی بو، مایۂ سمن ہے، انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں انھیں کی رنگت گلاب میں ہے

برادرانِ اسلام! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے جسم منور کا ذرہ ذرہ معجزاتِ نبوت کا ایک عالم ہے۔ اور آپ کی ذات بابرکات سراپا معجزات ہی معجزات ہے۔

عزیزو اور دوستو! بات یہاں تک آگئی ہے تو میں چاہتا ہوں

کہ آئیے۔ اب میں آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کے چند معجزات کا نظارہ بھی کرا دوں۔ کہ کس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سراپا معجزات ہے؟ آئیے سب سے پہلے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آنکھوں کا اعجاز دیکھئے۔

نورانی آنکھ برادرانِ ملت! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم منور کی شانِ اعجاز، اور ان کی معجزانہ نگاہِ نبوت کا کیا کہنا؟ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اِنِّی اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ یعنی اے دنیا والو! میں وہ دیکھ رہا ہوں۔ جس کو تم تمام دنیا والوں میں سے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ اللہ اکبر! مسلمانو! تم نے غور کیا؟ دنیا والوں میں حضرت ملک الموت بھی تو ہیں۔ ان کی نظر کا کیا حال ہے۔ کائناتِ عالم کے تمام جاندار ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے ہیں۔ دنیا بھر میں جس کی موت کا وقت آجاتا ہے حضرت ملک الموت فوراً اس کے پاس پہنچکر اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اسی طرح منکر نکیر کی آنکھیں ساری دنیا کے مُردوں کو ہر وقت دیکھتی رہتی ہیں اور ہر میت کے پاس پہنچکر یہ دونوں سوالات کرتے ہیں حضرت میکائیل علیہ السلام تمام دنیا والوں کی روزی کا بحکم الٰہی انتظام کرتے ہیں۔ ہر مخلوق کے رزق کو ان کی آنکھیں دیکھتی رہتی ہیں۔ غرض کائناتِ عالم میں بڑی بڑی دور تک دیکھنے والی آنکھوں والے موجود ہیں۔ مگر رحمتِ عالم کا ارشاد ہے کہ اے آنکھ والو! تمہاری آنکھیں کتنا ہی زیادہ۔ کتنی ہی دور تک دیکھنے

والی کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی میری آنکھیں جن چیزوں کو دیکھ رہی ہیں۔ وہ تم میں سے کسی کی آنکھ کو بھی نظر نہیں آسکتیں۔ اِنّی ارٰی مَالا تَرَوْنَ میں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں جن کو تم میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا ہے۔

اسی طرح بخاری و مسلم کی روایات میں آیا ہے کہ اَقِیْمُوا الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰہِ اِنِّی لَاَرَاکُمْ مِنْ بَعْدِیْ (مشکوٰۃ ص۸۲) یعنی اے لوگو! تم رکوع و سجود کو درست طریقے سے ادا کرو۔ کیونکہ خدا کی قسم میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔ برادرانِ ملت یہ ہے رحمتِ عالم کی آنکھ کا بےمثال اعجاز کہ آج تک دنیا میں کسی آنکھ کو یہ کمال نصیب نہیں ہوا کہ وہ بہ یک وقت آگے اور پیچھے دیکھ لے۔ بلکہ تمام فلاسفہ اور ماہرین نظر کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ آنکھ سے دیکھنے کے لئے یہ شرط ہے کہ دیکھی ہوئی چیز آنکھ کے سامنے ہو۔ اس لئے کہ کوئی آنکھ پیچھے کی چیزوں کو نہ آج تک دیکھ سکی ہے نہ آئندہ دیکھ سکتی ہے۔ مگر رحمتِ عالم کی مقدس آنکھوں کا یہ معجزہ ہے کہ وہ بہ یک وقت آگے اور پیچھے دونوں طرف دیکھ لیتی ہیں چنانچہ صاحب مرقاۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ وَھِیَ مِنَ الْخَوَارِقِ الَّتِیْ اُعْطِیَھَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (حاشیہ مشکوٰۃ ص۸۲) یعنی یہ اُن معجزات میں سے ہے جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو عطا کئے گئے ہیں!

اچھا! اس سے بھی بڑھ کر سنئے! بخاری شریف کی ایک

روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ وَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَاخُشُوْعُکُمْ (بخاری ص۵۹) یعنی خدا کی قسم تمہارا رکوع و خشوع میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ اللہ اکبر! واہ رے مصطفٰے پیارے کی چشم اقدس کا اعجاز کہ پیٹھ کے پیچھے سے نمازیوں کے رکوع بلکہ خشوع کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ حضرات! خشوع کیا چیز ہے؟ خشوع دل میں خوف اور عاجزی کی ایک کیفیت کا نام ہے جو آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہی نہیں ہے۔ مگر نگاہِ نبوت کا معجزہ دیکھو۔ کہ جو چیزیں آنکھ سے دیکھنے کے قابل ہی نہیں۔ ان چیزوں کو بھی رحمتِ عالم نے اپنی مقدس آنکھوں سے دیکھ لیا۔ عزیزو اور دوستو! نگاہِ نبوت کا ایک معجزہ بھی سن لیجئے۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بیان ہے کہ یَرٰی فِی الظُّلْمَاءِ کَمَا یَرٰی فِی الضَّوْءِ (خصائص کبرٰی ص۶۱ ج۱) یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام اندھیرے اور اُجالے میں یکساں دیکھتے تھے سبحان اللہ! کہاں ہیں آنکھ والے؟ آئیں اور دیکھیں نگاہِ مصطفٰے کا اعجاز۔ کون نہیں جانتا کہ فلسفۂ بصر و نظر کے ماہرین کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ آنکھ سے دیکھنے کے لئے روشنی اور اُجالا شرط ہے۔ مگر یہ نگاہِ نبوت کا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ جس طرح اُجالے میں تمام چیزوں کو دیکھتے تھے اسی طرح اندھیرے میں بھی دیکھا کرتے تھے۔ حضرات! میں سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آنکھوں

کے کون کون سے معجزات بیان کروں؟ اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے کیا خوب فرمایا۔

شش جہت، سمتِ مقابل، شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی
فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے اُمّی! تری دانائی کی

سیکڑوں میل دور پر ہونے والے واقعات کو مدینہ میں بیٹھکر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس مضمون کی سیکڑوں روایات موجود ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ جنگ موتہ میں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ میں جھنڈا عطا فرما کر امیر لشکر مقرر فرمایا۔ اور مجاہدین سے ارشاد فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر امیر لشکر ہوں گے ۔ اور اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر لیں تو پھر عبد اللہ بن رواحہ علمبردار اور لشکر کے سپہ سالار بنائے جائیں ۔ اور اگر وہ بھی شرفِ شہادت سے سرفراز ہو جائیں ۔ تو پھر مجاہدین کسی کو امیر لشکر منتخب کر لیں۔ چنانچہ جب یہ لشکر موتہ کی سرزمین میں پہنچا ۔ جو مدینہ منورہ سے ایک ماہ بلکہ اس سے بھی زائد کا راستہ ہے ۔ اور جنگ شروع ہوئی ۔ تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام مدینہ منورہ سے اس جنگ کا نقشہ ملاحظہ فرماتے رہے۔ چنانچہ آپ نے حاضرین صحابہ سے فرمایا کہ زید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا مگر وہ شہید ہو گئے پھر فرمایا کہ اب

جعفر نے جھنڈا اٹھایا۔ مگر وہ بھی شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ اب عبداللہ بن رواحہ کے ہاتھ میں پرچم اسلام آیا لیکن وہ بھی جامِ شہادت سے سیراب ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ آخر میں خدا کی ایک تلوار (خالد بن الولید) نے نشانِ جنگ کو ہاتھ میں لیا۔ اور فتح مبین ہو گئی۔ رحمتِ عالم صحابہ کو موتہ کے میدان جنگ کی کیفیات سناتے رہے۔ اور چشمانِ رحمت سے آنسوؤں کے قطرات موتی بنکر رخسار نبوت پر نثار ہو رہے تھے (بخاری ج ۱ ص ۱۶۷)

برادرانِ ملت! سیکڑوں میل کی دوری تو کیا حقیقت رکھتی ہے؟ رحمت عالم نے تو اپنی آنکھوں سے تمام روئے زمین اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کو بہ اک وقت دیکھ لیا۔ بارہا آپ نے یہ حدیث سنی ہو گی۔ پھر ایک مرتبہ سُن لیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تمام زمین کو سمیٹ دیا۔ فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَاھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ (مواہب ج ۲ ص ۱۹۱) یعنی میں زمین اور اس میں قیامت تک ہونے والے واقعات کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

برادرانِ اسلام! بتائیے روئے زمین کی بھی کیا حقیقت ہے؟ نگاہِ مصطفیٰ نے تو مسجد نبوی کی محراب میں کھڑے ہوئے جنت و دوزخ کو دیکھ لیا۔ جنت و دوزخ کی بھی کیا حقیقت ہے۔ ان آنکھوں نے

نے توتمام فرش وعرش کو دیکھ لیا۔ سارے جہاں کو دیکھ لیا۔ ساری خدائی کو دیکھ لیا۔ خدا کو دیکھ لیا! پڑھئے درود شریف!

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

مقدس کان

حضرات! اسی طرح حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے گوشِ مبارک کی قوت سامعہ بھی معجزانہ شان رکھتی ہے۔ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ اِنّیِ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْن۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۷) یعنی میں وہ دیکھتا ہوں جو تم میں سے کوئی نہیں دیکھتا اور میں وہ سنتا ہوں جو تم میں سے کوئی نہیں سنتا۔ برادرانِ ملت اس حدیث نے فیصلہ کردیا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا سننا اور دیکھنا دوسرے انسانوں کے مثل نہیں ہے بلکہ آپ کی تمام صفتوں کی طرح آپ کے سمع وبصر کی قوت بھی بے مثال اور ایک معجزانہ شان رکھتی ہے دور دور کی آواز سن لینا یہ آپ کے مقدس کانوں کا مشہور معجزہ ہے بزرگانِ ملت! مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آگئی ہے۔ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات تہجد کے وقت میرے حجرے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمارہے تھے کہ ناگہاں آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ پھر تین مرتبہ فرمایا کہ نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ یعنی میں تم لوگوں کی مدد کے لئے حاضر ہوں حضرت بی بی میمونہ نے نہایت تعجب کے ساتھ دریافت کیا کہ میاں

رسول اللہ اس وقت آپ کس سے گفتگو فرما رہے تھے ؟
یہاں تو میرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے ۔ ارشاد فرمایا کہ مشرکین
مکہ نے ہمارے حلیف بنی کعب پر انتہائی ظالمانہ حملہ کر دیا ہے ۔
اور وہ بیچارے مصیبت کے مارے اس وقت مجھ سے مدد طلب
کر رہے ہیں تو میں نے اس وقت ان کی فریاد کا جواب دیا ہے
اور ان کی امداد کا وعدہ کر کے ان کی دھارس بندھائی ہے
چنانچہ تیسرے دن نماز فجر کے بعد ہی بنی کعب کا قاصد قصیدہ
پڑھتے ہوئے فریاد اور امداد طلب کرنے کے لئے مدینہ آ گیا
علامہ زرقانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ لَا بُعْدَ فِی
سِمَاعِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم من مَسِیْرَۃِ ثَلَاثٍ فقد
کَانَ یَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَاءِ یعنی اگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے
تین دن کی راہ سے ایک فریادی کی فریاد کو سُن لیا تو یہ کوئی آپ
سے بعید نہیں ہے کیونکہ آپ تو زمین پر بیٹھے ہوئے آسمانوں کی
چرچراہٹ کو سُن لیا کرتے تھے ۔ بلکہ عرش کے نیچے چاند کے سجدے
میں گرنے کی آواز کو بھی سماعت فرما لیتے تھے (خصائص ص۵۳ ج۱ حاشیہ
الدولۃ المکیہ ص۱۸۰)

حضرات دلائل الخیرات شریف میں ایک حدیث منقول ہے
کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَسْمَعُ صَلَاۃَ اَھْلِ
مَحَبَّتِیْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلَاۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا یعنی میں اپنے

اہل محبت کا درود شریف خود سن لیتا ہوں۔ اور دوسرے لوگوں کا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ اکبر! اس حدیث سے آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہو گیا۔ سرکار دوجہاں سے محبت کرنے والا مسلمان اگرچہ لاکھوں میل دور رہو، صحرا میں ہو یا سمندر میں ہو، آبادی میں ہوں یا ویرانے میں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہوں یا گہرے غاروں میں، مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے درود کو سن لیتے ہیں سبحان اللہ! یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشِ مبارک کا بے مثال اعجاز۔ اسی مضمون کو اعلحضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

زبانِ مُبارک

برادرانِ اسلام! اسی طرح آپ کی زبان فیض ترجمان کو دیکھئے تو وہ بھی سرچشمۂ آیات و مخزن معجزات ہے۔ فصاحت و بلاغت کو دیکھئے تو وہ بھی حدِ اعجاز کو پہونچی ہوئی ہے کہ بڑے بڑے عرب کے فصحاء و بلغاء آپ کے کلام بلاغت نظام کو سن کر دنگ رہ جاتے تھے ؎

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

کلام کی عظمت و تقدس کو دیکھئے تو وہ بھی سراپا معجزہ، چنانچہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ط اِنْ

هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۞ یعنی پیغمبر اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے
بلکہ ان کا کلام تو وحی الٰہی ہے۔ اسی طرح زبان کی شانِ حکمرانی پر
نظر ڈالئے تو وہ اعجاز کہ زبان سے جو فرمادیا وہ معجزہ بن کر عالمِ وجود
میں آگیا۔ روایت ہے کہ غزوہ ذی قرد میں ایک کھاری پانی کے
چشمہ پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا۔ یہ چشمہ بَیْسان
کے نام سے مشہور تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس چشمے
کا پانی نہایت ہی بدمزہ اور کھاری ہے۔ یہ سُن کر حضور علیہ الصلاۃ
والسلام نے فرمایا کہ بَلْ ھُوَ نُعْمَانُ وَھُوَ اَطْیَبُ۔ یعنی اس چشمہ
کا نام بَیْسان نہیں بلکہ اس کا نام نعمان ہے اور اس کا پانی میٹھا ہے
صحابہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرماتے ہی
اس چشمے کا پانی بالکل شیریں، خوش ذائقہ اور خوشگوار ہوگیا۔ حجۃ اللہ ص ۴۴۴

اسی طرح ایک کافر کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اسلام
کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ حضورؐ اگر میری مری ہوئی لڑکی کو زندہ
فرمادیں تو میں ضرور اسلام قبول کرلوں گا۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام
اس کی بیٹی کی قبر پر تشریف لے گئے اور لڑکی کا نام لیکر پکارا تو وہ
زندہ ہوکر لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ کہتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔
(دلائل النبوۃ)

اسی طرح ایک کافر نے سوال کیا کہ آپ کھجور کے درخت کو حکم دیں
اور وہ کھجوروں کا ایک خوشہ گرادے تو میں ایمان لاؤں گا۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے کھجور کے ایک درخت کی طرف اشارہ فرما دیا۔ تو اس نے فوراً ہی پکی ہوئی کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کر دیا (مشکوۃ شریف ص۵۴۱) اسی طرح روایت ہے کہ ایک گستاخ حکیم بن ابی العاص دربار نبوت میں حاضر ہوتا تو منہ بگاڑ بگاڑ کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی نقلیں اُتارتا تھا۔ ایک دن آپ نے نہایت پُرجلال لہجے میں فرمایا کہ کُنْ کَذٰلِکَ فَلَمْ یَزَلْ یَخْتَلِجُ حَتّٰی مَاتَ (خصائص ج ۲ ص ۷۹) یعنی تو ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ زبان مبارک کا معجزہ دیکھو کہ مرتے دم تک اس خبیث کا منہ اسی طرح ہلتا رہا۔

سبحان اللہ! ؎

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں   اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

حضرات! مجھے مرزا غالب کا ایک شعر یاد آگیا۔ انہوں نے اس مضمون پر کیا خوب کہا ہے ؎

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است   اما کشاد آں بزبانِ محمدؐ است

یعنی اس میں شک نہیں کہ تقدیر الٰہی کا تیر خدا ہی کے ترکش قدرت میں ہے لیکن اس تیر کا چلنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہوا کرتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ؎

بخدا خدا کا یہی ہے دَر نہیں اور کوئی مَفَر مَقَر

جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

دندانِ نورِ وسلم

حضرات! اسی طرح اگر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دانتوں پر ایک نظر ڈالیں گے تو وہ بھی صاحبِ اعجاز نظر آئیں گے۔ چنانچہ آپ کے دندانِ مبارک کا یہ معجزہ تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اِذَا ضَحِكَ يَتَلَأْلَأُ فِي الْجُدُرِ لَمْ اَرَ مِثْلَهٗ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ (ترمذی) یعنی جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام تبسم فرماتے تھے تو دیواروں پر دندان مبارک کی چمک کا عکس پڑتا تھا۔ اور میں نے رحمتِ عالم کا مثل نہ آپ کے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد۔ برادرانِ ملت! دنیا میں بڑے بڑے حسین اور چمکدار دانتوں والے ہوئے مگر دانتوں میں ایسی چمک کہ تبسم کے وقت ان کی تجلی سے مکان کی دیواریں اندھیری رات میں جگمگا اٹھیں۔ یہ رحمت للعالمین ہی کے دانتوں کا جمالِ نبوت ہے جس کو معجزہ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

سبحان اللہ! سبحان اللہ! ؎

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے
ان ستاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

دستِ اقدس

برادرانِ ملت! اچھا آئیے۔ اب ذرا رحمتِ عالم کے مقدس ہاتھوں کا بھی اعجاز سن لیجئے۔

بخاری شریف کی حدیث تو بارہا آپ لوگوں نے علماء کرام سے سُنی ہو گی۔ حضور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُوتِیتُ بِمَفَاتِیحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِی یَدِیْ یعنی میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔ اللہ اکبر! میرے بزرگو اور بھائیو! آپ نے کبھی غور کیا؟ کہ زمین کے خزانے کون کون ہیں؟ اور کتنے ہیں؟ ہیرے، جواہرات سونا، چاندی، لوہا، پیتل وغیرہ تمام دھاتیں، تیل، پٹرول یہ سب زمین ہی کے خزانے ہیں۔ پھر تمام نباتات، ہر قسم کے اناج، پھل پھول، سب کے خزانے تو زمین ہی میں ہیں اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں حضرات! کسی کے ہاتھ میں تالا کنجی دینے کا کیا مطلب ہوا کرتا ہے؟ دنیا جانتی ہے کہ کسی کے ہاتھ میں تالا کنجی دینے کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ کہ اس شخص کو تصرف کا اختیار دیدیا گیا۔ تو برادرانِ ملت! اس حدیث کا صاف صاف مطلب یہی ہوا کہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب کے ہاتھوں میں زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دیکر زمین کے تمام خزانوں پر اقتدار و اختیار بخش دیا ہے۔ کہ محبوب خدا زمین کے خزانوں میں سے جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا فرما سکتے ہیں سچ فرمایا کسی اہل محبت نے ؎

کفِ دستِ رحمت میں ہے سارا عالم

زمیں آپ کی، آسماں آپ کا ہے

حضرات! پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی معجزانہ شان پر قربان جائیے۔ یہ وہ صاحبِ اعجاز ہاتھ ہے کہ اس ہاتھ سے جس چیز کی طرف اشارہ فرمادیا وہ عالمِ وجود میں آگئی۔ یہی وہ ہاتھ ہے کہ اس کے اشارے سے چاند شق ہوکر دو ٹکڑے ہوگیا۔ اسی ہاتھ کے اشارے سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا۔ اسی کا اعجاز تھا کہ جنگ اُحد کے دن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو رحمتِ عالم نے اپنے دستِ اقدس سے ان کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ دیدی۔ جو دستِ رحمت کا اشارہ پاتے ہی ایک بہترین تلوار براق بن گئی۔ یہی مقدس ہاتھ تھا کہ رحمتِ عالم نے ابو زید انصاری کی داڑھی اور سر پر پھرا دیا۔ اور فرمایا کہ الٰہی! ان بالوں کو زینت بخش دے تو ان ہاتھوں کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ سو برس کی عمر میں بھی ان کے سر اور داڑھی کا ایک بال بھی سفید نہ ہوا۔ اور تمام عمر چہرے پر جوانی کا جمال باقی رہا (حجۃ اللہ ص۴۳۷)

دست مبارک کا اس سے بڑھ کر ایک معجزہ اور بھی سُن لیجئے جو انتہائی عجیب و غریب ہے۔

ہڈیاں زندہ ہوگئیں حضرت جابر صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے لئے ایک بکری ذبح کی۔ اور اس کا گوشت پکایا۔ حضور رحمتِ عالم اور صحابہ نے یہ گوشت کھایا۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ

ہوئے کیا خوب ارشاد فرمایا ؎

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ستونِ حنّانہ

برادرانِ اسلام! استن حنانہ کا واقعہ آپ نے بارہا سنا ہوگا۔ لیکن ایک بار پھر سُن لیجئے۔

روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں کھجور کی لکڑی کے ایک ستون سے ٹیک لگاکر خطبہ پڑھتے تھے۔ مدینہ منورہ کی ایک انصاری عورت نے جب لکڑی کا ایک منبر تیار کراکر مسجد نبوی میں رکھا اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام پہلی مرتبہ اس منبر پر خطبہ پڑھنے کے لئے رونق افروز ہوئے تو مسجد کا ستون اس طرح بلبلاکر رویا کہ بخاری شریف کی روایت میں آیا ہے صَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ، یعنی یہ کھجور کا تنہ فراقِ رسول میں اس طرح رونے لگا جس طرح بچہ اپنی ماں کی جدائی پر روتا ہے۔

مولانا رومی علیہ الرحمہ نے مثنوی میں اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا ؎

استنِ حنانہ از ہجر رسول   نالہ می زد ہم چو اربابِ عقول

یعنی مسجد کا ستون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے اس طرح نالہ و فریاد کرکے رونے لگا جیسے کوئی عقلمند (انسان) اپنے محبوب کی جدائی پر روتا ہے ؎

در تحیر ماند اصحاب رسول   کز چہ می نالد ستون با عرض و طول

صحابہ کو انتہائی حیرت ہوئی کہ یہ لمبا چوڑا ستون کس وجہ سے رو رہا ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں شیشے سے زیادہ نازک دل تھا ستون کی بے قراری وگریہ وزاری پر رحمت عالم کا دل بھر آیا۔ آپ نے خطبہ چھوڑ کر اس ستون کو اپنے مقدس سینے سے چمٹا لیا تو اس وقت ستون اس طرح رونے لگا جس طرح ماں سے بچھڑا ہوا بچہ ماں سے ملنے کے بعد سسک سسک کر رونے لگتا ہے۔ بالآخر سرکار دوجہاں نے ستون کو مخاطب کر کے فرمایا ؎

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون گفت جانم از فراقت گشت خون

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ستون تیری خواہش ومرضی کیا ہے؟ تو ستون نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی جدائی سے میری جان کا خون ہو گیا۔ ؎

مسندت من بودم از من تاختی بر سر منبر تو مسند ساختی

یارسول اللہ! آپ مجھ سے تو ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ لیکن آج آپ نے اعراض فرما کر منبر کو اپنی مسند بنا لیا۔ اسی آپ کی جدائی کی وجہ سے میں رو رہا ہوں۔

حضرات! دیکھ لیا آپ نے اعجاز محمدی کا جلوہ؟ سوکھی لکڑی کے ستون کو جان ملی، پھر زبان ملی کہ وہ رونے اور گفتگو کرنے لگا۔ پھر وہ صاحب ایمان بھی ہو گیا۔ کہ محبوب خدا کے عشق ومحبت کی دولت اُسے نصیب ہو گئی۔

اسی طرح مشہور واقعہ ہے کہ ابوجہل کے ہاتھ میں کنکریوں نے اشارہ پاتے ہی کلمہ پڑھا۔ جیسا کہ مولانائے روم نے فرمایا ؎

لَا اِلٰہ گفت و الا اللہ گفت گوہرا حمد رسول اللہ سُفت

برادرانِ ملت! بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ" یعنی آپ خدا کے حکم سے مُردوں کو زندہ فرمادیا کرتے تھے۔ مگر آپ نے جن چند مردوں کو زندہ فرمادیا وہ سب مُردہ انسان تھے جن میں مدتوں زندگی رہ چکی تھی اور وہ کٹے پٹے بھی نہ تھے۔ بلکہ ان میں حیات کی صلاحیت تھی۔ لیکن رحمتِ عالم نے پکی ہوئی ہڈیوں کو اور سوکھی لکڑی کے ستون کو اور کنکریوں کو باذنِ اللہ نہ صرف جان بلکہ زندگی کے ساتھ زبان و ایمان بھی عطا فرمادیا۔ حالانکہ ان چیزوں میں حیات کی صلاحیت بھی نہیں تھی۔ تو یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بلاشبہہ عظیم تھا مگر رحمتِ عالم کا معجزہ اس سے بہت زیادہ اعظم ہے۔

پنجاب رحمت کی ندیاں حضرات! سرکار دوجہاں کے دستِ مبارک کے معجزات کا ذکر آگیا ہے تو یہ بھی سُن لیجئے کہ آپ کی مُبارک انگلیوں سے تقریباً تیرہ مواقع پر پانی کی نہریں جاری ہوئیں۔ چنانچہ ان میں سے صرف ایک موقع کا ذکر اس وقت آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔ سنہ ۶ھ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کا ارادہ کر کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور میدان حدیبیہ میں نزول فرمایا۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے حدیبیہ کا کنواں خشک ہوگیا۔ اور حاضرین پانی کے ایک

ہو گئے تو سرکارِ دو جہاں نے تمام ہڈیوں کو ایک برتن میں جمع فرمایا۔
اور ان ہڈیوں پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر کچھ فرما دیا۔ تو یہ معجزہ ظاہر
ہوا کہ فَاِذَا الشَّاۃُ قَدْ قَامَتْ تَنْفُضُ ذَنَبَھَا (خصائص ج ۲ ص ۶۷)
یعنی بالکل اچانک بکری زندہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اور دم ہلانے لگی۔

حضرات! حضرتِ عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا بڑا ہی مشہور
معجزہ ہے کہ آپ مردوں کو زندہ فرما دیتے تھے۔ مگر آپ نے ان لاشوں
کو زندہ فرمایا تھا جن کے ٹکڑے نہیں ہوئے تھے۔ لیکن رحمتِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے گوشت کی پکی ہوئی ہڈیوں کو زندہ فرما
دیا۔ یقیناً اعجازِ مسیحائی ایک بہت بڑا معجزہ ہے لیکن اعجازِ محمدی اس
سے بہت زیادہ بلند و بالا اور بہت ہی بڑھ چڑھ کر ہے۔

برادرانِ ملت! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پکی ہوئی
ہڈیوں ہی کو زندہ نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے تو ایک سوکھی ہوئی لکڑی استنِ حنانہ
اور پتھر کی کنکریوں کو جان، زبان اور ایمان بخش دیا۔ کہ استنِ حنانہ
آپ کی جدائی میں جوشِ محبت میں رویا۔ اور کنکریوں نے آپ کا
کلمہ پڑھا۔ حالانکہ لکڑی اور پتھر میں کبھی بھی حیات نہیں تھی نہ ان میں
حیات کی صلاحیت ہی ہے۔ مگر یہ رحمتِ عالم کا اعجاز ہے کہ جن چیزوں
میں حیات کی صلاحیت بھی نہیں تھی انھیں بھی آپ کے کرم سے ایمان
کی زندگی مل گئی۔ بلکہ جان کے ساتھ زبان و ایمان کی دولت بے بہا بھی
نصیب ہو گئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس مضمون کی طرف اشارہ فرماتے

ایک قطرہ کے لیے محتاج ہو گئے۔ اس وقت رحمتِ عالم کے دریائے رحمت میں جوش آگیا اور آپ نے ایک پیالے میں اپنا دستِ مبارک رکھ دیا۔ تو آپ کی مقدس انگلیوں سے اس طرح پانی کی نہریں جاری ہو گئیں کہ پندرہ سو کا لشکر سیراب ہو گیا۔ لوگوں نے وضو و غسل بھی کیا جانوروں کو بھی پانی پلایا۔ تمام مشکوں اور برتنوں کو بھی پانی سے بھر لیا۔ پھر رحمتِ عالم نے پیالے میں سے دستِ مبارک اُٹھا لیا۔ اور پانی ختم ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم لوگ کتنے آدمی تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ہم پندرہ سو کی تعداد میں تھے۔ مگر پانی اس قدر کثیر تھا کہ لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا (مشکوٰۃ ص۵۳۲)
یعنی اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو یہ پانی ہم سب کو کافی ہو جاتا۔
سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت قبلہ نے کیا خوب فرمایا ؎

انگلیاں ہیں جوش پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

حضرات یہاں بھی اعجاز محمدی کی بے مثالی کا جلوہ دیکھئے
قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک مشہور معجزہ مذکور ہے کہ آپ نے خدا کے حکم سے پتھر پر اپنا عصا مارا تو فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ط تو اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ تھا۔ مگر یہی معجزہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اس طرح

ظاہر ہوا کہ آپ نے پیالے میں ہتھیلی رکھدی تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ پتھر پر لاٹھی مار کر چشمے جاری کر دینا اگرچہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے مگر پھر بھی پتھر سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اتنا عجیب و نادر الوجود نہیں ہے جتنا کہ انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا محیر العقول و عدیم المثال ہے۔ کیونکہ بہر حال پتھروں میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ان سے چشمہ جاری ہو جائے۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ط یعنی کچھ پتھروں میں سے نہریں نکل پڑتی ہیں۔ اور کچھ پتھر پھٹ جاتے ہیں تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے۔ مگر انسان کی انگلیوں میں ہرگز ہرگز یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان سے پانی نکلے۔ لہذا عقلِ سلیم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اعجاز موسوی اگرچہ ایک عظیم معجزہ ہے مگر اعجازِ محمدی کی شان بے مثالی کی اور ہی شان ہے۔

حضرات بات پر بات یاد آتی جاتی ہے۔ یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر اپنا عصا مارا تو دریا پھٹ گیا۔ اور بنی اسرائیل سلامتی کے ساتھ بیچ دریا میں بنے ہوئے قدرتی راستہ پر چل کر دریا کے پار نکل گئے۔ مگر رحمتِ عالم نے اپنی انگلی سے اشارہ فرما دیا تو چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ غور کیجئے ان دونوں معجزوں میں

بھی کتنا عظیم الشان فرق ہے۔ اعجازِ موسوی کا تصرف دریا پر ہوا۔ جو زمین پر بہتا ہے۔ اور اعجازِ محمدی کا تصرف چاند پر ہوا جو آسمان پر ہے۔ اس لیے بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں معجزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی لئے کسی نے خوب کہا ہے ؎

انفلاقِ بحر بُرہانِ عظیم الشان تھا　　انشقاقِ بدر کا لیکن نتیجہ اور ہے

قدم شریف کا معجزہ

حضرات! آپ میرے رحمت والے آقا مدینے کے داتا کے ہاتھوں کا معجزہ تو سُن چکے۔ اب آئیے میں آپ کے قدم شریف کا ایک معجزہ آپ کو سنا دوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیکر کوہِ احد پر تشریف فرما ہوئے۔ تو پہاڑ جوشِ مسرت سے ہلنے لگا کیوں نہ ہو کہ آج اس پہاڑ پر ان کے قدم آئے کہ جنھوں نے ایک مرتبہ عرش مجید کی چوٹی پر قدم رکھا تو عرش کی عظمت میں چار چاند لگ گیا بہر حال جب پہاڑ ہلنے لگا تو رحمتِ عالم نے پہاڑ پر ایک ٹھوکر ماری اور فرمایا کہ اے پہاڑ! ٹھہر جا اس وقت تیری پشت پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ آپ کی ٹھوکر سے احد پہاڑ کا زلزلہ ساکن ہو گیا (بخاری وغیرہ) اللہ اکبر! قدم رسول کے اعجاز کا کیا کہنا ؎

ایک ٹھوکر سے اُحد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر! ایڑیاں

جسمِ انور کا اعجاز

حضرات! میں عرض کر چکا ہوں کہ جسم منور کا ہر ہر عضو مخزنِ معجزات ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی بدن کے بھی چند معجزات آپ کو سنا دوں! سنئے! آپ کے جسم انور کا یہ خاص معجزہ ہے کہ کبھی اس پر مکھی نہیں بیٹھی۔ بلکہ بعض روایات سے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جسم منور تو جسم منور ہے کبھی آپ کے کپڑوں پر بھی مکھی نہیں بیٹھی۔ حضرات! مکھی وہ بے حیا مخلوق ہے کہ پاک و ناپاک ہر چیز پر بیٹھتی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت مکھی کو جسم پر بیٹھنے سے نہیں روک سکتی۔ مگر رحمتِ عالم کے بدنِ مبارک کا یہ کھلا ہوا معجزہ ہے کہ مکھی بھی آپ کی عظمت کو پہچانتی تھی۔ اور بارگاہ نبوت کے تقدس کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کبھی بھی آپ کے جسم اطہر پر نہیں بیٹھی۔ اسی طرح آپ کے جسمِ منور کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا چنانچہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لَمْ یَکُنْ یُرٰی لَهٗ ظِلٌّ لَّا فِی الشَّمْسِ وَلَا فِی الْقَمَرِ (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۶۸۶)

یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں دیکھا گیا نہ چاند کی چاندنی میں۔ حضرات! مجھے اس وقت ایک بڑا لطیف نکتہ یاد آگیا یہ بھی سننے کے قابل ہے یہ تو بار بار آپ نے سنا ہوگا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے جسم منور کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ اور یہ سمجھ میں آنی والی بات ہے۔ کہ آپ کا جسمِ مبارک گو انسانی شکل میں تھا مگر درحقیقت یہ پیکرِ

نورانی تھا۔ اور ظاہر ہے نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اعلیٰحضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا ؎

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

لباس کا بھی سایہ نہیں

بہر حال یہ ہر چھوٹا بڑا بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب جسم منور نورانی پیکر تھا تو اس کا سایہ کہاں سے پڑتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کے بدن مبارک پر جو لباس تھا وہ تو نور کا نہیں تھا۔ مگر آپ کے لباس و پوشاک کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا۔ آپ غور کیجئے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کبھی ننگے بدن تو کہیں باہر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ بلکہ جب بھی کاشانۂ نبوت سے باہر رونق افروز ہوتے تو جسم انور پر تہبند و پیراہن، سر پر عمامہ، پائے اقدس میں نعلین، دست مبارک میں عصا یا شمشیر، دوش انور پر کبھی کبھی چادر، کبھی رحمت والی کالی کملی ہوتی۔ ان سب لباس و سامان کے ساتھ آپ مکان سے باہر تشریف لیجاتے تھے۔ مگر دیکھنے والے صحابہ کا بیان ہے کہ آپ کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں نظر آیا نہ چاند کی چاندنی میں کسی نے آپ کا سایہ دیکھا۔ یہ کسی صحابی نے نہیں کہا کہ آپ کے لباس یا نعلین، یا تلوار کا سایہ پڑتا تھا بلکہ صحابہ نے یہی کہا کہ باوجود ان لباسوں میں ملبوس ہونے کے آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سوت یا اون کی پوشاک چمڑے کی نعلین، لوہے کی تلوار، جب یہ سب آپ کے جسم نورانی سے وابستہ ہوگئیں تو یہ تمام چیزیں بھی نورانی ہوگئیں

اور جسمِ انور کی طرح ان چیزوں کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا! سبحان اللہ!
یہ نسبتِ مصطفےٰ کا اعجاز ہے۔ اس نورِ مجسم سے ادنیٰ سی نسبت خاکی کو نوری
کانٹوں کو پھول، اور ذروں کو رشکِ آفتاب بنا دیتی ہے ؎

اللہ رے ان کے جسمِ منور کا معجزہ والبتہ جو ہوا اسے پُرنور کر دیا

پڑھئے درود شریف:۔ اللھم صلِ علی سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وبارک وسلم

عالمِ غیب کی بارش

برادرانِ ملت! نسبتِ رسول کی عظمت اور ان کے جسمِ انور کے اعجاز کا کیا کہنا؟ ایک سوتی یا اونی کپڑا اس جسمِ منور سے مَس ہو جائے تو وہ پیکرِ نور بن جاتا ہے۔ بلکہ اس کی نورانیت کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ وہ اگر کسی انسان کے سر پر پڑ جائے تو وہ بھی مخزنِ انوار بن جاتا ہے۔ حضرات! بات یہاں تک پہنچ گئی۔ تو اس مضمون کی ایک حدیث بھی سُن لیجئے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ سخت دھوپ میں جبکہ آسمان میں کہیں بادل کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے دفن کے لئے قبرستان تشریف لے گئے۔ واپسی میں جب کاشانۂ نبوت میں قدم رکھا۔ اور حضرت ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نظر جمالِ نبوت پر پڑی تو ام المومنین استقبال کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ مولانا رومی علیہ الرحمہ اس روایت کو لکھتے ہیں ؎

چشمِ صدیقہ چو بر رویش فتاد پیش آمد دست بر وے می نہاد

یعنی ام المومنین کی نظر جب جمالِ منور پر پڑی۔ تو وہ سامنے آئیں اور جسمِ مبارک پر ہاتھ رکھکر ٹٹولنا شروع کر دیا۔ جیسے کچھ تلاش کر رہی ہیں۔

تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

گفت پیغمبر چہ می جوئی شتاب گفت باراں آمد امروز از سحاب

یعنی اے بی بی عائشہ! تم جلدی جلدی میرے بدن پر کس چیز کی تلاش کر رہی ہو؟ ام المومنین عرض کرنے لگیں کہ یارسول اللہ! آج بہت ہی زور دار بارش میں آپ تشریف لائے ہیں مگر

جامہایت را ہمی جویم در طلب ترنمی بینم ز باراں اے عجب

میں آپ کے کپڑوں کو اس لئے ٹٹول رہی ہوں کہ اس بارش میں آپ کے کپڑے بھیگے کیوں نہیں ہیں۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

حضرات! آپ نے غور فرمایا۔ سخت دھوپ ہے اور آسمان میں کہیں بادل کا نام ونشان تک نہیں۔ مگر ام المومنین فرماتی ہیں کہ اس وقت زوردار بارش ہو رہی ہے۔ اگر دنیا کی دوسری کوئی عورت یہ بات کہتی تو یقیناً اس کی تکذیب کر دی جاتی۔ مگر یہ بات ان کی ہے جو خود بھی صدیقہ ہیں۔ اور جن کے باپ کا آسمانی لقب "صدیق اکبر" ہے۔ تمام عمر جن کی زبان پر جھوٹ کا گزر نہیں ہوا وہ فرما رہی ہیں تو پھر بھلا کس کی مجال ہے؛ کہ ان کے کلام میں جھوٹ کے شائبہ کا بھی وہم کر سکے۔ چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں فرمایا۔ کہ اے عائشہ بارش تو نہیں ہو رہی ہے۔ دیکھ لو دھوپ نکلی ہے اور آسمان میں کہیں انچ برابر بھی بدلی کا کوئی ٹکڑا نہیں ہے۔ بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت متانت اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ دریافت فرمایا کہ :۔

گفت پیغمبر چہ کردی از ازار ۔۔۔ گفت کردم آں ردائے تو خمار

یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ آج تم نے کونسا کپڑا پہن رکھا ہے؟ تو ام المومنین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آج میں نے آپ کی چادرِ مبارک کو اپنا ڈوپٹہ بنالیا ہے۔ یہ سن کر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

گفت زاں بنمود حق اے پاک جیب ۔۔۔ چشمِ پاکت را خدا بارانِ غیب

یعنی اے عائشہ چونکہ تو نے میری نورانی چادر کو اپنے سر کا ڈوپٹہ بنالیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس چادر کی نورانیت سے تیری آنکھوں میں اتنا عظیم نور پیدا ہوگیا کہ خداوندِ عالم نے تجھے عالمِ غیب میں انوار کی موسلا دھار بارش کا دیدار کرا دیا اور زیادہ اس کی تصریح و تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ؎

نیست ایں باراں ازیں ابرِ شما ۔۔۔ ہست ابرِ دیگر و دیگر سما

یعنی اے عائشہ! یہ بارش جو تجھے نظر آرہی ہے یہ برساتی بدلیوں کی بارش نہیں ہے۔ بلکہ یہ عالم غیب کی بارش ہے۔ اور اس بارش کی بدلی اور اس کا آسمان کوئی دوسرا ہی ہے۔

برادرانِ ملت! نورانیتِ مصطفٰے کے قربان! کہ سوتی کپڑے کی ایک چادر چند دنوں جسمِ انور سے وابستہ ہوگئی۔ تو اس چادر میں اتنا نور پیدا ہوگیا کہ جب یہ ام المومنین کے سر پر پہنچ گئی تو اس کی نورانیت سے ان کی آنکھیں اتنی منور ہوگئیں کہ انہوں نے عالمِ شہادت میں بیٹھ کر عالمِ غیب میں

ہونے والی بارشِ انوار کا نظارہ کرلیا۔ سبحان اللہ! کہاں ہیں علمِ غیبِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے؟ ذرا اس روایت پر غور کریں کہ جس کی چادر میں یہ اثر ہو کہ وہ ایک عورت کے سر پر پڑ جائے تو اس کو عالمِ غیب کی بارش نظر آجاتی ہے۔ تو پھر چادر والے کو اگر عالمِ غیب کا ادراک اور علم حاصل ہو جائے تو اسمیں کون سا تعجب کا مقام؟

روایتِ عُقاب

برادرانِ اسلام! جسمِ منور کی نورانیت کی گفتگو آگئی ہے۔ تو ایک روایت اور بھی سُن لیجئے۔ ایک مرتبہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے کے لیے بیٹھے۔ جونہی پاؤں دھو کر آپ نے چمڑے کا موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا کہ بالکل ناگہاں ایک پرندہ عقاب آیا۔ اور جھپٹ کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دستِ مبارک سے موزہ لے اُڑا۔ اور کچھ اوپر جاکر موزے کو اپنی چونچ سے پکڑ کر اُلٹ دیا۔ تو اس میں سے ایک سانپ گرا۔ پھر عقاب موزہ لے کر واپس آیا۔ اور رحمتِ عالم کے پاس رکھ کر اُڑ گیا۔ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے عقاب کی اس خدمت گزاری کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

گرچہ ہر غیبے خدا ما را نمود　　　دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

یعنی اے عقاب! اگرچہ خدا نے مجھے ہر غیب دکھایا ہے۔ اور کوئی غیب میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے مگر اس وقت ایک لحظہ کے لیے میرا دل خدا کے مراقبات میں اس قدر مشغول ہو گیا۔ کہ موزہ کے اندر سانپ چھپا ہوا تھا لیکن اس کی طرف میری توجہ نہیں ہوئی۔ یہ سُن کر ایما ندار

وعقیدت مند عقاب نے کیا جواب دیا؟ سنئے اور سر دھنئے کہ ایک پرند کے قلب میں ایمان کا آفتاب کس طرح جگمگا رہا ہے۔ ایک پرند کے ایمان پر ان! عقاب عرض کرتا ہے کہ ؎

گفت دور از تو کہ غفلت از تو رست	دیدنم آں غیب را از عکس تست

مار در موزہ بہ بینم در ہوا	نیست از من عکس تست اے مصطفےٰ

یعنی یا رسول اللہ! حضور روالا یہ کیا فرما رہے ہیں؟ غفلت اور بے توجہی تو حضور انور کی ذات سے بہت ہی بعید ہے اور مجھے جو یہ علم غیب حاصل ہوا کہ میں نے موزہ کے اندر چھپے ہوئے سانپ کو اتنی بلندی سے دیکھ لیا تو میری بھلا کیا مجال کہ غیب کا علم مجھے حاصل ہو جائے۔ واقعہ یہ ہوا کہ یا رسول اللہ! میں جو اڑتے ہوئے حضور انور کے جسمِ منور کے اوپر سے گزرا تو حضور انور کی نورانیت کا مجھ پر ایسا عکس پڑا کہ میری آنکھیں اس قدر پُر نور ہو گئیں کہ میری نگاہوں سے تمام حجاباتِ ظلمت دور ہو گئے۔ اور مجھے موزہ کے اندر چھپا ہوا سانپ نظر آ گیا۔ سبحان اللہ! ایک پرند پر اڑتے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ منور کا عکس پڑ جائے تو اس کی آنکھوں میں جسم نور کی تجلی سے ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کو موزہ کے اندر چھپا ہوا سانپ نظر آ جاتا ہے۔ تو پھر اس نورِ مجسم کی نورانی آنکھوں کو غیب تو کیا؟ اگر غیب الغیب نظر آ جائے تو اس میں ہرگز ہرگز کوئی تعجب کا مقام نہیں۔

خوشبودار پسینہ

برادرانِ ملت! جسم منور کے معجزات کا کہاں تک بیان کروں۔ اچھا ایک معجزہ اور بھی سُن لیجئے:۔ دیکھئے! ہر انسان کے جسم سے پسینہ نکلتا ہے مگر تمام انسانوں کے پسینے کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پسینے سے کیا نسبت؟ سب کا پسینہ بدبودار مگر رحمتِ عالم کا مقدس پسینہ مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتا تھا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے تھے کہ بی بی ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک شیشی میں جسمِ منور کا پسینہ جمع کرنے لگیں۔ رحمتِ عالم نے فرمایا کہ اُمِ سلیم یہ کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آپ کے جسمِ انور کا پسینہ ہے۔ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔ وھو اطیب الطیب، کیونکہ یہ نہایت ہی بہترین خوشبو ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۲۹) اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک نادار صحابی نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے مگر میرے پاس بہترین خوشبو کا انتظام نہیں۔ آپ میری مدد فرمائیے رحمتِ عالم نے اپنی کہنیوں کا پسینہ پونچھ کر ایک شیشی میں رکھ کر اس کو عطا فرمادیا۔ اور حکم دیا کہ تیری بیٹی اس کو بجائے عطر کے استعمال کرے۔
حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے فَکَانَتْ اِذَا تَطَیَّبَتْ یَشُمُّ اَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ رَائِحَۃَ الطِّیْبِ فَسُمُّوْا بَیْتَ الْمُطَیَّبِیْنَ (حجۃ اللہ ص ۶۸۵)
یعنی جب یہ عورت اس پسینے کو بطور عطر کے استعمال کرتی تو اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہونچ جاتی تھی چنانچہ اہل مدینہ اس گھر "بیت المطیبین"

یعنی خوشبو داروں کا گھر کہا کرتے تھے۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰحضرت قبلہ نے ؎

واللہ جو مل جائے میرے گل کا پسینہ!
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلھن پھول

برادرانِ ملت! جسمِ انور کا پسینہ تو خیر جسمِ منور سے نکلا ہوا ہے۔ اس کے معطر ہونے میں کیا تعجب ہے؟ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا تو قبرِ منور کی مٹی کے بارے میں ارشاد فرماتی ہیں ؎

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدَا اَنْ لَّا یَشُمَّ مُدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

یعنی اگر کوئی شخص ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منور کی مٹی کو سونگھ لے تو پھر عمر بھر اس کو کسی دوسری خوشبو کے سونگھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ بہرحال جسم انور کا پسینہ بھی صاحبِ اعجاز ہے۔ اور بے مثل و بے مثال ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

صبا نہ چھیڑ! ابھی سنبل و گلاب کا ذکر کہ ہم نبی کے پسینے کی بات کرتے ہیں

قلبِ مبارک کا اعجاز

حضرات! دل تو ہر انسان کے سینے میں ہے۔ مگر سرکارِ مدینہ کے سینے میں وہ عظمت والا دل ہے کہ قرآن کریم نے اس کی مدح میں ارشاد فرمایا کہ "مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی"۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔ یعنی محبوب خدا کی مقدس آنکھ نے جو کچھ بھی دیکھا حضور کے قلبِ منور نے کبھی اس کی تکذیب نہیں کی۔ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی آنکھوں کا احساس

ہمیشہ قلبِ مبارک کے ادراک کے موافق ہی رہا۔ برادرانِ ملت! ہم اپنی آنکھوں سے سیکڑوں ایسی چیزیں دیکھتے ہیں کہ ہمارا قلب اس کو جھٹلا دیتا ہے۔ کیونکہ ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا البسا اوقات غلط ہوتا ہے۔ اس لئے قلب اس کو قبول نہیں کرتا۔ دیکھئے! چلتی ہوئی ریل گاڑی پر سے ہماری آنکھوں کو ایسا نظر آتا ہے کہ درخت بھاگے جا رہے ہیں۔ مگر ہمارا قلب ہماری آنکھوں کے اس دیکھے ہوئے کو جھٹلا دیتا ہے۔ اسی طرح سورج طلوع ہوتے وقت ہماری آنکھوں کو ایسا نظر آتا ہے کہ آفتاب زمین سے بہت چھوٹا ہے۔ مگر ہمارا دل اس کو سراسر غلط سمجھتا ہے۔ کیونکہ آفتاب تو زمین سے ہزاروں گنا بڑا ہے۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ ہماری آنکھوں کے احساس اور ہمارے قلب کے ادراک میں مطابقت ضروری نہیں ہے مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک اور چشم منور دونوں کا یہ اعجاز ہے کہ آپ کی چشم منور اور قلب انور دونوں کے احساس و ادراک میں ہمیشہ مطابقت ہی ہوتی ہے یعنی آپ کی آنکھ وہی دیکھتی ہے جو آپ کے علم قلب کے مطابق ہوتا ہے اور آپ کا قلب وہی جانتا ہے جو آپ کی نظروں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ برادرانِ ملت! قلب منور کی معجزانہ عظمت کے قربان! خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

یعنی قرآن کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو وہ خوفِ الٰہی سے گڑگڑاتے ہوئے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے

ہو جاتا - مگر قلبِ شریف کا یہ بے مثل اعجاز ہے کہ یہی قرآنِ عظیم اپنی پوری عظمت و جلالت کے ساتھ اس قلبِ مبارک پر نازل ہوا لیکن قلبِ مقدس کو نہ کوئی صدمہ پہونچا نہ لغزش ہوئی بلکہ آپ کے قلبِ معظم نے سلامتی کے ساتھ اس بارِ امانت کو اُٹھالیا - اور آج روزِ روشن کی طرح قلبِ منور کا اعجاز بھی نمایاں ہے کہ آپ کی اُمت کے بچوں کے ننھے ننھے دل بھی قرآن کے بارِ امانت کو اُٹھائے ہوئے ہیں -

حضرات! نیند کی حالت میں ہر شخص کی آنکھیں محوِ خواب اور دل غافل ہو جاتا ہے - مگر قلبِ منور کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ نیند کی حالت میں بھی قلبِ مقدس ہمیشہ بیدار رہتا تھا - یہی وجہ ہے کہ نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا - چنانچہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ بغیر وتر پڑھے سو جاتے ہیں اور نیند سے اُٹھ کر بلا وضو فرمائے وتر پڑھ لیتے ہیں - یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا کہ اے عائشہ اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ " یعنی میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے - اس لئے میرا وضو شکست نہیں ہوتا -

کمالِ عقل حضرات! یہ تو سب کو معلوم ہے کہ علوم و معارف بلکہ تمام انسانی کمالات کا دار و مدار عقل پر ہے - جس کی عقل جس قدر کامل ہوگی اتنا ہی وہ صاحبِ کمال ہوگا - لہٰذا اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ عقل کے بارے میں بھی

کچھ عرض کر دوں۔ سنئے!

حضرت وہب بن مُنَبِّہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قَرَأْتُ فِیْ اَحَدٍ وَّسَبْعِیْنَ کِتَابًا فَوَجَدْتُ فِیْ جَمِیْعِهَا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ یُعْطِ جَمِیْعَ النَّاسِ مِنْ بَدْءِ الدُّنْیَا اِلَی انْقِضَائِهَا مِنَ الْعَقْلِ فِیْ جَنْبِ عَقْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا کَحَبَّةِ رَمْلٍ مِّنْ بَیْنِ رِمَالِ الدُّنْیَا. (شفا ص۴۲) یعنی میں نے اکہتر کتابوں کو پڑھا تو سب میں مجھے یہی مضمون ملا کہ شروع دنیا سے قیامت تک اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو جو عقلیں عطا فرمائی ہیں اگر ان سب لوگوں کی عقلوں کے مجموعہ کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل سے موازنہ کیا جائے تو تمام انسانوں کی عقلوں کے مجموعہ کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی عقل سے وہی نسبت ہوگی جو ریت کے ایک ذرہ کو تمام دنیا کے ریگستانوں کے مقابلہ میں ہے اللہ اکبر! حاضرین محترم! غور کیجئے! کہ دنیا کی ابتداء سے قیامت تک کیسے کیسے باکمال صاحبانِ عقل پیدا ہوئے اور پیدا ہوں گے۔ مگر ان تمام عقلاء کی عقلیں رحمتِ عالم کی کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے ریگستان دنیا کے مقابلہ میں ایک ذرہ۔

اب آپ بتائیے! کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کا کمال اتنا بلند و بالا اور عظمت والا ہے تو پھر آپ کے علوم و معارف کے کمالات کی عظمت کا کیا عالم ہوگا۔؟

علوم و معارف برادرانِ ملت! میرے ناقص علم کی کیا تاب و طاقت ہے۔ کہ میں مرکز نبوت کے علوم و معارف کے بحرِ ناپیدا کنار

کا کچھ اظہار کر سکوں ۔ لیکن پھر بھی حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں ۔ جس سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و معارف کا ایک خاکہ آپ کی نظروں کے سامنے آجائے گا ۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ وَبِحَسْبِ عَقْلِهٖ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَتْ مَعَارِفُهٗ اِلٰی سَائِرِ مَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَطْلَعَهٗ عَلَیْهِ مِنْ عِلْمِ مَا یَکُوْنُ وَمَا کَانَ وَعَجَائِبِ قُدْرَتِهٖ وَعَظِیْمِ مَلَکُوْتِهٖ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ۝ حَارَتِ الْعُقُوْلُ فِیْ تَقْدِیْرِ فَضْلِهٖ عَلَیْهِ وَخَرَسَتِ الْاَلْسُنُ دُوْنَ وَصْفٍ یُحِیْطُ بِذٰلِكَ اَوْ یَنْتَهِیْ اِلَیْهِ یعنی آپ کی عقل ہی کے مطابق آپ کے وہ علوم ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا اور سکھایا ۔ یعنی ابتدائے عالم سے اب تک جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہوگا ۔ قدرت خداوندی کے عجائبات اور عالم ملکوت کی بڑی بڑی نشانیاں سب کا علم خداوند عالم نے آپ کو عطا فرما دیا ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ سب کچھ خدا نے آپ کو سکھا دیا ۔ اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل ہے ۔ تمام دنیا کی عقلیں آپ کے فضل و کمال کا اندازہ کرنے سے حیران ہیں ۔ اور آپ کے پورے کمالات کو بیان کرنے سے تمام جہاں کی زبانیں گونگی ہیں ۔ (شفا ص۹۶)

برادرانِ ملت ! میں شروع ہی سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ تمام انبیاء و مرسلین کو ربُّ العالمین جل جلالہٗ نے اس طرح دنیا میں بھیجا کہ ہر نبی و رسول

کو نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر ان کی ذات سے الگ چند معجزات عطا فرمائے۔ مگر نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مبعوث فرمایا۔ تو خداوند عالم نے آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل خود آپ کی ذات ہی بنا دیا اور فرما دیا کہ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ، یعنی یہ وہ نبی ہیں کہ ان کی نبوت کے لئے خود ان کی ذات ہی سراپا دلیل و برہان ہے۔ اور ان کا وجود باوجود ہی معجزات کا ایک جہان ہے چنانچہ میں نے آپ کے چند اعضائے مبارکہ کے چند معجزات کا نمونہ ابھی ابھی آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ پڑھئے درود شریف اللّٰھم صل وسلم وبارک علیہ وعلیٰ آلہٖ اجمعین

گرامی حضرات! حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ذاتِ گرامی سے جتنے معجزات صادر ہوئے ہیں تو کس گنتی میں ہوں بڑے بڑے اہل علم کے لئے ان معجزات کا شمار دشوار ہے۔ یاد رکھئے تمام انبیاء سابقین کو جتنے معجزات عطا کئے گئے تھے وہ سب نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں جمع ہیں اور ان کے علاوہ بھی ایسے ان گنت بڑے بڑے معجزات سے خداوند عالم نے اپنے حبیب کو نوازا ہے جو کسی نبی و رسول کو نہیں عطا کئے گئے اور کمال تو یہ ہے کہ انبیائے سابقین کے معجزات بھی جب حضور رحمۃٌ للعالمین کو عطا ہوئے تو ان کی عظمت و جلالت میں ایک انوکھی شان اور نرالی آن بان پیدا ہو گئی۔ چنانچہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ آپ نے پتھر پر لاٹھی مار کر چشمہ جاری فرما دیا تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے

نے اپنی انگلیوں سے بارہا پانی کا چشمہ جاری فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ پتھر سے لاٹھی مار کر چشمہ جاری کر دینا اگرچہ ایک عجیب معجزہ ہے مگر انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری کر دینا یہ اس سے کہیں بڑھ کر عجیب تر ہے۔

چہرہ روشن ہو گیا

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یدِ بیضاء بھی تھا۔ کہ آپ گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے تو آپ کا ہاتھ چمکنے لگتا تھا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی معجزہ کا ظہور اس طرح ہوا کہ آپ نے حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کے چہرہ اور سینہ پر اپنا دستِ انور پھیر دیا تو ان کا چہرہ اتنا روشن و تابناک ہو گیا۔ کہ اگر وہ کسی اندھیرے گھر میں داخل ہو جاتے تو گھر میں اُجالا ہو جاتا تھا (حجۃ اللہ ص ۶۳۸)

برادرانِ ملت! غور کیجئے! کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یدِ بیضاء کی یہ شان تھی کہ خود آپ کا ہاتھ چمک اُٹھتا تھا مگر رحمتِ عالم کے یدِ بیضاء کی نرالی شان کا یہ عالم ہے کہ جس چیز پر دستِ انور پہونچ جاتا وہ یدِ بیضاء کی طرح چمکنے لگتی۔ سبحان اللہ! کہاں اعجازِ موسوی اور کہاں اعجازِ محمدی؟

سورج ٹھہر گیا

حضرات! حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ سورج آپ کے لئے ٹھہر گیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام جمعہ کے دن جہاد میں مصروف تھے۔ چونکہ توریت کی شریعت میں سنیچر کے دن عبادت کے سوا کوئی دوسرا کام حرام تھا۔ اس لئے آپ کو خیال آگیا کہ اگر آج جمعہ کو فتح حاصل نہ ہوئی تو کل

سنیچر کو ہم جنگ نہ کرسکیں گے چنانچہ آپ نے دعا فرمائی کہ خداوندا!
آج دو گھڑی دن بڑا ہو جائے۔ آپ کی دعا مقبول ہو گئی۔ سورج ٹھہر گیا
اور دو گھڑی دن ٹھہر گیا اور جمعہ کے دن ہی آپ کو فتح نصیب ہو گئی۔
حضراتِ گرامی! حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے سورج ٹھہر گیا۔ بلاشبہ
یہ آپ کا ایک بہت بڑا معجزہ تھا مگر رحمتِ عالم کے اعجاز کی یہ نرالی شان
ہے کہ آپ کے اشارے سے ایک بار سورج ٹھہر گیا اور ایک مرتبہ ڈوبا
ہوا سورج پلٹ آیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ شبِ معراج کی صبح کو کفار نے
جب معراج کا انکار کیا اور امتحان کے لئے آپ سے دریافت کیا کہ بتائیے
ہمارا تجارتی قافلہ جو ملک شام سے آرہا ہے وہ کس دن مکہ پہونچے گا
تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ بدھ کے دن وہ قافلہ مکہ آجائیگا
چنانچہ قریش بدھ کے دن قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ شام ہو گئی اور
قریب تھا کہ سورج ڈوب جائے مگر قافلہ نہیں آیا۔ اس موقعہ پر
حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے دعا فرمائی۔ فَزِیْدَ لَہٗ فِی النَّہَارِ
وَحُبِسَتِ الشَّمْسُ. (شرح شفا ملا علی قاری ج ۱ ص ۵۹۰) تو آپ کے لئے
سورج روک کر دن بڑھا دیا گیا۔ یہاں تک کہ بدھ ہی کے دن قافلہ
آگیا۔ اور سورج پلٹ آنے کی روایت تو آپ نے بارہا سُنی ہوگی۔
جس کو کسی شاعر نے نظم میں بیان کیا ہے۔ ؎

خیبر میں ایک روز رسالت مآب تھے ظلمت کدہ میں رنگ وہ آفتاب تھے
زانوئے شیرِ حق پہ وہ مصروفِ خواب تھے بے مثل تھے حضور تو یہ انتخاب تھے

تھا اوج پر ستارہ مگر تو تراب کا
زانو بنا تھا تکیہ رسالت مآب کا

بیدار خواب سے ہوئے محبوب کبریا
دیکھا کہ آفتاب ہے مغرب میں جا چھپا

کی عرض شیر حق نے کہ اے شاہِ دوسرا
وسطیٰ صلاۃ عصر مری ہو گئی قضا

ارض و سما ہیں زیر نگیں کیا آفتاب
مرضی جوان کی دیکھی تو لوٹ آیا آفتاب

خیبر کی چوٹیوں پہ جو دھوپ آگئی نظر
مشکل کشا نے بہر فریضہ جھکایا سر

نار گلزار ہو گئی برادرانِ ملت! اور سنئے! حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر نمرود کی آگ گلزار ہو گئی تھی۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جس دسترخوان میں ہاتھ منھ صاف کیا تھا وہ بار بار آگ کے تنور میں ڈالا جاتا تھا مگر جلنے کی بجائے وہ صاف ستھرا ہو جاتا تھا۔ اللہ اکبر! اگر خدا کے خلیل کے جسم کے لیے ایک بار آگ گلزار ہوئی تو حبیبِ رب جلیل کے رومال کے لیے بار بار آگ گلزار بنی۔

برکتِ طعام حضرات! قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل ہوا تھا۔ جس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں۔ مگر اتنی تھوڑی سی روٹیوں، مچھلیوں کو کئی سو آدمی کھا کر آسودہ ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بہت بڑا معجزہ تھا مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بارہا زمین کے دسترخوان پر تھوڑے سے کھانے سے سیکڑوں بلکہ

ہزاروں بھوکوں کو شکم سیر فرما دیا۔ اس قسم کے سیکڑوں معجزات میں سے صرف دو معجزے عرض کرتا ہوں۔ جنگ خندق کے موقع پر جب انصار و مہاجرین خندق کھودنے میں مصروف تھے صحابہ نے بھوک کی شکایت کی اور کرتا اُٹھا کر دکھایا کہ شکم بر فاقہ سے ایک ایک پتھر بندھے ہوئے ہیں رحمتِ عالم نے صحابہ کی تسلی کے لئے اپنا پیراہن شریف اُٹھایا تو لوگوں نے دیکھا کہ شکمِ مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دل پر اس منظر سے بڑی چوٹ لگی۔ گھر آئے اور بیوی سے پوچھا کہ کیا کچھ کھانے کا سامان گھر میں موجود ہے؟ تلاش کرنے پر گھر میں ایک صاع جَو کا آٹا نکلا۔ حضرت جابرؓ نے ایک بکری ذبح کی اور گوشت دیگچی میں رکھکر چولھے پر چڑھا دیا اور ان کی بیوی آٹا گوندھنے لگیں۔ حضرت جابر نے دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر چپکے سے کان میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایک صاع جَو کا آٹا اور ایک بکری کا گوشت ہے۔ چند صحابہ کے ہمراہ حضور والا تشریف لے چلیں اور تناول فرمالیں۔

رحمتِ عالم نے اعلان فرمادیا کہ اے خندق کھودنے والو! چلو! آج جابر کے گھر دعوتِ عام ہے۔ اور حضرت جابر کو حکم دیا کہ میں جب تک نہ آجاؤں نہ دیگچی چولھے سے اُتاری جائے۔ نہ روٹی پکائی جائے۔ حضرت جابرؓ گھبرائے ہوئے مکان پر آئے اور کہنے لگے کہ بیوی! غضب ہوگیا۔ ہمارے پاس اتنا مختصر کھانا ہے اور رحمتِ عالم سیکڑوں صحابہ کو ساتھ لیکر کھانے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ اب کیا ہوگا؟ ———— پیکرِ ایمان بیوی نے

کہا کہ گھبراؤ نہیں؟ اس رمز کو اللہ و رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں رحمتِ عالم جماعتِ صحابہ کے ساتھ رونق افروز ہو گئے۔ اور آٹے اور دیگچی میں اپنا لعابِ دہن ڈال کر دعا فرما دی۔ پھر کیا ہوا؟ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ایک ہزار کا لشکر کھا کر شکم سیر ہو گیا۔ مگر دیگچی بدستور چولھے پر جوش مارتی رہی اور روٹیاں پکتی رہیں نہ گوشت میں کمی ہوئی نہ آٹے میں (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۲۸)

بابرکت کھجوریں

اسی طرح ایک غزوہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ! کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کا سامان بھی ہے؟ ابوہریرہ اپنا توشہ دان لائے۔ اور رحمتِ عالم کے سامنے دسترخوان پر توشہ دان اُلٹ دیا تو اس میں سے اکیس کھجوریں نکلیں رحمتِ عالم نے ان کھجوروں پر اللہ کا نام پڑھ دیا اور سب کو حکم فرمایا کہ دس دس آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کھائیں۔ چنانچہ پورا لشکر بھر پیٹ کھا کر آسودہ ہو گیا پھر بھی کچھ کھجوریں باقی رہ گئیں تو ان کھجوروں کو حضرت ابوہریرہ نے اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ سرکار دو جہاں نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ تم اس تھیلے میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتے اور کھلاتے رہو۔ مگر خبردار! اس تھیلے کو کبھی اُلٹ کر جھاڑنا مت۔ چنانچہ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت تک یعنی تقریباً پچیس ۲۵ برس تک اس تھیلے میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتا اور کھلاتا رہا۔ اور تقریباً تین ہزار صاع کھجوریں

میں نے اس تھیلے میں سے نکال کر خیرات بھی کیں مگر کھجوریں ختم نہیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ حضرت امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ہنگامے میں میری یہ تھیلی گم ہوگئی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کو تمام عمر اس کا رنج و غم رہا۔ اور وہ نہایت دردناک لہجے میں یہ شعر پڑھتے تھے کہ

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِی فِی الْیَوْمِ هَمَّانِ
فَقْدُ جُرَابٍ وَقَتْلُ الشَّیْخِ عُثْمَانَ

یعنی سب کو تو آج ایک ہی غم ہے مگر مجھے دو غم ہے۔ ایک تھیلی کے گم ہو جانے کا اور دوسرا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا۔

(خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۹۵ وغیرہ)

شیر خوار بچے کی گواہی: حضرات! تقریر طویل ہوگئی۔ مگر کیا کروں! بات پر بات یاد آتی جارہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک مشہور معجزہ ہے کہ جب زلیخا نے آپ پر بدنیتی کی تہمت لگائی۔ اور عزیز مصر نے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں پاک دامن اور بے گناہ ہوں: تنے میں زلیخا کے چچا کا چار ماہ کا بچہ جو اسی مکان کے اندر پالنے میں لیٹا ہوا تھا۔ آپ کی پاک دامنی کی شہادت دی چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ یعنی عورت کے گھر

والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچّی ہے۔ اور حضرت یوسف نے غلط کہا۔ اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے چاک ہوا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ۝ یعنی جب عزیز مصر نے آپ کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا۔ تو بولا کہ (اے زلیخا) یہ تم عورتوں کا چرتر ہے۔ بیشک تم عورتوں کا چرتر بہت بڑی چیز ہے۔ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ سکتہ وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ ۝ اے یوسف! تم اس کا خیال نہ کرو۔ اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بیشک تو خطاواروں میں سے ہے

(سورۂ یوسف)

حضرات! دیکھئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ چار ماہ کے بچّے نے جو اس مکان میں موجود تھا۔ اس نے آنکھ سے دیکھ کر آپ کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی معجزہ اس شان سے عطا کیا گیا کہ جن شیر خوار بچوں نے کبھی آپ کا دیدار بھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ چنانچہ امام بیہقی، وحاکم وخطیب وغیرہ محدثین راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ کے ایک مکان میں تشریف فرما تھے کہ اہل یمامہ کا ایک بچہ جو اسی دن میں پیدا ہوا تھا۔ ایک کپڑے

میں لپیٹ کر رحمتِ عالمؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اس بچے سے دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں؟ قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ط تو اُس بچے نے نہایت فصاحت کے ساتھ بہ آواز بلند کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حضرات! اور سنئے۔ مولانا رومی نے مثنوی شریف میں بھی ایک روایت نقل فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ ایک کافرہ عورت اپنے دو ماہ کے بچے کو اپنی چادر میں چھپا کر امتحانِ نبوت کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی پھر کیا ہوا؟ سنئے مولانا فرماتے ہیں کہ ؎

گفت کودک سَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْكَ　　یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ جِئْنَا اِلَیْكَ

یعنی اس بچے نے چادر کے اندر ہی سے بہ آواز بلند عرض کیا کہ:۔
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! سرکار ہم حاضر دربار ہو گئے ہیں!

مادرش از خشم گفتا ہی خموش　　کیت افگند ایں شہادت را بگوش

بچے کی ماں نے غصہ میں بھر کر کہا کہ خبردار چپ! ارے کس نے یہ کلمۂ شہادت تیرے کان میں ڈال دیا؟

گفت حق آموخت وانگہ جبرئیل　　در میاں با جبرئیلم من رسیل

بچہ کہنے لگا کہ اے ماں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کلمۂ شہادت سکھایا ہے۔ اور اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے اور خدا کے درمیان قاصد بن کر مجھ سے یہ کلمۂ حق کہلائے ہیں!

پس رسولش گفت اے طفلِ رضیع　　چیست نامت بازگو، وشو مطیع

پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے شیر خوار بچے! تیرا نام کیا ہے؟ یہ بتا اور تو اللہ و رسول کا فرماں بردار بن جا۔

گفت نامم پیش حق عبد العزیز عبد عزیٰ پیش ایں اک مشت حنیز

بچے نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! خدا کے نزدیک تو میرا نام عبد العزیز ہے مگر میری اس کمینی ماں نے میرا نام "عبد العزیٰ" رکھ دیا ہے۔

من ز عزیٰ پاک و بیزار و بری حقِ آنکہ دادت ایں پیغمبری

یا رسول اللہ! میں عزیٰ بُت سے پاک و بیزار و بری ہوں۔ میں اس خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں جس نے آپ کو پیغمبری عطا فرمائی ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معجزہ اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ میں کتنا عظیم فرق ہے بیشک اعجاز یوسفی ایک اعجاز عظیم ہے۔ مگر اعجاز محمدی یقیناً اس سے اعظم ہے۔ بہرحال برادرانِ ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ معجزات تو تمام انبیاء سابقین کو عطا کیے گئے مگر ہر نبی کے معجزات ان کی ذات سے الگ چند عجیب و محیر العقول چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت کے ثبوت کے لیے خداوند عالم نے آپ کی ذات ہی کو سراپا معجزات بنا کر بھیجا اور فرمادیا کہ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک برہان یعنی واضح دلیل آگئی۔ محمد رسول اللہ کی رسالت کے ثبوت کے لئے خود محمد رسول اللہ کی ذات ہی برہان و دلیل اور معجزہ ہے

اور برادرانِ ملت! یہی وجہ ہے کہ جن حق پسند نگاہوں نے ایک مرتبہ بھی جمالِ محمدی کا نظارہ کر لیا تو انھیں آپ کی صداقت و رسالت کے پہچاننے کے لئے کسی دلیل و معجزہ کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے زندگی میں پہلی بار حضور اقدس کا دیدار کیا فَتَبَیَّنْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَیْسَ بِوَجْهِ کَذَّابٍ تو میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ اور مان لیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔

مگر ہاں وہ جاہل و گنوار جو نبوت کے قدرداں ہی نہ تھے یا وہ بدبخت و بدباطن جنھوں نے بغض و عناد کی سیاہ عینک لگا کر جمالِ محمدی کو دیکھا۔ تو انہیں جمالِ محمدی کا کوئی جلوہ نہ پہلے نظر آیا۔ نہ اب قیامت تک نظر آسکتا ہے!

بھائیو! کسی چیز کے بھی ناقدرشناس بُری بلا ہوتے ہیں۔ ناقدروں سے خدا بچائے آپ نے لکھنؤ کے ایک عطر فروش کا قصہ سنا ہوگا؟

لطیفہ سنا ہے کہ لکھنؤ کے ایک نازک مزاج عطر فروش کہیں قسمت سے بنگال پہنچ گئے۔ ایک مالدار بنگالی کے گھر پہنچے اور بکس میں سے عطر کی شیشی نکال کر بنگالی مانس کے ہاتھ پر لگا دیا۔ سڑی مچھلی کی بدبو پر خوش ہونے والا آدمی بھلا عطر کی قدر کیا جانے؟ ہاتھ پر لگے ہوئے عطر کو بنگالی چاٹنے لگا۔ اور منہ بگاڑ کر بولا۔ کہ شاحب! تمہا۔ غنہ ہم نہیں مانگتا ہے یہ تو بہت کڑوا ہے۔ لکھنوی عطر فروش

نے سر پیٹ لیا۔ کہ افسوس میں نے اس گنوار کے سامنے عطر پیش کر دیا جو عطر کی قدر ہی نہیں جانتا۔ غصّے میں بھرے ہوئے لکھنوی صاحب بولے کہ واللہ باخدا کہتا ہوں کہ اب کسی بنگالی کو عطر نہیں دکھاؤں گا۔ مگر آگے بڑھے تو ایک دوسرے سیٹھ صاحب نے روک لیا اور کہا کہ مجھے اپنا عطر دکھائیے۔ لکھنوی صاحب نے فرمایا کہ صاحب! میں کیا آپ لوگوں کو عطر دکھاؤں؟ ابھی ابھی تو ایک صاحب کے سامنے میں نے عطر پیش کیا تو وہ چاٹ گئے۔ اور کہنے لگے کہ یہ تو کڑوا ہے۔ سیٹھ صاحب نے فرمایا کہ بابو صاحب! وہ تو بہت بڑا گنوار تھا! افسوس! بھات سے کھانے کا چیز تھا۔ اور وہ رُوکھا ہی چاٹ گیا۔ یہ سن کر لکھنوی صاحب کے آنسو نکل پڑے اور بنگال سے جو سر پر پیر رکھ کر بھاگے تو لکھنؤ میں آکر ہی دم لیا۔ جی! دیکھا آپ نے ایسے ہوتے ہیں ناقدردان۔

اور بھائیو! بغض و عناد والوں کا تو کیا پوچھتے ہو؟ ان لوگوں کو تو کبھی قیامت تک حق نظر ہی نہیں آسکتا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است :: گل است سعدی و در نظرِ دشمناں خار است

یعنی کسی کے ہنر کو اگر عداوت کی نظر سے دیکھا جائے گا تو وہ بہت ہی بڑا عیب نظر آئے گا۔ دیکھ لو! سعدی پھول ہے مگر دشمنوں کی نظر میں کانٹا ہے۔

حضرات! مجھے اس وقت حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک حکایت یاد آگئی یہ بھی سُن لیجئے۔

عبرت آموز حکایت ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کا کچھ حال بیان فرمائیے؟ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ان کا کیا حال بیان کروں؟ ان کی تو یہ شان تھی کہ اگر انھیں کوئی کافر بھی دیکھ لیتا۔ تو دولتِ ایمان سے مالا مال ہو جاتا۔ سلطان نے عرض کیا۔ کہ حضور والا کیونکر ہو سکتا ہے؟ ابو جہل نے ہزاروں بار جمالِ محمدی کا نظارہ کیا۔ مگر اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی تو حضرت بایزید بسطامی کے صرف دیدار سے کس طرح کسی کافر کو ہدایت مل جاتی؟ یہ سُن کر حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی نے نہایت پر جلال لہجے میں فرمایا۔ کہ اے محمود! ابوجہل نے ایک بار بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ بلکہ اُس نے صرف محمد بن عبداللہ کو دیکھا۔ اگر ایک بار بھی وہ محمد رسول اللہ کو دیکھ لیتا۔ تو اس کی بدبختی کا پیرہن تار تار ہو جاتا اور وہ ایک لمحہ میں سعادت دارین کا تاجدار ہو جاتا۔ اسی لئے حضرت حق جل مجدہٗ نے فرمایا کہ تَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ یعنی اے محبوب! یہ کفار آپ کی طرف صرف نظر ڈالتے ہیں۔ یہ لوگ نگاہِ بصیرت سے آپ کو نہیں دیکھتے تو میرا مطلب یہی ہے کہ جو شخص حضرت بایزید بسطامی رح کو نگاہِ بصیرت سے دیکھ لیتا تو وہ ضرور جہانِ ہدایت کا سلطان بن جاتا۔ (روح البیان صـ۱۸۱)

بہرکیف برادران ملت! میں اس آیۂ کریمہ کی مختصر تفسیر عرض کر چکا

کہ اس آیت میں بُرہان سے مراد حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور نورِ مُبین سے مراد قرآنِ کریم ہے۔ اور قرآن نورِ مبین کس طرح ہے اس کا مفصل بیان حصہ اول میں "قرآن مبین" کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

خداوند کریم ہم سب کو اس بُرہانِ عظیم و قرآن کریم کے طفیل میں استقامت و خاتمہ بالخیر کی سعادت نصیب فرمائے (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ ؕ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ؕ

۱۷۵
چوتھا واعظ
معرکۂ حق و باطل
آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۷۸۶

الحمد للہ الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ط وکفی باللہ شھیدا ہ والصلوٰۃ والسلام علیہ وعلی آلہ واصحابہ وعلی من کان بنصرتہ عمیدا ورشیدا ہ من اطاعہ بالحق نقد عاش حمیدا ومات سعیدا ہ ومن عصاہ فقد خاب وخسر وضلّ ضلالاً بعیداً ہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ہ (الصف)

برادرانِ اسلام! سب سے پہلے دربار رسالت میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کیجئے اور میرے ساتھ بہ آواز بلند پڑھئے!

صَلِّ عَلٰی نبیّنا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ   صَلِّ عَلٰی رسُوْلِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ   صَلِّ عَلٰی شَفِیْعِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

حضرات! یہ تجربہ ہے کہ لوگ جنگ اور لڑائی کی خبروں سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ آج میں آپ کو ایک بہت ہی عجیب جنگ اور نہایت ہی خوفناک لڑائی کا ذکر سناؤں۔

بزرگو اور دوستو! اس دنیا میں جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ ہر لڑائی کبھی نہ کبھی ضرور ختم ہو جاتی ہے۔ جنگ خواہ کتنی ہی طویل اور بڑی سے بڑی کیوں نہ ہو۔ مگر ایک نہ ایک دن اس کا خاتمہ ضروری ہے۔ لیکن

میں آج آپ کو ایک ایسی جنگ کے واقعات سناؤں گا کہ یہ جنگ جب سے شروع ہوئی کبھی ختم نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک ختم ہو سکتی ہے۔ یہ جنگ ہمیشہ ہر دور اور ہر زمانے میں ہوتی رہی اور قیامت تک اس جنگ کا سلسلہ جاری رہے گا۔ نہ اس جنگ میں کبھی صلح ہو سکتی ہے نہ اس کا خاتمہ ہو سکتا ہے یہ اور بات ہے کہ اس جنگ کی فوج اور کمانڈر بدلتے رہے۔ میدانِ جنگ بدلتا رہا۔ طریق جنگ میں تبدیلی ہوتی رہی۔ فوجوں کے نام ان کی وردیاں، ان کے ہتھیار اور جھنڈوں کے رنگ ادل بدل ہوتے رہے مگر جنگ برابر جاری رہی اور قیامت تک برابر جاری رہے گی۔

حضرات! اب آپ حیران ہوں گے کہ ایسی بھلا کون سی جنگ ہو گی؟ کہ یہ جب سے شروع ہوئی آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی اور اس جنگ میں نہ کبھی صلح ہو گی۔ نہ کبھی اس جنگ کا خاتمہ ہی ہو گا۔

تو سنئے! یہ جنگ ہے نور و ظلمت کی جنگ، حق و باطل کی جنگ، ایمان و کفر کی جنگ، جس طرح دن اور رات کبھی اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ آگ و پانی میں کبھی میل ملاپ نہیں ہو سکتا، اندھیرے اور اُجالے میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔ ٹھیک اسی طرح حق و باطل، ایمان و کفر میں بھی نہ کبھی صلح ہو سکتی ہے اور نہ اس جنگ کا کبھی خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ جس دن سے یہ جنگ شروع ہوئی ہے آج تک برابر جاری ہے۔ اور میں نے عرض کیا کہ قیامت تک کسی نہ کسی عنوان سے، کسی نہ کسی میدان میں یہ لڑائی ہوتی ہی رہے گی۔ مگر ہاں یاد رکھئے کہ اس حق و باطل کی جنگ میں ہمیشہ ہر محاذ پر حق کی فتح مبین، اور باطل کی شکست مبین ہوتی رہیگی

اور جب بھی حق و باطل کا معرکہ کسی میدان میں بھی گرم ہوگا تو آسمان سے حق کی فتح مبین یہ اعلان کرتی ہوئی اُتر پڑے گی کہ ﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ یعنی اعلان کردو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔ مگر اس کے باوجود پھر بھی حق و باطل کی جنگ ختم نہیں ہوگی بلکہ کسی نہ کسی عنوان سے اور کسی نہ کسی میدان میں پھر یہ جنگ شروع ہو جائے گی۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمہ اس جنگ کا تسلسل اور اس حق و باطل کے معرکوں میں مختلف فوجوں اور کمانڈروں اور جھنڈوں کی تبدیلی کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ؎

دو علم افراخت اسپید و سیاہ　　آں یکے آدم دگر ابلیس راہ

درمیانِ آں دو لشکر گاہ زفت　　چالش و پیکار انچہ رفت، رفت

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے عالمِ وجود میں آتے ہی حق و باطل کی یہ جنگ شروع ہوگئی اور اس نور و ظلمت کی جنگ میں دو کمانڈر بھی بن گئے۔ اور دو جھنڈے بھی لہرانے لگے۔ چنانچہ افواجِ حق کے سپہ سالار حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور ان کے دستِ مبارک میں نورانی سفید جھنڈا تھا اور باطل کی فوجوں کا کمانڈر ابلیس بنا۔ اور ظلمانی کالا جھنڈا ہاتھ میں لیکر اعلانِ جنگ کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس

چنانچہ آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ خداوند قدوس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں

چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ خالقِ کائنات جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ تم سب کے سب آدم علیہ السلام کے آگے سربسجود ہو جاؤ تو سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا۔ اور تکبر سے اکڑ گیا اور اس فرمانِ ربّانی کا انکار کر کے کافر ہو گیا۔ اور اس حد تک اپنی خباثت کا اظہار کیا کہ حضرت حق جلّ مجدہٗ کی جناب میں انتہائی گستاخی و بے ادبی کے ساتھ اعتراض کر بیٹھا کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ یعنی اے خدا! تو نے مجھ کو آگ سے پیدا فرمایا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ بھلا آگ کبھی مٹی کے آگے سربسجود ہو سکتی ہے؟ اس لئے میں حضرت آدم علیہ السلام کو ہرگز کبھی بھی سجدہ نہیں کر سکتا!

حضرات! بس یہیں سے حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس میں جنگ ٹھن گئی۔ اور نور و ظلمت کی جنگ اور حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ شروع ہو گیا۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس میں کبھی صلح نہیں ہوئی۔ بلکہ ہمیشہ یہ جنگ جاری رہی۔ یہاں تک کہ حق کی فتح مبین ہوئی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام ہر محاذ پر مظفر و منصور ہو کر معظم و مکرم ہو گئے۔ اور باطل شکستِ فاش کی ذلت و رسوائی سے روسیاہ ہو کر مردود و مقہور ہوا۔ اور ابلیس جنّت سے ابدی لعنت اور پھٹکار میں گرفتار ہو کر نکال دیا گیا۔ اس طرح حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔ دنیا یہ سمجھتی رہی کہ شاید حضرت

آدم علیہ السلام اور ابلیس کی یہ جنگ، اور حق و باطل کا یہ معرکہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ مگر نہیں۔ یہ جنگ ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ یہی جنگ پھر دوسرے میدان میں شروع ہو گئی۔ فوجوں کے کمانڈر بدلے ہوئے تھے طریقۂ جنگ بھی بدلا ہوا تھا مگر جنگ وہی حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی تھی۔ اور معرکہ وہی حق و باطل کا معرکہ تھا۔ چنانچہ دنیا نے کیا دیکھا؟ حضرت عارف رومی رحمۃ فرماتے ہیں کہ ؎

ہمچناں ایں دو علم از عدل و جور ۔۔۔ تا بہ نمرود آمد اندر دور دور
ضدِ ابراہیم گشت و خصمِ او ۔۔۔ واں دو لشکر کیں گزار و جنگ جو

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود

یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی لڑائی کے دونوں جھنڈے یعنی ایک عدل کا جھنڈا اور دوسرا ظلم کا جھنڈا۔ یہ دونوں جھنڈے سلسلہ بسلسلہ منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دور ایسا آیا کہ ایک جانب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام حقانی لشکر کے سپہ سالار بن کر نورانی پرچم کے نیچے کھڑے ہیں۔ اور ایک طرف نمرود شیطانی فوجوں کا کمانڈر بنا ہوا ظلمانی پرچم تلے کھڑا ہے اور ان دونوں میں نور و ظلمت، اور حق و باطل کی جنگ ٹھنی ہوئی ہے۔ دیکھ لیجئے فوجوں کے کمانڈر بدل گئے میدانِ جنگ بدل گیا۔ مگر لڑائی وہی نور و ظلمت کی ہے۔ معرکہ وہی حق و باطل کا ہے۔ جنگ وہی کفر و ایمان کی ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان ہوئی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ہزاروں برس گزرنے

کے بعد بھی یہ لڑائی ختم نہیں ہو رہی ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ خدا کے مقدس پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کا کیا قصور تھا؟ خدا کے خلیل نے اپنی قوم کو دیکھا کہ وہ شرک کی لعنت میں گرفتار ہے۔ پوری قوم ستاروں کی عبادت کر رہی ہے اور نمرود کی باطل خدائی کے آگے ان کی پیشانیاں سجدہ ریز ہیں۔ حضرت خلیل اللہ اپنی قوم کی اس مشرکانہ زندگی پر تڑپ اُٹھے۔ اور انسان کی مقدس پیشانی کو نمرود کے آگے زمیں بوس دیکھکر آپ کے پیغمبرانہ عزم کو جلال آگیا۔ اور یہ دیکھ کر کہ انسان کی وہ عظمت والی پیشانی جو صرف اس لیے ہے کہ خالقِ کائنات کے حضور سر بسجود ہو کر سر بلندی کی معراج سے سرفراز ہو۔ وہ ایک ذلیل انسان کے آگے سجدہ کر رہی ہے۔ اور انسانی شرف اس بے دردی کے ساتھ ذلت کی تلوار سے ذبح کیا جارہا ہے۔ آپ کی رگوں میں پیغمبری خون جوش مارنے لگا۔ اور آپ ایک اولوالعزم پیغمبر کی حیثیت سے پرچم توحید کی سربلندی اور شرک کو مٹانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اور اپنی قوم کی ہدایت کے لئے انتہائی سنجیدہ اور سلجھی ہوئی ایمان افروز تقریر فرمائی جس کو قرآن مجید کی حکیمانہ و معجزانہ زبان سے سنئے ارشاد ربانی ہے کہ:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج یعنی جب اُن پر رات کا اندھیرا آیا تو ایک تارا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اسے میرا رب ٹھیراتے ہو؟

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ پھر جب وہ تارا ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں ڈوبنے والوں کو خدا مان کر محبت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں

کیونکہ غروب ہو جانے والی چیزیں بھلا کس طرح خدا ہو سکتی ہیں؟ اس کے بعد کیا ہوا سنئے! فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ج پھر جب چاند چمکتا دیکھا تو فرمایا کہ اس کو تم لوگ میرا رب بتاتے ہو؟ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ؕ پھر جب وہ ڈوب گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا۔ تو میں بھی انھیں گمراہوں میں ہوتا۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اسے میرا رب کہتے ہو؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے۔ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ؕ لیکن جب یہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم! میں تمہاری ان مشرکانہ حرکتوں سے بیزار ہوں۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ؕ (انعام) بیشک میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے۔ اور میں بس اسی ایک کا ہوں۔ اور میں مشرکوں میں نہیں۔ سبحان اللہ! فرمانِ خداوندی بھی یہی ہے کہ: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ؕ (انعام) یعنی میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت صرف اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ اور مجھے خدا کی طرف سے یہی حکم دیا گیا ہے۔ اور میں مسلمان ہوں۔

برادرانِ اسلام! آپ نے دیکھا؟ حضرت خلیل اللہ کی پیغمبرانہ تقریر کیسی ایمان افروز، کتنی حق نما، اور کس قدر حقائق سے لبریز ہے۔ مگر نمرود اپنی جھوٹی خدائی کے بت کو پاش پاش ہوتے دیکھ کر بلبلا اٹھا۔ اس بدنصیب نے خدا کے مقدس خلیل کو گرفتار کر کے اپنے دربار میں بلایا اور کمالِ بے حیائی سے پوچھا کہ اے ابراہیم تمہارا رب کون ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ یعنی میں اس رب کی خدائی کا پرستار ہوں جو زندگی اور موت بخشتا ہے۔ نمرود نے اپنی متکبرانہ سرکشی کے ساتھ کہا کہ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ یعنی میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ چنانچہ اس احمق نے جیل خانہ سے دو قیدیوں کو بلایا۔ ایک قیدی کو پھانسی کی سزا ہو چکی تھی۔ اور دوسرے کو رہائی مل چکی تھی۔ نمرود نے پھانسی پانے والے قیدی کو تو چھوڑ دیا اور رہائی پانے والے کو قتل کرا دیا۔ اور باغیانہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا کہ اے ابراہیم دیکھ لو اس کو پھانسی کی سزا ہو چکی تھی یہ مر چکا تھا مگر میں نے اس کو زندہ کر دیا۔ اور یہ دوسرا قیدی قید خانہ سے رہا ہو چکا تھا اور زندہ تھا مگر میں نے اس کو مار ڈالا۔ تو اگر تمہارا خدا زندگی اور موت بخشتا ہے تو میں بھی دیکھ لو زندگی اور موت بخشتا ہوں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے سمجھ لیا کہ اس خودسر مردود کی گردن پر سر نہیں ہے بلکہ سڑا ہوا تربوز ہے اور یہ بالکل ہی حماقت کی فیکٹری ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ:۔ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ؕ یعنی اے نمرود! اللہ وہ ہے جو روزانہ سورج کو پورب

سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو ایک دن سورج کو پچھم سے نکال دے پھر کیا ہوا۔ اس کو قرآن کی زبان سے سنئے۔ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ یہ سنتے ہی کافر مبہوت ہو کر ہکا بکا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

برادرانِ اسلام! حضرت خلیل کی حقانیت کا سورج اسطرح طلوع ہو گیا کہ اگر نمرود میں ذرا بھی انسانیت کی بو باس ہوتی تو وہ اس پیغمبر خدا کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال کر خدائے برحق کا پرستار اور فلاح دارین کا حق دار بن جاتا۔ مگر برا ہو کفر و طغیان کا کہ سرکشی کا طاغوت عفریت بن کر اس کے دل و دماغ پر ایسا مسلط ہو گیا کہ یہ خدا کا باغی پیغمبر خدا سے جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ اور میلوں لمبی آگ جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے جلا کر خدا کے خلیل کو اس آگ میں ڈلوا دیا اور مطمئن ہو گیا کہ میں نے اپنی خدائی کے سب سے بڑے بت شکن کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ مگر ربِ جلیل نے یہ فرما کر کہ یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ۝ اپنے خلیل پر اس نار کو گلزار بنا دیا۔ اور حق و باطل کی اس جنگ کا بھی وہی انجام ہوا۔ جو ہمیشہ ہوتا رہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فتح و کامرانی کے تاجدار ہوئے اور نمرود ذلت و ہلاکت کے عذاب میں گرفتار ہو کر قہر قہار و غضبِ جبار کا سزاوار ہوا۔

برادرانِ ملت! یہ بڑا عبرتناک لطیفہ ہے کہ خدا کی قہاری نے اس کو گوارا نہیں فرمایا کہ حقانی لشکر کا کوئی بڑا سورما نمرود کو ہلاک کرے۔

بلکہ حقانی فوج کے ایک بہت ہی ننھے سپاہی یعنی مچھر کو حق جَلّ مجدہٗ نے حکم فرمایا کہ تو اس کی ناک میں گھس کر اس کے بھیجے کو پاش پاش کر دے۔ جس میں جھوٹی خدائی کے ہزاروں مہا دبو بند ہیں۔ چنانچہ ایک مچھر بالکل اچانک نمرود کی ناک میں گھس گیا اور اس کی کھوپڑی کے اندر بھیجے پر حملہ آور ہوا نمرود درد سر کی شدت سے بیقرار ہو کر بلبلاتا تھا اور اس کی خدائی کے پرستار اس کی کھوپڑی پر لکڑیاں برساتے تھے مگر نمرود کو ایک لمحہ کے لئے چین نہیں ملتا تھا۔ یہاں تک کہ درد و کرب سے تڑپ تڑپ کر نمرود نے دم توڑ دیا۔ اور کائناتِ عالم کے سامنے اس کی جھوٹی خدائی کا بھرم کھل گیا۔

برادرانِ ملت! نمرود نے ہر چند چاہا اور بڑی بڑی کوشش کی کہ خدا کے خلیل کو ہلاک کر کے نورِ خدا کے چراغ کو بجھا دے۔ مگر قدرتِ خداوندی نے بآواز بلند اعلان کر دیا کہ:۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ؕ یعنی کافر تو یہی چاہتے ہیں کہ حق و باطل کی جنگ میں پھونک مار کر یہ لوگ خدا کے نور کو بجھا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل فرمائے گا۔ اگرچہ کافر اپنے حسد و عناد کی آگ میں جلتے رہیں۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

برادرانِ ملت! حق و باطل کے اس معرکہ میں حضرت خلیل کی فتح مُبین، اور نمرود کی شکست و ہلاکت اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ہمیشہ

حق و باطل کی جنگ میں اسی طرح حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوتا رہے گا۔ ظلمانی طاقتیں لاکھ کوشش کریں کہ نورِ خدا کے چراغ کو بجھا دیں مگر قدرتِ خداوندی کا یہی اعلان ہے کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

پڑھیئے درود شریف :۔ اَللّٰھُمَّ صل وسلم علی سیدنا محمد و آلہٖ اجمعین۔

حضرت موسٰی علیہ السلام اور فرعون

برادرانِ ملت! میں عرض کر رہا تھا کہ حق و باطل کی جنگ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ چنانچہ آپ یہ نہ سمجھئے کہ نمرود کی ہلاکت کے بعد نور و ظلمت کی جنگ اور حق و باطل کا معرکہ ختم ہو گیا۔ نہیں نہیں۔ بلکہ چند دنوں کے بعد دنیا نے دیکھا کہ یہی لڑائی ایک دوسرے محاذ پر شروع ہو گئی۔ جیسا کہ عارف رومی نے فرمایا ؎

دَور دَور و قرن قرن ایں دو فریق تا بہ فرعون و بہ موسٰیِ شفیق

یعنی حق و باطل کی لڑائی حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان جو شروع ہوئی تو ہر دور اور ہر زمانے میں اس جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ حضرت موسٰی علیہ السلام اور فرعون کے درمیان یہ جنگ شروع ہوئی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور نمرود کی جنگ بابل کی سرزمین میں ہوئی تھی۔ مگر اب اس لڑائی کا محاذِ جنگ مصر میں قائم ہوا۔ اور اب کی مرتبہ حقانی فوج کی سپہ سالاری کا سہرا حضرت

موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے سر بندھا۔ اور شیطانی لشکر کی کمانڈری کا لعنتی ہار فرعون کے گلے میں پڑا۔ چنانچہ برسوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان حق و باطل کا معرکہ گرم رہا۔ لیکن انجام وہی ہوا جو ہمیشہ اس حق و باطل کی جنگ کا ہوتا رہا ہے۔ کہ فتح و نصرت نے حضرت کلیم اللہ کے قدموں کا بوسہ لیا اور فرعون دریائے نیل میں غرق ہو کر ابدی ہلاکت کے عذاب میں گرفتار ہو گیا اور سرزمین مصر کا ذرہ ذرہ اعلانِ خداوندی کا نقیب بن کر پکار اٹھا کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل

برادرانِ گرامی! لیکن اب بھی یہ حق و باطل کی جنگ ختم نہیں ہوئی بلکہ چند دنوں کے بعد دنیا نے پھر ایک دوسرے روپ میں اس جنگ کا نظارہ دیکھا۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ؎

ہمچناں تا دور و طور مصطفےٰ ۔۔۔ با ابوجہل آں سپہدار جفا

یعنی چند ہی دنوں کے بعد اس لڑائی کا میدان جنگ مصر سے منتقل ہو کر حجاز میں آگیا اور آمنے سامنے کھڑی حقانی و شیطانی فوجیں مصروف جنگ ہو گئیں۔ مگر اس مرتبہ حقانی افواج کی سپہ سالاری کا تاج دونوں عالم کے تاجدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر رکھا گیا۔ اور شیطانی لشکر کی قیادت کے لیے شیطان نے ابوجہل کو منتخب کیا اور حق و باطل کی

ایک طویل لڑائی شروع ہوگئی۔

حضرات! میں بار بار عرض کر چکا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی جنگ سے لیکر آج تک ایک ہی جنگ ہوتی رہی یعنی نور و ظلمت کی جنگ حق و باطل کی جنگ، یا یوں کہہ لیجئے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کی جنگ۔ اور یقین رکھئے کہ اس جنگ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ شاعر مشرق نے کتنے نفیس انداز میں اس مضمون کو ادا کیا ہے کہ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

دار النّدوہ کی سازش

اچھا اب بات آگئی ہے تو آئیے! میں آپ کو اس حق و باطل کی جنگ کے چند مناظر بھی دکھاؤں۔ دار الندوہ کا نام تو آپ نے سنا ہوگا؟ یہ کفارِ قریش کا پنچایت گھر تھا۔ کفار اس گھر میں ایک دن جمع ہوکر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوفناک اسکیموں، اور ہلاکت آفریں تدبیروں پر غور و فکر کرنے لگے۔ تو قریش کا ایک بہت خرانٹ کافر ابوالبختری کھڑا ہوا اور نہایت غضبناک لہجے میں کہنے لگا۔ کہ اے صنادیدِ قریش! کیا تمہیں خبر نہیں ہے؟ کہ محمد بن عبد اللہ مکہ کے کوچہ و بازار میں تبلیغ اسلام اور تلاوت قرآن کرتے پھرتے ہیں۔ اور کلماتِ قرآن میں اتنے غضب کی تاثیر ہے کہ یہ آواز بن کر کانوں میں پہنچتے ہیں۔ مگر صداقت کا تیر

بن کر دلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو کہ ہمارے بوڑھے، جوان، بلکہ عورتیں اور بچے بھی اسلام کی آغوش میں چلے جارہے ہیں۔ اور آج اتنی تعداد میں مسلمان ہو چکے کہ مکہ کی گلیاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ محمد رسول اللہ کے نعروں سے گونج رہی ہیں۔ پہلے تو فقراء ومساکین اور غلاموں ہی میں اسلام محدود تھا مگر اب تو غضب ہو گیا کہ عثمان غنی، مصعب بن عُمیر، ابو حذیفہ بن عتبہ، ابو سلمہ، ابو جندل وغیرہ جیسے رؤسا، اور شرفاءِ قریش بھی شمعِ اسلام کے پروانے بن چکے ہیں۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا یہ سلسلہ اس طرح بند کر دیا جائے کہ محمد بن عبد اللہ کو پکڑ کر ایک کوٹھری میں قید کر دیا جائے اور کھڑکیوں اور جھروکوں سے کھانا پانی دیدیا جائے۔ اس طرح بنو ہاشم بھی ہمارے خلاف نہیں ہوں گے۔ اور تبلیغ اسلام کا کام بھی بالکل ہی بند ہو جائیگا ابو البختری کی اس زہریلی تقریر کے بعد ہشام بن عمرو کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ کہ میری تجویز یہ ہے کہ ابو طالب کے بھتیجے کو شہر بدر کر دینا چاہیئے اور بہت ہی بہتر ہو گا کہ اس کو ایک اونٹ پر بٹھا کر مکہ سے سیکڑوں میل دور لے جا کر صحرائے عرب میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے۔ یہ سُن کر ابو جہل جو غصہ میں سُرخ ہو رہا تھا۔ جھلا کر اور منہ میں جھاگ بھر کر بولا کہ میں ان دونوں تجویزوں کا مخالف ہوں۔ مکہ میں محمد بن عبد اللہ کو قید کر دینے سے ہرگز کبھی اسلام کی تبلیغ بند نہیں ہو سکتی۔ اور شہر بدر کرنے کا تو یہ مطلب ہوا کہ ابھی تک تو مکہ ہی میں اسلام پھیل رہا ہے

اگر یہ مکہ سے باہر دور دور کے قبائل میں پہنچ گئے تو پھر ہر جگہ اسلام کا پرچم لہرانے لگے گا۔ اس لیے میری پختہ رائے یہ ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ہر قبیلے کے ایک ایک جوان کو منتخب کر لو۔ اور یہ سب جمع ہو کر رات کی تاریکی میں تلواریں لے کر جائیں اور محمد بن عبداللہ کو بستر نبوت ہی پر جبکہ وہ گہری نیند سو رہے ہوں۔ دھوکے سے قتل کر دیں۔ اس طرح سے ہمیشہ کے لئے بانیِ اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور نبوت کا چراغ ہی گل ہو جائے گا۔ شیطان جو شیخِ نجدی کی صورت میں اس کمیٹی کا شریک کار تھا۔ ابوجہل کی یہ تجویز سن کر مارے خوشی کے اُچھل پڑا۔ اور کہنے لگا کہ اے سردارانِ قریش! میں شیخ نجدی ہوں۔ اور میں تمہیں اس مہم میں صلاح و مشورہ دینے کے لئے نجد سے آیا ہوں۔ میں بھی ابوالبختری اور ہشام بن عمرو کی رائے کو حقارت سے ساتھ ٹھکراتا ہوں۔ اور ابوجہل کی صحیح اور صائب رائے کی زبردست تائید کرتا ہوں۔ بلکہ اس تجویز کی داد دیتا ہوں۔ چنانچہ اس طاغوت کی زہر بھری تقریر نے تمام صنادید قریش کو جوش میں بھر دیا۔ اور سب کے سب اس خوفناک اسکیم پر متفق ہو گئے۔ ابوجہل نہایت بے چینی کے ساتھ رات کی آمد کا منتظر رہا۔ اور اس کو یقین تھا کہ کل صبح تک نور خداوندی کا چراغ گل ہو جائے گا۔ اور باطل کا پرچم سربلند ہو جائے گا۔ چنانچہ میرے بزرگو اور بھائیو! وہ خوفناک رات آگئی اور بہت سے جوان تلواریں لے کر چل پڑے۔ اور کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ ادھر جبرئیل امین نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

کو کفار کی اس مجرمانہ سازش سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ حقانی لشکر کے سپہ سالار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر نبوت پر تاجدار ولایت یعنی اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کو سلا دیا۔ اور خود نہایت اطمینان کے ساتھ کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے اور ایک مٹھی کنکری ہاتھ میں لے کر کفار کی طرف پھینک دیا۔ خدا کی شان کہ یہ کنکری ہر کافر کی آنکھ میں پڑ گئی اور سب آنکھیں ملنے لگے اور آپ اُن کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے حرم کعبہ میں پہنچ گئے اور پھر سلامتی کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور ہر طرف سے قدرتِ خداوندی کی غیبی آواز آنے لگی کہ:۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ ط وَاللهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ط یعنی ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

برادرانِ ملت! کفارِ قریش کی یہی وہ خطرناک سازش ہے جس کا نقشہ قرآن مجید نے اس طرح کھینچا ہے کہ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللهُ ط وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (انفال) یعنی اے پیغمبر! یاد کیجئے جب کافر آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے تاکہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں، یا نکال دیں، اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

ناکام حملہ آور

برادرانِ ملت! اسی حق و باطل کی اس جنگ میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ حضور رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تھے۔ اور دوپہر کے وقت ایک سایہ دار درخت کے نیچے بالکل تنہا آرام فرما رہے تھے۔ اور آپ کی تلوار درخت میں لٹک رہی تھی کہ بالکل اچانک شیطانی لشکر کا ایک شیطان صفت سپاہی اس درخت کے پاس آیا اور آپ کی مقدس تلوار ہاتھ میں لیکر پکارنے لگا۔ کہ اے محمدؐ! اب بتاؤ؟ تم کو میری اس تلوار سے کون بچا سکتا ہے؟ رحمتِ عالمؐ نے انتہائی پُرسکون پیغمبرانہ لہجے میں فرمایا کہ "اللہ" یہ سنتے ہی اس کافر کے جسم کا رونگٹا رونگٹا، اور بدن کا بال بال خوف وہراس سے لرزہ براندام ہوگیا۔ اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ رحمتِ عالم نے تلوار اُٹھالی اور فرمایا کہ بول! اب کون ہے؟ جو تجھ کو میری اس شمشیر آبدار کی حق آشکار ضرب سے بچا سکتا ہے۔ کافر لرزتے اور کانپتے ہوئے گڑگڑا گڑگڑا کر امان طلب کرنے لگا۔ رحمتِ عالم کے سینے میں رحمت بھرا قلب تھا۔ اس کافر کی لاچاری و مجبوری پر قلب نبوت رحم و کرم کا سمندر بن گیا۔ اور آپ نے اس خطرناک مجرم کے اس جرمِ عظیم کو اپنے دامنِ عفو میں چھپا کر اس کا قصور معاف فرما دیا۔ شیطانی لشکر یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے اس سفاک و خونخوار سپاہی نے سپہ سالارِ اعظم، خلیفۃ اللہ الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر کے چراغِ نبوت کو بجھا دیا ہوگا مگر قدرت پکار رہی تھی کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

اسی طرح ایک مرتبہ جبل تنعیم کے پشت سے اسّی کافروں نے بالکل اچانک حملہ کیا تاکہ دھوکے سے ناگہاں قتل کردیں۔ مگر نصرت خداوندی نے اپنے رسول کی ایسی امداد و اعانت فرمائی کہ سب کے سب کفار زندہ گرفتار ہو گئے۔ اس موقع پر بھی رحمتِ عالم نے اپنی رحمت کاملہ کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ دشمنانِ رسول حیرت سے انگشت بدنداں ہو گئے۔ آپ نے سب کو معاف فرما کر رہا فرما دیا۔ یہی وہ موقع ہے جس کے بارے میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ ھُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ عَنْھُمْ بِبَطْنِ مَکَّۃَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ عَلَیْھِمْ وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ یعنی اللہ وہی ہے جس نے اُن کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔ اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے۔ بعد اس کے کہ تمہیں اُن پر قابو دیدیا تھا۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو دیکھتا ہے (الفتح) حضرات اسی پر بس نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ بدر کے میدان میں ابوجہل ایک ہزار کا لشکر جرار لیکر اسلام کا نام و نشان مٹا دینے اور چراغِ نبوت کو بجھا دینے کے لئے چڑھ آیا۔ جنگ اُحد میں تین ہزار خونخوار و جفا پیشہ فوجوں کے ساتھ مدینہ پر جارحانہ حملہ کیا گیا۔ جنگ خندق میں دس ہزار مختلف قبائل کے کفار نے مدینہ پر اتنا زبردست بلہ بول دیا کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔ خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ خاص کر

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان جنگوں میں بڑے بڑے خوفناک حملے کئے گئے۔ دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ پیشانیٔ اقدس میں خود کی کڑیاں چبھ گئیں۔ گہرے زخم بھی لگے۔ غرض کفار نے انتہائی کوشش کی کہ رحمتِ عالم کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور اس چراغِ نور کو بجھا دیا جائے مگر اوراقِ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ حق و باطل کے ان معرکوں میں فتح و نصرت کا سہرا حق ہی کے سر رہا اور ہمیشہ شکست و ذلت کا لعنتی طوق باطل ہی کے گلے کا ہار بنا اور ہمیشہ ہر میدان میں زمین و آسمان کے گوشہ گوشہ سے یہی صدا حق بلند ہوتی رہی کہ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۔ یعنی ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

زہر آلود گوشت

برادرانِ ملت! چراغِ اسلام کو بجھانے کے لئے کفار کی کوشش میدانِ جنگ، اور بزدلانہ قتل ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ حد ہو گئی کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے جس کا نام زینب بنت الحارث تھا بکری کے گوشت میں زہر ملا کر رحمتِ عالم کے دسترخوان پر رکھا۔ چنانچہ بشر بن البراء بن معرور صحابی ایک بوٹی اس گوشت کی کھاتے ہی زہر کے اثر سے فوراً شہید ہو گئے۔ مگر رحمتِ عالم نے جونہی ایک بوٹی کو ہاتھ میں لیکر منہ سے لگایا کہ گوشت کی بوٹی پکار اٹھی کہ یا رسول اللہ! میں زہر آلود ہوں، مجھے ہرگز تناول

نہ فرمائیے۔ رحمتِ عالمؐ نے اس یہودی عورت سے دریافت فرمایا کہ کیوں؟ کیا تو نے اس گوشت میں زہر ملا دیا ہے۔ یہودی عورت نے اقرار کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ ارشاد فرمایا کہ مجھے گوشت کی اس بوٹی نے خبر دی ہے کہ تو نے اس کو زہر آلود کیا ہے یہودیہ نے بات بناتے ہوئے کہا کہ میں نے آزمائش و امتحان کے لیے ایسا کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر آپ نبی نہیں ہوں گے تو اس طرح آپ کو قتل کر کے ہمیں راحت مل جائے گی۔ (مشکوٰۃ صـ۵۲۲)

برادرانِ ملت! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ چراغِ نبوت کو بجھا دینے کی یہ کیسی خفیہ اور کتنی خوفناک تدبیر تھی؟ مگر خدا کی قسم خدا کا وعدہ کتنا سچا ہے کہ یہ حقیقت یہاں بھی آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر نظروں کے سامنے آ گئی کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی ۔ بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

مُسیلمۃُ الکذّاب کی جنگ

برادرانِ اسلام! میں بار بار عرض کر چکا کہ نور و ظلمت اور حق و باطل کی جنگ میں کبھی بھی صلح نہیں ہو سکتی۔ اور قیامت تک کسی نہ کسی روپ میں، اور کسی نہ کسی میدان میں یہ جنگ ہوتی ہی رہے گی۔ اور ہمیشہ حق کی فتح اور باطل کی شکست کا سلسلہ جاری رہے گا۔ چنانچہ ابوجہل مٹ گیا۔ اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو

سرفراز فرمایا۔ مگر چراغِ مصطفوی اور شرار بولہبی کی جنگ ختم نہیں ہوئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسیلمۃ الکذاب نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے ہزاروں انسانوں کا ایک لشکر تیار کرلیا۔ اور چراغِ نبوت کے نور کو بجھانے کے لیے کمربستہ ہو گیا۔ اور اپنے لشکرِ جرّار کے ساتھ جانشین رحمۃٌ للعالمین، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جنگ کا چیلنج دینے لگا اور مدینہ منورہ کے اردگرد ایک طویل محاذ پر حق و باطل کی ایک طویل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں ایمانی لشکر کے سپہ سالار حضرت صدیق یارِ غار ہیں۔ اور شیطانی فوج کا کمانڈر مسیلمۃ الکذاب ہے۔ دیکھ لیجئے فوجوں کے کمانڈر بدلے ہوئے ہیں مگر لڑائی وہی حق و باطل کی لڑائی ہے۔ اس موقع پر امیر المومنین حضرت صدیق اکبر نے جناب خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو عساکرِ اسلامیہ کا جنرل بنا کر یلغار کا حکم دیا اور میدانِ جنگ میں حق و باطل کا خونریز معرکہ گرم ہو گیا!

حضرات اس جنگ میں مجاہدین اسلام نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے مگر حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوش نصیبی اور ان کا عظیم کارنامہ درحقیقت تاریخِ اسلام کا ایک ناقابل فراموش شاہکار ہے۔ حضرت وحشی نے اپنے دل میں سوچا کہ افسوس جنگ احد میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر کے میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ نازک کو بہت بڑا صدمہ پہنچایا ہے۔ اور میرے لئے یہ بہت ہی بڑا داغ ہے۔

کہ میرا دامن حضرت حمزہ کے خون ناحق سے داغدار بنا ہوا ہے۔ کیوں نہ میں اس داغ کو اس طرح دھو ڈالوں کہ اگر میں نے خیر الناس یعنی ایک بہترین انسان کو قتل کیا۔ تو اب شر الناس یعنی ایک بدترین انسان کو قتل کر ڈالوں۔ چنانچہ آپ اپنا زہر آلود نیزہ لے کر میدانِ جنگ میں پہنچے۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا کہ حضرت وحشی صفوں کو چیرتے ہوئے اس اونٹ کے قریب پہنچ گئے جس پر مسیلمۃ الکذاب سوار ہو کر شیطانی فوجوں کی کمانڈ کر رہا تھا حضرت وحشی نے نشانہ باندھ کر اس زور سے اپنا نیزہ چلایا کہ مسیلمۃ الکذاب کی ناف کے نیچے لگا اور پشت کے پار نکل گیا اور یہ دشمنِ اسلام زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ اور اس کے مقتول ہوتے ہی شیطانی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور خالد سیف اللہ کی حقانی فوجوں نے شیطانی لشکروں کو چوہوں اور گیدڑوں کی طرح بھاگتے تھے تہ تیغ کر ڈالا ہزاروں باطل پرست موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور ہزاروں گرفتار ہو کر بارگاہِ خلافت میں آئے۔ اور پھر تائب ہو کر اسلام کی آغوشِ عاطفت میں آ گئے اور خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہوا کہ ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پڑھئے درود شریف اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک و سلم

کربلا کا معرکہ

برادرانِ ملت! حق و باطل کی جنگ بھلا قیامت سے پہلے کہاں ختم ہونے والی ہے۔ چند ہی دنوں کے بعد اس حق و باطل کی جنگ کا ایک منظر کربلا میں نظر آیا۔ اب کی مرتبہ

پرچم حقانیت کے علم بردار، اور افواجِ حق کے سپہ سالار، حضرت امام عالی مقام، حسین نامدار، فرزند دلدل سوار ہیں۔ اور باطل پرستوں کی کمان یزید پلید کے ہاتھوں میں ہے۔ ایک طرف بائیس[۲۲] ہزار کا لشکر خونخوار ہے اور ایک طرف بیاسی[۸۲] نفوس قدسیہ کا ایک قافلہ ہے جس کا ہر فرد دن کا روزہ دار، اور رات کا عابد شب زندہ دار ہے۔ اس میں پردہ نشین و عفت مآب خواتین بھی ہیں اور غلام بھی، بوڑھے بھی ہیں، اور جوان بھی اور اسی بیاسی میں بستر علالت پر کراہنے والے عابد بیمار بھی ہیں۔ اور سب سے ننھے مجاہد علی اصغر شیر خوار بھی ہیں۔

مسلمانو! تاریخ کربلا شاہد ہے کہ دوسری محرم سے دسویں محرم تک یہی مسئلہ زیر بحث رہا کہ بار بار یزیدی فوج کا سپہ سالار ابن سعد بدنہاد یہ پیغام بھیجتا رہا کہ اے فرزند رسول و جگر گوشۂ بتول صرف اتنی سی بات ہے کہ آپ اپنا پاک ہاتھ یزید کے ناپاک ہاتھ پر رکھکر بیعت فرمالیجئے تو یہ بائیس[۲۲] ہزار کا لشکر آپ کا مطیع و فرماں بردار اور آپ کے قدموں پر نثار ہو جائے گا۔ اور بنو امیہ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے قدموں میں ہوں گی اور یزید پلید آپ کی مقدس جوتیوں کو اپنے سر کا تاج بنا کر اپنی قسمت کی سربلندی پر ناز کرے گا۔ آپ کو عزت ملے گی، دولت ملے گی، کسی صوبے کی گورنری اور حکومت بھی ملے گی اور اے امام! اگر آپ نے یزید کی بیعت نہیں فرمائی تو یہ ستمگاروں کا لشکرِ خونخوار آپ کی نظروں کے سامنے اہل بیت نبوت کے شہزادوں کو بیدردی کے ساتھ ذبح کر ڈالے گا۔ اور آپکے مقدس

خون سے بھی کربلا کی زمین کو رنگین بنا ڈالے گا اور شہیدوں کی مقدس لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر ان کی ہڈیوں کو چکنا چور کر ڈالے گا اور شہدائے کربلا کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک پھرائے گا الغرض امامِ عالی مقام کو اس قدر لالچ دلائی گئی کہ اگر بادشاہ ہفت کشور بھی ہوتا تو پھسل جاتا۔ اور اس قدر ڈرایا گیا کہ اگر رستم بھی ہوتا تو اس کے قدم ڈگمگا جاتے۔ مگر خدا گواہ ہے کہ حسین بن علی اس حق و باطل کے معرکہ میں پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم رہے۔ اور آپ نے ہر مرتبہ یزیدی لشکر کے پیغام کے جواب میں یہی فرمایا کہ اگر میں یزید کی بیعت کر لیتا ہوں تو پرچم حقانیت سرنگوں اور چراغِ ہدایت گل ہو جائے گا۔ اور اگر میں یزید کی بیعت نہیں کرتا تو یہ صحیح ہے کہ میں اور سب اہل بیت نبوت کٹ جائیں گے مگر قرآن کا ایک حرف بھی کٹنے نہیں پائے گا اور پرچم اسلام بلند سے بلند تر ہو جائے گا س لیے میں ہرگز ہرگز کبھی بھی یزید پلید کی بیعت نہیں کر سکتا۔

مسلمانو! سرزمین کربلا کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ امامِ برحق نے اس حق و باطل کی جنگ میں اپنا سر کٹا دیا۔ گھر لٹا دیا۔ یزید پلید نے سمجھ لیا کہ حق مٹ گیا اور باطل سربلند ہو گیا۔ مگر قدرت اعلان کر رہی تھی کہ ؎

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے ۔۔۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یزید کی باطل پرستیاں مٹ گئیں۔ اور وہ چراغِ ہدایت کو نہیں بجھا سکا۔ اور فتح مبین کا سہرا امام حسین ہی کے سر رہا۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک آنے والی اُمت مسلمہ کی نسلیں شہید کربلا کو اسطرح مُبارکباد

دیتی رہیں گی کہ اے گلشنِ فاطمہ کے پھول، اور اے ابن رسول! ہم تیری اس حق پرستی، حق شناسی، اور حق گوئی کے قربان! ؎

سرخروئی اسے کہتے ہیں کہ راہ حق میں　　سر کو دینے میں ذرا تو نے تامل نہ کیا

اللہ اللہ! سبحان اللہ۔ سچ کہا ہے۔ ملت اسلامیہ کے کسی نبض شناس نے ؎

ملت بیضا کی عظمت صرف قربانی میں ہے
لذتِ آبِ بقا تلوار کے پانی میں ہے

غیرِ حق کے سامنے مُسلم کا سر جھکتا نہیں ؛ یہ وہ طوفاں ہے پہاڑوں سے بھی جو رُکتا نہیں
عظمتِ انسانیت حق کی رضا جوئی میں ہے ؛ حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی میں ہے

حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے بھی اسی حقیقت کو بے نقاب فرماتے ہوئے لکھا۔ اور کیا خوب لکھا ہے ؎

شاہ است حسین، بادشاہ است حسین　　دین ہست حسین، دیں پناہ ہست حسین
سر داد، نہ داد دست در دست یزید　　حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

یعنی شاہ حسین ہیں اور بادشاہ حسین ہیں۔ وہ دین بھی ہیں اور دین کو پناہ دینے والے بھی ہیں۔ دیکھ لو! سر دے دیا مگر اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ خدا کی قسم! حضرت حسین لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی عمارت کا سنگِ بنیاد ہیں۔

معرکۂ صلیب و ہلال

برادرانِ اسلام! حیران ہوں کہ حق و باطل کی لڑائی کے کتنے محاذوں کی آپ کو سیر کراؤں۔ اور اس جنگ کے کتنے مناظر آپ کو دکھاؤں؟ تاریخ پڑھنے والے

جانتے ہیں کہ "صلیبی جنگ" کا معرکہ اسلام کے خلاف کتنا بڑا طوفان تھا
یورپ کی تمام عیسائی سلطنتوں نے متحد ہو کر بیت المقدس پر حملہ کیا تھا اور
رچرڈ کی فوجوں نے لاکھوں کی تعداد میں اتنی زبردست یلغار کی تھی کہ سرزمین
شام دہل گئی تھی اور کوئی نہیں کہتا تھا کہ اب پرچم اسلام سربلند رہ سکتا ہے
تمام عالم اسلام میں خوف دہراس کا دور دورہ ہو چکا تھا۔ مگر سلطان صلاح
الدین ایوبی جب حقانی لشکر کا سپہ سالار بن کر میدانِ جنگ میں بے خطر کود
پڑا تو اسلام کی فتح مبین کے غیب سے ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ بیت المقدس
پر اسلامی جھنڈا لہراتا ہی رہا۔ اور عیسائی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ
بج گئی۔ اور انھیں ایسی عبرت ناک شکست ہوئی کہ ان کی شوکت و اقبال کا
ستارہ ہی غروب ہو گیا اور یورپ کے سلاطین سیکڑوں برس تک سر اُٹھانے
کے قابل نہ رہے۔ اور اس موقع پر بھی خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہو کر رہا کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی   بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

مگر برادرانِ اسلام! رنج و افسوس تو یہی ہے کہ ہمیں آج اپنے اسلاف
کے یہ تاریخی شاندار کارنامے بھی یاد نہ رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم یاس و ناامیدی
کا شکار ہو گئے اور مایوسی کا بھوت اس طرح ہم مسلمانوں کے سروں پر سوار
ہو گیا کہ تاریخ اسلام کو ہم نے فراموش کر دیا۔ اور خداوند قدوس کے مقدس
وعدوں کو بھی ہم بھول گئے سچ فرمایا مرحوم شفیق جون پوری نے ؎

ہے یہ بھی وجہ جو راہِ کمال بھول گئی   کہ داستان عروج و زوال بھول گئی
وہی ہے اہل کلیسا میں جذبۂ تثلیث   ہماری قوم صلیب و ہلال بھول گئی

غضب ہے جو بھی ظلمتوں کے طوفان میں نگاہِ مصطفوی خد و خالِ حرم بھول گئی
دف درباب پہ محفل میں جھومنے والے تجھے صدائے اذانِ بلال بھول گئی

چنگیز و ہلاکو کے حملے

بزرگو اور بھائیو! عروج و زوال کی ایک داستان اس وقت اور بھی یاد آگئی۔ اسے بھی سُن لیجئے۔ چنگیز و ہلاکو کے نام تو آپ نے ضرور سُنے ہوں گے۔ اسلام کے خلاف ان ظالم تاتاریوں کے حملوں کی روداد اتنی خونی داستان ہے کہ سیکڑوں برس تک تاریخ اسلام کے اوراق ان واقعات پر خون کے آنسو بہاتے رہیں گے۔ چنگیز نے بلخ و بخارا اور سمرقند و ایران کی تمام اسلامی سلطنتوں کو کچل کر چکنا چور کر دیا۔ اور مسلمانوں کے قتل عام کا ایسا ریکارڈ قائم کر دیا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بخارا میں اس سفاک نے مسلمانوں کے سروں کے منارے بنوائے۔ اس نے بخارا کی جامع مسجد کے منبر پر بیٹھکر یہ حکم دیا کہ میرا ہر سپاہی ایک مسلمان کا سر ضرور کاٹ کر لائے ورنہ اسی کا سر کاٹ کر منارے میں لگا دیا جائے گا اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ پچاس پچاس اشرفیوں میں بھی مسلمان کا سر نہیں ملتا تھا۔ اس لیے کہ پہلے ہی چن چن کر تمام مسلمان قتل کئے جا چکے تھے اور ان کے سر میناروں میں جوڑے جا چکے تھے۔ چنگیز نے بخارا کی مسجدوں کو منہدم اور مدارس کو برباد کر دیا۔ اور سیکڑوں برس کے اسلامی کتب خانہ کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اسی طرح بلخ و سمرقند اور فرغانہ کو غارت کر کے تمام شہروں کو کھیت بنا ڈالا۔ مسلمانوں کو کہیں پناہ نہیں ملتی تھی

اور لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ اب شاید ان شہروں میں کبھی اسلام کا نام ونشان باقی نہ رہے گا۔ پھر اسی چنگیز کا پوتا ہلاکو بغداد پر حملہ آور ہوا۔ اور اس اسلام کے تاریخی شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور قتل وغارتگری کے ایسے ایسے ہولناک مناظر پیش کئے کہ الامان الاماں! دریائے دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوا۔ پھر جب دنیا کے سب سے بڑے اسلامی کتب خانہ کو ان ظالموں نے دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ تو دریائے دجلہ کا پانی سیاہ ہوگیا۔ تمام مساجد ومدارس کو برباد کرکے میدان بنا ڈالے اور چن چن کر لاکھوں مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کرکے کچھ لاشوں کو جلادیا اور کچھ کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ اس مہلک غارت گری کو دیکھکر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب مسلمان پھر کبھی پنپ سکیں گے یا دنیا میں مسلمانوں کا وجود باقی رہ جائے گا۔

مگر خدا کی قسم خداوند قدوس کا مقدس وعدہ حق ہے برحق ہے تاریخ پڑھ لو۔ اور دیکھ لو کہ خداوند تعالیٰ نے غیب سے اسلام کی نصرت وحمایت کے کیسے کیسے اسباب پیدا فرمادیئے؟ مسلمانو! تم یہ سن کر حیرت سے انگشت بدنداں ہوجاؤ گے کہ چند ہی دنوں کے بعد اسی ظالم ہلاکو کا ایک پوتا ارغون خان مسلمان ہوگیا اور ہلاکو کی پوری تاتاری قوم آغوشِ اسلام میں آگئی اور وہی تلواریں جو اب تک اسلام کے خلاف چل رہی تھیں اب اسلام کی نصرت وحمایت میں بے نیام ہوکر مصروفِ جہاد فی سبیل اللہ ہوگئیں اور پھر ہر طرف اسلام کا بول بالا ہوگیا۔ اور

ان خوفناک آندھیوں کے طوفان میں بھی نورِ اسلام کا چراغ روشن ہی رہا اور خدا کا وعدہ پورا ہوگیا کہ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ؕ یعنی ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

ڈاکٹر اقبال نے اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎ تو نہ مٹ جائیگا ایران کے مٹ جانے سے

نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصرِ نو رات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

کچھ حالاتِ حاضرہ برادرانِ گرامی! میری گزارش کا حاصل یہ ہے کہ ہر دور میں حق و باطل کی جنگ ہوتی رہی اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ چنانچہ خوب سمجھ لو کہ آج کل بھی جو یہ ہر طرف مسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا ہے ان کی جائدادیں لوٹی اور دکانیں جلائی جا رہی ہیں۔ یہ سارے مظالم اسی بنا پر تو ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ لہٰذا یقیناً یہ بھی حق و باطل اور کفر و اسلام ہی کی جنگ ہے اس میں شک نہیں کہ یہ جنگ بہت طویل ہو چکی اور چنگیز و ہلاکو کے وارثوں نے ایک مدت سے مسلمانوں کی خوں ریزی کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ مگر مسلمانو!

خبردار خبردار تمہیں ہرگز ہرگز نہ اس سے گھبرانا چاہئے نہ مرعوب و مایوس ہونا چاہئے ۔ بلکہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ یہ وہی حق و باطل کی جنگ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان ہو چکی ۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود میں ہوئی یہاں تک کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل میں ہوئی ۔ اور جس طرح ہر دور کے اہل ایمان نے صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر شیطانی لشکروں کا مقابلہ کیا ۔ اسی طرح آج بھی صبر و استقامت اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ ڈٹ کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنا چاہئے اور ہرگز ہرگز خائف و مرعوب اور مایوس نہیں ہونا چاہئے ۔ اور ایمان رکھنا چاہئے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے ۔ اللہ رسول کے دشمن لاکھ چاہیں کہ پھونک مار کر نور خدا کے چراغ کو بجھا دیں مگر یہ ناممکن ہے کیونکہ حافظِ حقیقی اپنے اس نور کا محافظ و نگہبان ہے ۔ ہزاروں برس سے دنیا دیکھتی آئی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک دنیا یہی دیکھے گی کہ ؎

نورِ حق اسلام ہی اسکو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

برادران اسلام ! مجھے یہ تسلیم ہے کہ بہت سے مسلمانوں کی شہادت ہو چکی ہے ۔ اور میں کہتا ہوں کہ ابھی بہت سے مسلمان شہادت سے سرفراز ہوں گے مگر یقین رکھو کہ یہ شہدائے کرام کا مقدس خون کبھی بربادو رائگاں نہیں جائے گا بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ ان مقدس شہیدانِ اسلام کے ہر قطرۂ خون کے بدلے رب العزت جل جلالہٗ سیکڑوں طارق اعظم ، ہزاروں محمد بن قاسم ، لاکھوں صلاح الدین

ایوبی، شہاب الدین غوری، اور محمود غزنوی پیدا فرمائے گا۔ جو یقیناً ان شیطانی لشکروں پر فتح مبین حاصل کریں گے۔ اور انشاء اللہ ملتِ اسلامیہ کا گلشن پھر سر سبز و شاداب ہو کر بار آور ہو جائے گا۔ اور ہر طرف فضائے آسمانی میں پرچم اسلام لہراتا رہے گا۔

برادرانِ ملت! تاریخ اسلام میں بارہا ایسا ہو چکا ہے کہ شیطانی لشکروں کو عارضی طور پر کچھ مدت کے لئے غلبہ حاصل ہو چکا ہے مگر پھر حقانی فوجوں کی فتح مبین کا خداوند عالم غیب سے سامان پیدا فرما دیتا ہے۔ مرحوم شفیق جون پوری نے اسی تاریخی حقیقت کی طرف نہایت لطیف اشارہ کرتے ہوئے خوب کہا ہے کہ ؎

بجھی ہے شمعِ مسلم بارہا پھر جگمگائی ہے
یہ تارا ٹوٹ جاتا ہے درخشانی نہیں جاتی

مسلمانو! تم آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو کہ لاکھوں مسلمان ظالموں اور خونخوار غارت گروں کے ہاتھوں جامِ شہادت سے سیراب ہو چکے۔ لاکھوں ملک بدر ہو گئے مگر الحمدللہ! کہ مسلمانوں کی تعداد گھٹنے کے بجائے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ شفیق مرحوم نے اس حقیقت کی بھی خوب نقاب کشائی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ؎

نکالیں سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی
گھرے ہیں اسطرح بتیس دانتوں میں زباں جیسے مگر مسلم کی خوئے شانِ ایمانی نہیں جاتی

مگر ہاں برادرانِ ملت! ضرورت اس کی ہے کہ تم حق و باطل

کے اس معرکہ میں وہ پارٹ ادا کرو جو تمہارے سلف صالحین نے کیا تھا۔ یعنی صبر و استقامت، اتفاق و اتحاد، جرأت و استقلال، اور اسلامی زندگی کو اپنا نصب العین اور شعار زندگی بنالو۔ اور کتنی ہی بڑی سے بڑی مصیبت کا سامنا ہو جائے مگر اپنی ثابت قدمی و اولوالعزمی کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دو۔ بلکہ پہاڑوں کی چٹانوں کی طرح ہر حملہ آور کے مقابلے میں ڈٹے رہو اور کسی حال میں بھی اسلامی زندگی سے بال برابر بھی تجاوز نہ کرو کیوں؟ اس لئے کہ ؎

برائے فتح پہلی شرط ہے ثابت قدم رہنا   جماعت کا بہم رکھنا جماعت کا بہم رہنا
فلک ٹوٹے، زمیں پھٹ جائے تو آئے کہ دم نکلے   مگر ہرگز نہ ہادی کی اطاعت سے قدم نکلے
یہی نصر من اللہ کا اصول جاودانی ہے   یہی اسلام کی شرطِ حصول کامرانی ہے

محترم حاضرین! تاریخ اسلام پڑھ لیجئے۔ اگلے مسلمانوں پر بڑے بڑے کٹھن وقت آئے مگر یہ مسلمان وہ مسلمان تھے جو اسی نصر من اللہ کے اصول پر کاربند تھے۔ نہ کبھی گھبرائے نہ مایوس ہوئے بلکہ خدا پر توکل کر کے مٹھی بھر گنتی کے مسلمان ہزاروں دشمنان اسلام کے مقابلے پر ڈٹے رہے۔ تو آخر کار ان کمزوروں پر رحمتِ الٰہی کو پیار آ ہی گیا اور اس نے آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیج کر غیبی امداد فرمائی۔ اللہ اللہ! ان مسجد کے نمازیوں، اور میدان جہاد کے غازیوں کا کیا کہنا؟ ان کا حال کیا پوچھتے ہو سنو! ؎

مسلماں وہ مسلماں تھے کہ میداں میں نکل آئے   تو جوشِ حق سے کسریٰ اور قیصر کو کچل آئے
جہاں نیچے زمیں کو آسماں سے کر دیا اونچا   جہاں ٹھہرے در و دیوار کا نقشہ بدل آئے

سمندر میں بھی ان کی دوڑ گئی راہیں نکل آئیں　پہاڑوں میں بھی اُن کے فیض کے چشمے اُبل آئے

برادرانِ ملت! تاریخ اسلام میں حقانی فوج کے تمام کمانڈروں اور اوران کی فوجوں کی زندگی پڑھ لو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ہوں یا خالد بن ولید، ابو عُبیدہ بن الجراح ہوں یا موسیٰ بن نصیر، طارق اعظم ہوں یا محمد بن قاسم، محمود غزنوی ہوں یا شہاب الدین غوری ہر ایک کے ساتھ ایسے ہی اللہ والوں کا گروہ تھا۔ جو صبر و استقامت اور جرأت و استقلال میں بے مثال تھا۔ خدا کی قسم جب میں ان کے اسلامی کارناموں کا خیال کرتا ہوں۔ تو ان فرشتہ صفت انسانوں کو یاد کر کے میری آنکھوں سے آنسو چھلک جاتے ہیں۔

اللہ اکبر! ان کے صبر و توکل اور زہد و تقویٰ کا یہ عالم کہ فرشتے ان پر ناز کریں اُن کی جرأت و استقامت، اور ثابت قدمی و استقلال کا یہ منظر کہ پہاڑ ان کو جھک جُھک کر سلام کریں۔ ان کی اخوت و مروت کا یہ حال کہ میٹھے پانیوں کے چشمے ان سے مہمان نوازی و سخاوت کا سبق سیکھیں۔ ان کی ہمت و شجاعت کا یہ مقام کہ فولاد کا قلب و جگر ان کی نظروں کی شعاع سے پگھل کر موم ہو جائے۔

مسلمانو! کیا عرض کروں؟ بخدا جب کبھی بھی ان حقانی فوجوں کے سپاہیوں کی یاد آجاتی ہے تو جوشِ محبت سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ آہ۔ آہ ؎

نظر کے سامنے آتا ہے نقشہ اُن دلیروں کا　کہ جنکا نام سُن کر دل دہل جاتا ہے شیروں کا

فسانے زندہ ہو جاتے ہیں اُن شمشیر گیروں کے　جو محسن تھے شریفوں کے جو قاتل تھے شریروں کے

وہی اللہ کے بندے جو زاہد تھے نمازی تھے　مگر راہ جہاد میں مجاہد اور غازی تھے

حریفوں کے لئے شمشیر جوہر دار رکھتے تھے　حلیفوں کے لئے دامانِ گوہر بار رکھتے تھے

امامت قوم کی وقتِ عبادت انکا حصّہ تھا
بوقتِ جنگ فوجوں کی قیادت انکا حصّہ تھا

مگر برادرانِ ملت! رنج وقلق تو اسی بات کا ہے کہ آج حق و باطل کا معرکہ تو ہماری نظروں کے سامنے ہے اور شیطانی فوج غراتی اور دراتی ہوئی ہر طرف حملہ آور ہو رہی ہے۔ مگر ایک بھی مسلمان مردِ میدان نظر نہیں آتا جو صحیح معنوں میں حقانی فوج کا سپاہی ہو۔

ہزاروں یزید

بزرگو اور بھائیو! میں ایک مرتبہ بمبئی میں ذکر شہادت کا وعظ پڑھ رہا تھا۔ اور یہ عرض کر رہا تھا کہ یزیدی دور میں اسلام کو بے حد خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اتنے میں ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر مجھ سے یہ سوال کیا کہ مولانا صاحب! یہ بتائیے کہ یزید کے زمانے میں اسلام کو زیادہ خطرہ درپیش تھا یا اس زمانے میں اسلام زیادہ خطرے میں پڑ گیا ہے؟ مسلمانو! سچ عرض کر رہا ہوں کہ میں اس نوجوان کے سوال پر تڑپ اٹھا۔ کیونکہ اس نے میری دکھتی ہوئی رگ پر نشتر لگا دیا تھا۔ میں نے فوراً ہی جواب دیا کہ عزیز من! بیشک یزید کے زمانے میں اسلام کو خطرہ درپیش ہو گیا تھا۔ لیکن آج اسلام کے لئے جو خطرہ پیدا ہو گیا ہے وہ یزیدی دور سے ہزاروں گنا زیادہ بڑا خطرہ ہے۔ کیونکہ یزید جب اسلام کو غارت کرنے کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ تو اس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ موجود تھے وہ یزید کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ اور خود کٹ گئے مگر قرآن کا ایک نقطہ کٹنے نہیں دیا۔ خود مٹ گئے مگر فرمانِ مصطفٰے کے ایک حرف کو مٹنے نہیں

دیا۔ اور اسلام کی ڈوبتی اور ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو سلامتی کے ساتھ ساحلِ نجات پر پہنچا دیا۔ مگر آج سب سے بڑی مصیبت کبریٰ و قیامت صغریٰ تو یہی ہے کہ یزید ہزاروں پیدا ہو گئے مگر امام حسین ایک بھی نظر نہیں آتا۔

جوان یزید صفت دشمنانِ اسلام کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو جائے اور اسلام کی نصرت و حمایت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آج اسلام کے لئے دورِ یزید سے ہزاروں گنا بڑھ کر بھیانک خطرہ ہے

مسلمانو! کیا یہ اسلام کے لیے ایک قیامت نما سانحہ نہیں ہے؟

کہ ایسے وقت میں جبکہ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کی بربادی اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے خوفناک حملے کر رہے ہیں۔ اور اسلام کو مٹانے کے لیے اپنی اکثریت اور اپنی طاقت کے بل پر انتہائی خطرناک یلغار کر رہے ہیں۔ اسلام کے لیے تباہ کن قوانین بنا کر پرچمِ حقانیت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑانے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور بے چارے مسلمان ہر طرف بیکسی و لاچاری کی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ایسے خوفناک ماحول میں اسلامی نوجوانوں کا یہ حال ہے کہ انھیں اپنے گیسو سنوارنے، اور ڈاڑھی مونچھ کے صفایا کرنے ہی سے فرصت نہیں ہے۔ ہر نوجوان کا لاکلوٹھا اُلٹا توا ہی کیوں نہ ہو مگر کریم پاؤڈر لگا کر دلیپ کمار ہی بننے کی فکر و دُھن میں لگا ہوا ہے۔ اور بناؤ سنگھار تن پروری، تن آسانی کی بلاؤں میں گرفتار ہے اُسے یہ فکر ہی نہیں کہ اس وقت قوم مسلم پر کتنی بڑی بلا نازل ہے وقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اسلامی نوجوانوں کے دل و دماغ میں جذبہ

ایمانی اور جوشِ ایمانی پیدا ہوتا - اور وہ اپنے کردار و عمل سے اسلام کی شان بڑھاتے - اور اپنی نوجوانی کے گرم گرم خون سے قوم و ملت کی طرف سے دفاع کرتے مگر افسوس صد افسوس! کہ قومِ مسلم کے نوجوانوں نے اپنے فرض کو بالکل ہی فراموش کر دیا - بجائے اس کے کہ وہ اپنے دور کے طارق اعظم اور محمد بن قاسم - بنتے اور اپنی جد و جہد سے اسلامی پرچم کو سربلند کرتے بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کے خلاف صف آرا ہوتے خود ہی طرح طرح کی بداعمالیوں میں گرفتار ہیں - اور اپنی صورت و سیرت کو اس قدر بگاڑ رکھا ہے کہ انھیں دیکھ کر یہ پہچاننا ہی مشکل ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم ؟ مسلمانو! للہ سوچو - مقامِ عبرت ہے کہ تمہارے اسلاف کون اور کیسے تھے ؟ اور تمہارا کیا حال ہے ؟ ہائے افسوس! سے

خود کشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خود دار تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستاں بہ کنار

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

طارق اعظم

مسلم نوجوانو! کاش آج تمہارے سینوں میں طارقِ اعظم جیسے اسلامی جوان کا دل ہوتا - فاتح اندلس طارق تاریخ اسلام کا وہ مسلم نوجوان ہے کہ قیامت تک گردشِ لیل و نہار اس کے کارناموں کو صفحۂ ہستی سے محو نہیں کر سکتی - طارق اسلامی لشکر کا سپہ سالار تھا جب کشتیوں پر اپنی فوج کو سوار کر کے سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے - وہ

اندلس کے ساحل پر پہنچا۔ اور تمام لشکر ساحل پر اُتر گیا تو طارق نے تمام کشتیوں کو جمع کر کے آگ لگا کر جلا دیا اور اپنی فوج کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ دیکھ لو اب وطن لوٹنے کی آس باقی نہیں رہی " اب لڑو یا مرو " کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اس لیے خوب سمجھ لو کہ وطن دور ہے اور جنت قریب ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے اس تاریخی واقعہ کو نظم کیا ہے کہ ؎ طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت

گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطا است

یعنی طارق نے جب ساحلِ اندلس پر سب کشتیوں کو جلا دیا تو مجاہدین کہنے لگے کہ اے طارق! تمہارا یہ فعل عقل کی نگاہوں میں غلط ہے۔ کہ تم نے سب کشتیوں کو جلا دیا۔ کیوں، اس لئے کہ

دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم ترک سبب ز روئے شریعت کجا رواست

یعنی ہم اپنے وطن کی زمین سے بہت دور ہیں اب بھلا ہم اپنے وطن کس طرح پہنچیں گے؟ دنیا عالمِ اسباب ہے یہی کشتیاں تو ہمارے وطن پہنچنے کا ذریعہ تھیں۔ اسباب و ذرائع کا چھوڑ دینا شرعاً کہاں درست ہے؟ فوج کا اعتراض اور خفگی دیکھ کر طارق نہ گھبراتے ہیں۔ نہ معذرت کرتے ہیں بلکہ پوری اولوالعزمی کے ساتھ مسکرا کر کیا جواب دیتے ہیں، اس کو ذرا غور سے سنئے!

خندید و دست برلب شمشیر برد و گفت ؛ ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

یعنی طارق نے ہنس کر شمشیر پر ہاتھ ڈالا اور کہنے لگے کہ کیا تم لوگ

وطن وطن چلا رہے ہو؟ مسلمان جہاں پیدا ہوا ہے وہی اس کا وطن نہیں۔ ارے دنیا کا ہر ملک ہمارا ہی ملک و وطن ہے۔ کیونکہ ہر ملک ہمارے خدا ہی کا ہے۔ لہٰذا یہ ملک بھی ہمارا ہی وطن ہے اس کو فتح کرو۔ اور یہیں سکونت کر لو۔ اور اپنے پیدائشی وطن کا دل میں خیال بھی نہ لاؤ۔ چنانچہ جب ساری فوج کو یقین ہو گیا کہ اب بھاگ کر وطن جانے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو یہ فوج انتہائی شجاعت و بے جگری کے ساتھ لڑنے لگی۔ یہاں تک کہ پورا اندلس فتح ہو گیا اور اس سرزمین پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔ مسلم نوجوانو! کیا تم میں آج کوئی نوجوان ایسا ہے جس کی رگوں میں طارق اعظم جیسا ایمانی خون ہو؟ افسوس صد افسوس! آج تم میں کوئی بھی ایسا نہیں رہا!

برادرانِ ملت! بہرحال اس دور میں سب سے زیادہ اہم تو خود قومِ مسلم کی بداعمالیوں کے خلاف صف آرائی کی ضرورت ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ جوا، سٹہ، شراب، حرام کاری، شعائر اللہ کی بے حرمتی، خداوندی فرائض سے بیزاری، ملت فروشی، مذہب سے غداری یہ وہ امراض خبیثہ ہیں جو قومِ مسلم کی روحانیت کے لئے ٹی بی بلکہ کینسر سے بھی بڑھ کر خطرناک ہیں اور درحقیقت ہماری ان بداعمالیوں ہی کی سزا ہے جو خداوند قہار و جبار کی طرف سے ظالم و خونخوار حکام ہم پر مسلط کر دیئے گئے ہیں جو بے دردی کے ساتھ ہمارے جسم و روح کو کچل رہے ہیں۔ اور ہماری مجبوری و لاچاری کا یہ عالم ہے کہ ؎

نالہ کرنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

حجاج بن یوسف

حضرات! حجاج بن یوسف ثقفی کا نام تو آپ نے سنا ہوگا؟ یہ وہ بدنصیب اور ایسا سفاک و خوں ریز ظالم تھا جس نے ایک لاکھ انسانوں کو اپنی تلوار سے قتل کیا۔ اور اس کے حکم سے جو لوگ قتل کئے گئے ان کا تو شمار ہی نہیں۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اس ظالم سے جو کہ کوفہ کا گورنر تھا یہ کہا کہ اے حجاج تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت دیکھا ہے۔ اور ان کے عدل و رعایا پروری کے مناظر بھی دیکھ چکے ہو۔ پھر تم عدلِ فاروقی کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلتے؟ تو حجاج نے برجستہ جواب دیا کہ تَبَاذَرُوْا اَتَعَمَّرْ لَكُمْ یعنی تم لوگ ابوذر غفاری بن جاؤ تو میں بھی تمہارے لئے حضرت عمر بن جاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سب لوگ حضرت ابوذر غفاری جیسے متقی و پرہیزگار تھے اس لیے خداوند عالم نے انھیں فاروق اعظم جیسا امیر و حاکم عطا فرمایا تھا اور تم لوگ چونکہ بداعمال ہو چکے ہو اس لیے خداوند قہار و جبار نے تم لوگوں پر مجھ جیسے ظالم و سفاک کو مسلط کر دیا ہے (روح البیان ص ۴۵۵)

اسی طرح منقول ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حجاج بن یوسف کے منبر پر ایک پرچہ میں یہ لکھ کر رکھ دیا کہ اے حجاج! اگر تو حکومت کرنا چاہتا ہے تو حاکم کے لئے بھی رعایا کی ضرورت ہے۔ اور اگر تو نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے۔ تو نبی کے لئے بھی امتی کی ضرورت ہے اور اگر تو نمرود و فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے تو تجھ کو اپنا بندہ بنانے کے لیے کچھ

انسانوں کی ضرورت ہو گی۔ اس لیے تو انسانوں کا اس طرح قتلِ عام بند کرے تاکہ کچھ انسان تو زمین پر باقی رہ جائیں۔ پرچہ پڑھ کر حجاج منبر پر چڑھ گیا اور کہنے لگا کہ میں نہ تو نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں نہ خدائی کا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اعمال بد کی سزا کے واسطے میں تمہارے لیے خدا کا عذاب ہوں

جیسی رعیت ویسا حاکم

حضرات! بعض حدیثوں سے بھی حجاج کے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ کَمَا تَكُوْنُوْنَ يُوَلّٰى عَلَيْكُمْ اَحَدُكُمْ۔ یعنی تم جیسے رہو گے تمہیں میں سے تمہارا حاکم بھی مقرر کیا جائے گا۔ صاحب روح البیان اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یعنی اِنْ تَكُوْنُوْا صَالِحِيْنَ فَيَجْعَلُ وَلِيَّكُمْ رَجُلًا صَالِحًا وَاِنْ تَكُوْنُوْا طَالِحِيْنَ فَيَجْعَلُ وَلِيَّكُمْ رَجُلًا طَالِحًا (روح البیان ص۵۵ج۴) یعنی اگر تم لوگ نیکوکار رہو گے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کو تمہارا حاکم بنائے گا۔ اور اگر تم لوگ بدکار ہو جاؤ گے۔ تو خداوند تعالیٰ کسی بدکار کو تمہارا حاکم بنا دے گا۔ اسی طرح ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہ العالمین! میں کس طرح معلوم کروں کہ تو اپنے بندوں سے خوش ہے یا ناراض؟ تو ارشاد ربانی ہوا کہ اے موسیٰ! اِذَا اسْتَعْمَلْتُ عَلَى النَّاسِ خِيَارَهُمْ فَهُوَ عَلَامَةُ رِضَائِيْ وَاِذَا اسْتَعْمَلْتُ شِرَارَهُمْ فَهُوَ عَلَامَةُ سُخْطِيْ (روح البیان ص۵۵ج۴) یعنی جب میں اپنے بندوں پر بہترین حاکم مقرر کروں تو تم سمجھ لو کہ میں اپنے بندوں سے خوش ہوں۔ اور اگر

میں اپنے بندوں پر بدترین لوگوں کو حاکم بنادوں توتم سمجھ لو کہ میں اپنے بندوں سے ناراض ہوں!

برادرانِ ملت! یہ حدیثیں کتنی کھُلی ہوئی دلیل ہیں کہ ہم پراسی وقت ظالم حکومت مسلط ہوگی جب خداوند تعالیٰ ناراض ہوجائے۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ ہم ظالم حکام کو کوستے اور روتے رہیں ہمیں اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ہمارے اعمال درست ہوجائیں گے تو خدا کے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، اور خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور ہم پر کسی اچھی حکومت کو مقرر فرمادے گا۔ مگر یہاں تو وہی معاملہ ہے ؎

کیا ہنسی آتی ہے مجھکو حضرت انسان پر ۔ کار بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر

لطیفہ مسلمانو! سُنا ہے کہ کسی بزرگ سے ایک مرتبہ شیطان کی ملاقات ہوگئی۔ تو یہ دیکھا کہ شیطان نہایت آرام کے ساتھ لیٹا ہوا ہے بزرگ نے فرمایا کہ ارے تو شیطان ہوکر اتنے اطمینان کے ساتھ لیٹا ہوا ہے؛ تیرا کام تو لوگوں کو بہکانا اور گناہ کرانا ہے۔ شیطان کہنے لگا کہ حضرت! میرا جو کام تھا وہ اب انسان ہی کرنے لگے۔ اس لیے میں اطمینان سے سو رہا ہوں۔ اور مسلمان بھائیو! یہ واقعہ ہے کہ اس چودہویں صدی میں انسان ایسے ایسے چارسوبیس کے دھندے کرنے لگا۔ کہ شاید ابلیس کا وہاں تک خیال بھی نہ پہنچا ہوگا! آپ ہی بتادیجئے کہ کالی مرچوں میں پپیتے کے بیج ملاکر، پسی ہوئی دھنیا میں موم پھلی کے چھلکے ملاکر، چائے میں گوبر

ملا کر کبھی شیطان نے بیچا؟ مسجدوں میں سے جوتے، حرمِ کعبہ میں سے قرآن کی جلدیں چرانا کبھی شیطان سے ہو سکا؟ مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ جو کام شیطان سے نہ ہو سکا۔ وہ آج انسان بلکہ مسلمان کر رہے ہیں!

بہر کیف برادران ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حق و باطل کی جنگ قیامت تک جاری رہے گی۔ اور آج مسلمانوں کے خلاف جو قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے۔ یہ درحقیقت وہی حق و باطل کی جنگ ہے۔ اور انشاء اللہ اس جنگ کا بھی وہی انجام ہوگا جو ہمیشہ حق و باطل کی جنگ کا انجام ہوتا رہا ہے لہذا گھبرانے، یا مرعوب و مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے سلفِ صالحین کی طرح صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ان باطل پرستوں کے حملوں کا مقابلہ کرنا چاہئے!

برادرانِ اسلام! ایک سچے مسلمان کی شان، اور ایک مومن کامل کی پہچان ہی یہ ہے کہ کتنی ہی بڑے سے بڑی مصیبت کیوں نہ آجائے۔ بڑے سے بڑے نرغے میں کیوں نہ پھنس جائے مگر ہرگز ہرگز کبھی بھی خدا کی رحمت اور اس کی امداد و نصرت سے مایوس نہ ہو۔ بلکہ اس کی امداد و اعانت کا امیدوار بن کر، اور اس کے فضل و کرم پر توکل کر کے ہمیشہ جد و جہد کرتا رہے مایوسی و نامرادی و ناامیدی مومن کی ایمانی حیات کے لئے سم قاتل و زہر ہلاہل ہے۔ شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

نہ ہو مایوس، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

حضرات! آج کل اکثر مسلمانانِ عالم مایوسی میں کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟ اور ہم مسلمان کیا کریں؟ یہ سب ناامیدی و مایوسی کی باتیں ہیں۔ جو کمزوریٔ ایمان کی دلیل ہیں۔ بہرکیف مسلمان بھائیو! جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ آئندہ اسلام اور مسلمانوں کا کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب میں بار بار عرض کر چکا کہ اسلام و مسلمان نہ کبھی مٹے ہیں۔ نہ قیامت تک مٹ سکتے ہیں۔ بلکہ انشاءاللہ تعالیٰ اس کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے۔ اور اسلام و مسلمانوں کا آئندہ پھر بول بالا ہو کر رہے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اُتنا ہی وہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دینگے

مسلمانو! اسلام کی مثال ہوا بھری ہوئی گیند کی طرح ہے کہ اس کو جتنی طاقت اور زور سے تم زمین پر پٹکو گے۔ اتنا ہی زیادہ وہ اُچھل کر زمین سے بلند ہوگا۔ اسلام کے دشمن جس قدر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اتنی ہی اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کی کثرت و عظمت بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم ایمان و اطمینان رکھو کہ اسلام رب العٰلمین کا بھیجا ہوا آخری پیغام، اور رحمتِ عالم کی نگاہِ عاطفت اور آغوشِ کرم کا پالا ہوا دینی و ملی نظام ہے۔ اور خداوند قادر و قیوم نے اس کی تکمیل فرما کر اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس لیے آج تک دنیا نے دیکھا ہے اور قیامت تک دنیا والے دیکھتے رہیں گے کہ ؎

کر دمیں دنیا کی اس کا قصر ڈھا سکتی نہیں ؛ آندھیاں اسکے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

لہذا یہ سوال کہ اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟ اور اس کا بس ایک ہی جواب ہے کہ اسلام اور مسلمان دنیا میں اسی لیے آئے ہیں کہ باقی رہیں گے۔ اسلام اور مسلمان دنیا میں اس لیے نہیں آئے ہیں کہ مٹ جائیں اس لیے میں کہتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل انتہائی تابناک ہے اور ان کی حیات و لقا ایک قدرتی فیصلہ ، اور خدا کا ناقابل ترمیم دستور ہے اور قرآن گواہ ہے کہ وَلَنْ تَجِدْ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا ۝ یعنی ہرگز ہرگز خدا کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

برادران ملت! اب رہ جاتا ہے دوسرا سوال کہ مسلمان کیا کریں. تو اس کے لیے ہردم ہر قدم پر قرآن کریم کی یہی رہنمائی ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ لہذا تم لوگ اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ میں رحمت عالم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرو۔ اور اپنے ہر قول و فعل میں اسی آفتاب ہدایت کے نور سے روشنی حاصل کرو!

اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے؟ تو آپ اگر تاریخ نبوت ، اور رحمت عالم کی سیرت کا مطالعہ کریں گے۔ تو رحمتِ عالم کی مقدس زندگی کے دو رُخ آپ کے سامنے آجائیں گے۔

ایک مکی زندگی ، دوسری مدنی زندگی

رحمت عالم کی مکی زندگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں

تبلیغ اسلام فرماتے رہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان انتہائی اقلیت
میں تھے۔ چند غرباء و مساکین مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان بیکسوں کا
نہ کوئی حامی و مددگار تھا۔ نہ مونس و غمخوار۔ بلکہ سارا عرب ان کی جان
کا دشمن تھا۔ مسلمانوں پر ہر طرف ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔
مکہ کی گلیاں تو کیا پہاڑوں کے غاروں میں بھی انھیں پناہ نہیں ملتی تھی
حضرت بلال کی پشت پر کوڑے برسائے جاتے اور جب پیٹھ زخمی ہو جاتی
تو انہیں گرم گرم ریت پر چلچلاتی ہوئی دھوپ میں لٹا دیا جاتا۔ اور ان کے
شکم پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیا جاتا کہ زبان منہ سے باہر نکل جاتی تھی۔
حضرت عمار بن یاسر کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا جاتا تھا۔ بی بی سُمیّہ کی ناف
کے نیچے نیزہ مار کر شہید کر دیا گیا۔ کچھ مسلمان زنجیروں اور رسیوں میں جکڑے
ہوئے قید میں تھے۔ کتنوں کو چٹائیوں میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں
دیا جاتا تھا۔ غرض مکّہ کے ستم گاروں نے مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم کئے کہ ان کے
تصور سے بڑے بڑے بہادروں کے دل دہل جاتے ہیں خود رحمتِ عالم کا
یہ حال تھا کہ آپ پر پتھروں کی بارش کی جاتی تھی۔ راستوں میں کانٹے بچھائے
جاتے تھے۔ آپ سجدے میں سر رکھتے تو آپ کی پشت مبارک پر اُونٹ کی
اوجھڑی رکھی جاتی تھی۔ تین برس تک آپ کا بائیکاٹ اس طرح کیا گیا
کہ آپ شعب ابی طالب میں قیدی کی حیثیت سے محصور رہے۔ ستمگار کفار
پانی کی ایک مشک اور اناج کا ایک دانہ اپنے جانتے بوجھتے اس گھاٹی کے اندر
نہیں جانے دیتے تھے۔ کئی بار چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹنے کی

کوشش کی گئی ۔ بارہا قاتلانہ حملہ ہوا ۔ اہل طائف نے آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ پنڈلیاں لہولہان ہو گئیں ۔ اور موزہ خون سے بھر گیا ۔ تمام اہل مکہ بلکہ عزیز و اقارب یہاں تک کہ آپ کا چچا ابولہب سب کے سب آپ کی جان کے دشمن تھے ۔ آہ ۔ آہ رحمت پر ایسے ایسے مظالم ہوئے کہ الاماں ۔ الاماں ! ؎

سلام اُس پر وطن کے لوگ جسکو تنگ کرتے تھے　　سلام اُس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ جسکا ذکر ہے سارے صحائف میں　　سلام اُس پر کہ جو زخمی ہوا بازار طائف میں

مسلمانو! یہ ہے رحمت عالم کی مکّی زندگی کا ایک دل ہلا دینے والا مختصر نقشہ ، مگر تاریخ گواہ ہے ، خدائی گواہ ہے ، خود خدا گواہ ہے کہ تیرہ برس تک رحمت عالم ان مظالم و مصائب کو جھیلتے رہے مگر آپ یا مسلمان کبھی ایک منٹ کے لئے بھی نہ بلبلائے نہ مایوس ہوئے نہ کبھی بے صبری کا اظہار کیا بلکہ صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ظالموں کے ظلم کا مقابلہ کرتے رہے ۔

مسلمانو! للہ انصاف ! آج ہم مسلمانوں پر ان مظالم کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے مگر ہم خوف سے لرز رہے ہیں ۔ ہمارا دامنِ صبر تار تار ہو چکا ہے قدم اُکھڑ گئے ہیں ۔ اور ناامیدیوں کا بھوت ہمارے سروں پر سوار ہو گیا ہے اور ہم بار بار گھبرا کر پوچھتے پھرتے ہیں کہ مسلمان کیا کریں ؟ مسلمانو! افسوس تمہیں معلوم نہیں کہ ایسے وقت میں تمہیں کیا کرنا چاہئے ؟ سنو! تمہارے لئے واحد راہ عمل یہی ہے کہ تمہیں رسول کی مکّی زندگی کو پیش نظر رکھکر وہی کرنا چاہئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک دشمنوں کے نرغے میں

محصور ہوتے ہوئے کرتے رہے۔ یعنی صبر و استقامت کے ساتھ خدا پر توکل کر کے اسلام پر عمل، اور تبلیغ اسلام کرتے رہنا چاہیئے اور اپنی طاقت بڑھاتے ہوئے دشمنانِ اسلام کی مدافعت کرتے رہنا چاہیئے اور خدا کی طرف سے امداد و اعانت کا امیدوار بن کر فتح و نصرت الٰہی کا انتظار کرنا چاہیئے۔

مگر افسوس! کہ ہم تبلیغ اسلام تو کیا کرتے اسلام پر خود بھی عمل کرنا چھوڑ دیا۔ اور خدا کی امداد و اعانت سے ناامید ہو کر دشمنانِ اسلام کی چوکھٹوں پر سر رگڑ رگڑ کر امداد و حفاظت کی بھیک مانگنے لگے۔ توبہ۔ نعوذ باللہ! اے مسلمان ذرا غور تو کر کہ ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے"

سرورِ عالم کی مدنی زندگی

برادران ملت! حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی مکی زندگی کے مناظر تو آپ دیکھ چکے اب آپ کی دس برس کی مدنی زندگی پر بھی ایک نگاہ ڈالیئے۔ ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں انصار جیسے جاں نثار آغوشِ اسلام میں آگئے اور جانباز مسلمانوں کا ایک لشکر تیار ہو گیا تو پھر آپنے اللہ و رسول کے باغیوں سے جہاد فرمایا۔ بدر و اُحد اور خندق کی مدافعانہ جنگوں کے بعد بنو قریظہ و بنو نضیر، اور خیبر کی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ عرب و عجم کے بادشاہوں کو آپنے اسلام کی دعوت دی۔ پھر مسلمانوں کو ایسی شوکت نصیب ہو گئی کہ روم و فارس کی سلطنتیں اُن کے رعب و جلال سے لرزہ براندام رہنے لگیں۔

یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں آپ فاتحانہ شان کے ساتھ داخل ہو گئے۔ اور خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہو گیا کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ط اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ہ یعنی اے محبوب! جب اللہ کی مدد آجائے اور مکہ فتح ہو جائے اور آپ یہ دیکھ لیں کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ تو آپ خدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھئے۔ اور اپنی امت کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

غرض برادرانِ ملت! رحمتِ عالم کی مکی زندگی اور مدنی زندگی دونوں کو پیش نظر رکھئے اور خوب سمجھ لیجئے کہ خوف و امن دونوں حالتوں میں آپ کے لئے رحمت عالم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے جب مسلمان اعداء دین کے محاصرہ میں پڑ جائیں تو انہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کی پیروی کرنی چاہئے۔

اور جب امن و طاقت حاصل ہو جائے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی پر عمل کرنا چاہئے۔

دونوں حالتوں میں :۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کے سرچشمہ ہدایت سے راہنمائی طلب کرنی چاہئے

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ؏

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و
صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خَلقِہٖ محمد و آلہٖ
واصحابہ اجمعین۔

پانچواں واعظ

گروہ اولیائے کرام

خاصانِ خدا، خدا نباشد

لیکن ز خدا جدا نباشد

۸۶

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ کَمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الْمُرْتَضٰی ○ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَوْلِیَاءِ الْھُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ط لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (یونس)

برادرانِ ملت! فرطِ محبت وجوشِ عقیدت کے ساتھ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بہ آوازِ بلند نذرانۂ درود وسلام پیش کیجئے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَثِیْرًا کَثِیْرًا ○

حضراتِ گرامی! اس دنیا کا عجیب حال ہے کہ اس میں جس طرف نظر اٹھا کر دیکھئے خوف ہی خوف کا عالم ہے اور ہر طرف ڈر ہی ڈر کا دور دورہ ہے۔ اونچے اونچے سر بہ فلک پہاڑ اگرچہ فخر کے ساتھ سینہ تانے کھڑے ہیں اور اپنی پائداری وسربلندی پر نازاں ہیں۔ مگر ہر وقت خوف ودہشت سے لرزاں وترساں ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ کہیں کوئی سنگ تراش نہ آرہا ہو۔ ہرے بھرے تناور درخت، اپنے پھولوں، پھلوں کی رعنائیوں کے ساتھ اگرچہ بظاہر شاداب وشاداں نظر آرہے ہیں۔

مگران کا پتہ پتہ اس خوف سے ہر وقت لرزہ براندام ہے کہ کہیں کوئی کلہاڑی
والا تو نہیں آرہا ہے۔ زمین پر لہلہاتی ہوئی گھاس ڈر رہی ہے کہ کہیں
چار پیروں والا ادھر نہ آجائے۔ اور چار پیروں والا اس خوف سے بھاگا
پھر رہا ہے کہ کہیں بسم اللہ، اللہ اکبر والا نہ آرہا ہو۔ آفتاب عالم تاب
اگرچہ پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہے مگر اس خوف سے چہرہ
زرد ہو رہا ہے کہ کہیں گرہن نہ لگ جائے۔ ستارے مسکراتے ضرور ہیں مگر
اس خوف سے کانپ رہے ہیں کہ کہیں صبح کا سپیدہ نمودار نہ ہو جائے
اسی طرح کمزور طاقتور سے ڈر رہا ہے، مزدور سرمایہ دار سے خوف کھا رہا ہے
سرمایہ دار انکم ٹیکس آفیسر سے کانپ رہا ہے، مجرم پولیس سے تھرا رہا ہے
غرض اس دنیا میں جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا فضائی
کائنات۔ عالم اسفل ہو یا عالم اعلیٰ۔ زمین سے آسمان تک ہر طرف خوف
ہی خوف کا راج، اور ڈر ہی ڈر کا دور دورہ نظر آتا ہے۔

مگر حضرات گرامی! اس خوف اور ڈر سے بھری ہوئی دنیا میں، اسی
آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر خدا کی ایک ایسی مخلوق بھی آباد ہے
جس کو سارے عالم میں کسی کا خوف اور ڈر نہیں۔ وہ ہر جگہ، ہر دم اور
ہر حال میں سارے جہاں سے بے خوف اور بے غم ہیں۔ انہیں صرف
خدا کا ڈر ہے اور ساری خدائی ان سے ڈرتی ہے۔ یہ ساری خدائی سے بے
ڈر، اور صرف خدا ہی سے ڈرنے والی مخلوق کون ہے؟ اور اس کا کیا
نام ہے؟ تو برادرانِ ملت! سنو:۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ط

اس مخلوق کا نام "اولیاء اللہ" ہے اور ان کی شان یہ ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے نہ انہیں کسی چیز کا غم ہے۔

برادرانِ اسلام! قرآن کی اس آیت نے بتادیا کہ "اولیاء" پر نہ کوئی خوف ہے نہ ان کے لئے کوئی غم۔ اس آیت میں دو لفظ ہیں پہلا "خوف"۔ اور دوسرا "حزن" اب خوف اور حزن کے معنی سمجھ لیجئے۔ دیکھئے زمانہ آئندہ میں کوئی چیز ایسی ہونے والی ہو، جس سے انسان کے دل پر تکدر اور گھبراہٹ پیدا ہو اس کو عربی میں "خوف" اور اردو میں "ڈر" کہا جاتا ہے۔ اور گزشتہ زمانے میں کوئی ایسی چیز فوت یا ضائع ہوگئی ہو جس سے انسان کے قلب پر رنج و تکدر پیدا ہو جائے اس کو عربی میں "حزن" کہتے ہیں جس کا اردو ترجمہ "رنج و غم" قرآن مجید نے لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ فرمایا۔ یعنی اولیاء پر کوئی خوف بھی نہیں۔ اور ان کے لئے کوئی غم بھی نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء کو نہ آنے والے زمانے میں کسی چیز کا ڈر ہے نہ گزشتہ زمانے کا کوئی غم ہے وہ بے خوف بھی ہیں اور بے غم بھی ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ سچ تو یہ ہے کہ جب اولیاء کو خدا مل گیا۔ اور یہ اللہ کے بندے اللہ والے ہوگئے تو پھر انہیں خدائی بھر کے خوف و غم کی کیا پرواہ؟

برادران ملت! اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ جو بندہ اللہ کی یاد میں محو ہو کر اللہ والا ہو گیا۔ وہ سارے جہان کے خوف و غم

سے آزاد ہو گیا کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

آئی جوان کی یاد تو آتی چلی گئی ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

حضرات! اب اس مسئلہ پر مجھے ذرا تفصیل سے گفتگو کرنی ہے کہ آخر اولیاء کو دنیا میں کسی چیز کا خوف اور ڈر کیوں نہیں ہے؟ تو سنئے بات یہ ہے کہ خوف کیوں ہوا کرتا ہے؟ اور کس کو ہوا کرتا ہے؟ یہ علم النفس کا مسئلہ ہے کہ خوف اور ڈر اس کو لگتا ہے جو کمزور ہو۔ جو طاقتور ہو وہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتا اب سوال یہ ہے کہ اولیاء کمزور ہیں یا طاقتور؟ اگر ہم یہ ثابت کر دیں کہ اولیاء اللہ ساری خدائی میں سب سے زیادہ طاقتور ہیں تو پھر یہ مسئلہ آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ بیشک اولیاء اللہ پر ہرگز ہرگز کسی چیز کا خوف اور ڈر نہیں ہے۔ لہٰذا برادرانِ ملت! میں اس وقت آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں جس سے آپ کو اولیاء اللہ کی بے پناہ طاقت و قدرت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور آپ کو اس مسئلہ کا عین الیقین بلکہ حق الیقین حاصل ہو جائے گا کہ چونکہ اولیاء اللہ ساری خدائی میں سب سے زیادہ طاقت و قدرت والے ہوا کرتے ہیں اس لئے ان لوگوں پر کسی چیز کا خوف و ڈر ہو ہی نہیں سکتا!

اچھا! اب وہ حدیث سن لیجئے! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ یعنی اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا

اُس شخص کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ اور میرا بندہ میری کسی محبوب چیز کے ذریعے میرا اتنا قرب نہیں حاصل کر سکتا جتنا کہ میرے فرائض کو ادا کرکے میرا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحْبِبْتُهٗ اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اُس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ ،،

رواہ البخاری (مشکوٰۃ ص۱۹۷) پھر میں جب اپنے بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور وہ اگر مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں ضرور ضرور اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں ضرور ضرور اسکو پناہ دیتا ہوں

بزرگو اور بھائیو! آپ نے حدیث کے مقدس الفاظ بھی سُنے اور اس کا ترجمہ بھی سُن لیا اب یہ بھی سُن لو کہ خداوند سبوح وقدوس کسی بندے کا کان، آنکھ اور پاؤں ہاتھ بن جانے سے پاک ہے۔ پھر اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تو عزیزانِ گرامی!

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے محبوب بندوں کے کان، آنکھ، اور ہاتھ پاؤں میں اپنی قدرت وطاقت کا ایک ایسا جلوہ عطا فرماتا ہوں کہ میرے محبوب بندوں کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں سے ایسے ایسے کام ہونے لگتے ہیں کہ ان کی قدرت وطاقت کو دیکھکر خدا کی قدرت وطاقت یاد آجاتی ہے اب آپ بتائیے! کہ جن بندوں کے کان، آنکھ، اور ہاتھ پاؤں میں خدا کی قدرت وطاقت کی جلوہ گری ہو۔ ان بندوں کی قدرت وطاقت اور ان کے تصرفات کا کیا کہنا؟ اب کون کہہ سکتا ہے؟ کہ یہ بندے کمزور ہوسکتے ہیں۔ نہیں نہیں بلاشبہ یہ بندے جن کے اعضاء میں خدائی قدرت وطاقت کی توانائی جلوہ گر ہوتی ہے یہ ساری خدائی میں ساری کائنات سے بڑھکر طاقتور ہوں گے اور جب یہ سب سے زیادہ طاقتور ثابت ہوئے تو پھر ظاہر ہے کہ یہ کسی چیز سے نہیں ڈریں گے۔ اسی لئے خداوند عالم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ یعنی ساری کائنات میں کسی چیز کا بھی ان پر خوف اور ڈر نہیں ہے۔

لوہا اور آگ کی مثال

برادرانِ ملت! خداوند قدوس اپنے کسی محبوب بندے کے اعضاء میں اپنی قدرت وطاقت کی جلوہ فرمائی کردے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ دیکھئے لوہا ٹھنڈا اور اس کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ مگر چند منٹ اگر لوہا آگ کی بھٹی میں پڑا رہے تو آگ اس لوہے کو اپنی گرمی اور اپنا رنگ عطا کردیتی ہے

لوہا آگ کی طرح سُرخ اور گرم ہو جاتا ہے اور جو کام آپ آگ سے لیتے ہیں وہی کام اب اس لوہے سے بھی لے سکتے ہیں۔ مگر کون کہہ سکتا ہے؟ کہ لوہا آگ ہو گیا ہرگز نہیں، لوہا لوہا ہے اور آگ آگ ہے۔ بلاشبہہ اولیاء اللہ بھی جب چند دنوں عشقِ الٰہی کی بھٹی میں پڑے رہتے ہیں تو خدا اپنی کریمی و رحیمی سے اپنے محبوب بندوں کو اپنی قدرت و طاقت کا ایسا جلوہ عطا فرماتا ہے کہ ان بندوں کی قدرت و طاقت دیکھ کر خدا کی قدرت و طاقت یاد آجاتی ہے مگر بندے بندے ہیں اور خدا خدا ہے اسی مضمون کو کسی عارف باللہ نے یوں کہا ہے کہ ؎

خاصانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

یعنی اللہ والے خدا نہیں ہوتے مگر یاد رکھو کہ یہ خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے بلکہ خدا کی نصرت و اعانت اور اس کی قدرت و طاقت ہر دم ہر قدم پر ان بندوں کے ساتھ رہتی ہے!

برادرانِ ملت! جب آگ میں یہ قدرت ہے کہ وہ چند منٹوں میں لوہے کو اپنی گرمی اور اپنا رنگ اور اپنی کیفیت عطا کر سکتی ہے۔ پھولوں میں یہ طاقت و قدرت ہے کہ چند دنوں اگر تل کو پھولوں کی آغوش میں رکھ دیا جائے تو پھول تل میں اپنی خوشبو، اپنی تاثیر کا فیض پہونچا دیتے ہیں اور پھول میں بسائے ہوئے تلوں کے تیل میں پھولوں کی خوشبو اور پھولوں کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ تو کیا خالقِ کائنات اپنے محبوب بندوں کے

اعضاء وجوارح میں اپنی قدرت وطاقت کی جلوہ گری نہیں فرما سکتا؟
جو لوگ اولیاء کرام کے تصرفات اور ان کی خداداد طاقت وقدرت کے منکر ہیں ان سے پوچھنا چاہئے کہ کیا آگ اور پھول میں تو یہ قدرت ہے کہ وہ اپنے ہم نشیں کو اپنا فیض عطا کر دے اور خداوند قادر وقیوم میں معاذ اللہ یہ قدرت وطاقت نہیں کہ وہ اپنے محبوب بندوں کو اپنی قدرت وطاقت کا جلوہ بخش دے؟ کیا معاذ اللہ آگ اور پھول کی طاقت وقدرت قادر و قیوم کی قدرت وطاقت سے بڑھ کر ہے؟
یا لوہے اور تل میں فیض لینے کی صلاحیت اولیاء اللہ سے بڑھکر ہے؟
برادرانِ ملت! جب خداوند قدوس جل وعلا کے قادر وقیوم ہونے پر ایمان ہے۔ اور اولیاء اللہ میں فیض حاصل کرنے کی صلاحیت بھی ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ بیشک کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ حق ہے برحق ہے اور بلا ریب وشک خداوند عالم اپنے محبوب بندوں کے اعضاء میں اپنی قوت وقدرت کا ایسا جلوہ دکھاتا ہے کہ بندوں کے اعضاء کی قدرت وطاقت دیکھ کر خدا کی قدرت وطاقت یاد آجاتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ جمادات، نباتات، حیوانات کی ساری کائنات پر تصرف وحکومت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عناصر اربعہ آگ، پانی مٹی، ہوا ہر چیز پر ان کی سلطنت وحکمرانی کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔

آگ پر حکومت

برادرانِ اسلام! روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں

ایک مرتبہ ایک خوفناک پہاڑی آگ نمودار ہوئی۔ آگ بڑھتی چلی آرہی تھی اور بڑا خطرہ تھا کہ اس آگ سے ہزاروں بستیاں جل کر خاکستر ہو جائیں گی۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یا جناب تمیم داری رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اس آگ کو میری چادر دکھا دو۔ چنانچہ جیسے ہی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چادر مبارک اس آگ کے سامنے لائی گئی۔ آگ ایکدم سمٹ کر پہاڑ کے دامن میں چلی گئی۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے غاروں میں آگ غائب ہو گئی۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۷۳)

ابو مسلم خولانی اور آگ

اسی طرح مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانی جو مسلم الثبوت حافظ الحدیث اور محدث کبیر بھی ہیں اور انتہائی متقی و پرہیز گار باکرامت ولی بھی ہیں ان کی مشہور کرامت ہے کہ اسود بن قیس نے جب یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور حضرت ابو مسلم خولانی کو اپنی نبوت تسلیم کرانے پر مجبور کیا۔ تو آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ اس کو ٹھکرا دیا۔ اس ظالم نے نہایت زبردست آگ جلوائی۔ اور جب آگ کے شعلے کافی بلند ہو گئے تو اس نے آپ کو آگ میں پھینک دیا۔ آپ آگ کے شعلوں میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے ٹہلتے رہے یہاں تک کہ آگ بجھ کر راکھ ہو گئی مگر آپ کا جسم تو کیا بدن کے کپڑوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔

اسود بن قیس آپ کی یہ کرامت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بلکہ مارے دہشت کے لرزہ براندام ہو گیا۔ اور آپ کو یمن سے نکال دیا۔ اور آپ مدینہ منورہ چلے آئے۔ منقول ہے کہ جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم نے آپ کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے فرمایا کہ الحمد للہ! خداوند کریم نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ میں نے اپنی نبی کی امت میں ایک ایسے شخص کا دیدار کر لیا جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح آگ میں ڈالا گیا اور زندہ وسلامت رہا۔ (تہذیب التہذیب)

پانی پر حکومت

برادران گرامی! آگ کی طرح پانی پر بھی اولیاء کی حکمرانی دیکھنی ہو تو حضرت فاروق اعظم کی تاریخ پڑھ لیجئے۔ آپ کے دور خلافت میں مصر کا دریائے نیل خشک ہو گیا۔ مصری رعایا مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ اے امیر! ہمارا یہ دستور تھا کہ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا تھا تو ہم لوگ ایک خوبصورت کنواری لڑکی کو دریا میں زندہ درگور کر کے دریا کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اس کے بعد دریا جاری ہوا کرتا تھا۔ اب ہم کیا کریں؟ گورنر نے فرمایا کہ ارحم الراحمین اور رحمۃ للعالمین کا رحمت بھرا دین ہمارا اسلام ہرگز ہرگز ایسے ظالمانہ فعل کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم لوگ انتظار کرو میں بارگاہِ خلافت میں عریضہ لکھتا ہوں۔ وہاں سے جو حکم ملے گا اس پر عمل کیا جائے گا چنانچہ گورنر کا قاصد مدینہ منورہ آیا۔ اور دریائے نیل کے خشک ہونے کا

حال سنایا۔ امیر المومنین یہ خبر سن کر نہ گھبرائے نہ پریشان ہوئے۔ بلکہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ایک ایسا تاریخی خط لکھا جو تاریخ عالم میں بے مثل و بے مثال ہے۔ آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا۔
مسلمانو! بتاؤ کیا کوئی ایسا بادشاہ بھی ہوا ہے؟ جس نے دریا کے نام فرمان لکھا ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ دریا کے نام تو وہی فرمان لکھ سکتا ہے جس کی حکومت کا سکہ دریاؤں پر بھی چلتا ہو۔ آپ چونکہ سلطنتِ ولایت کے بھی تاجدار تھے اور ساری کائنات آپ کے زیر فرمان تھی اس لیے آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا۔ ذرا اس خط کی عبارت بھی سُن لیجئے آپ دریائے نیل کے نام اس طرح فرمان تحریر فرماتے ہیں۔ اِلیٰ نیلِ مِصْرَ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب! اَمَّا بَعْدُ فَاِنْ کُنْتَ تَجْرِیْ بِنَفْسِکَ فَلَا حَاجَۃَ لَنَا اِلَیْکَ وَاِنْ کُنْتَ تَجْرِیْ بِاللّٰہِ فَاجْرِ عَلٰی اسْمِ اللّٰہِ (ازالۃ الخفاء ۲ صـ۱۶۶) یعنی یہ مصر کے دریائے نیل کے نام اللہ کے بندے عمر بن الخطاب کا خط ہے۔ اے دریائے نیل! اگر تو خود بخود جاری ہوا کرتا تھا تو ہم کو کوئی تیری ضرورت نہیں ہے اور اگر تو اللہ کے حکم سے جاری ہوتا تھا تو پھر اللہ کے نام پر جاری ہو جا۔
امیر المومنین نے اس خط کو لفافہ میں بند کر کے قاصد کو دیا اور فرمایا کہ اس کو دریائے نیل میں ڈال دیا جائے چنانچہ فَلَمَّا اُلْقِیَ کِتَابُہٗ فِی النِّیْلِ جَرٰی وَلَمْ یَعُدْ یَقِفُ یعنی جوں ہی آپ کا خط دریائے نیل میں ڈالا گیا۔ فوراً دریا جاری ہو گیا۔ اور پھر کبھی خشک نہیں ہوا۔

دریا میں اونٹ گھوڑے

حضرات اسی طرح حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مدائن کسریٰ کی جانب ایک لشکر بھیجا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس لشکر کے امیر تھے اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کمانڈر تھے۔ جب یہ لشکر دریائے دجلہ کے کنارے پہنچا۔ اور وہاں کوئی کشتی نہ ملی تو حضرت سعد و حضرت خالد دونوں آگے بڑھے اور دریا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یَا بَحْرُ اِنَّكَ تَجْرِیْ بِاَمْرِ اللّٰهِ فَبِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِعَدْلِ عُمَرَ خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَلَّا خَلَّيْتَنَا وَالْعُبُوْرَ ۝ یعنی اے دریا تو خدا کے حکم سے جاری ہے۔ ہم تجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور رسول اللہ کے خلیفہ حضرت عمر کے عدل کا واسطہ دلاتے ہیں تو کیوں نہ ہمیں دریا پار کرنے کے لئے راستہ دیتا ہے۔ نَعْبُرُ الْجَيْشُ بِخَيْلِهٖ وَجِمَالِهٖ وَرِجَالِهٖ اِلَى الْمَدَائِنِ وَلَمْ تَبْتَلَّ حَوَافِرُهَا (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۶۸) چنانچہ یہ لشکر اپنے گھوڑوں، اونٹوں اور آدمیوں کے ساتھ دریا پار کر کے مدائن پہنچ گیا اور کسی جانور کا کھر بھی پانی سے تر نہیں ہوا۔

برادرانِ ملت! یہ دونوں واقعات کتنی واضح دلیل ہیں کہ اولیاء اللہ پانی اور دریاؤں پر بھی حکومت فرماتے ہیں اور دریا بھی ان اللہ والوں کے تابع فرمان ہیں۔

زمین پر حکومت

حضرات! اب یہ بھی سُن لیجئے کہ اولیاء اللہ کی حکومت روئے زمین پر بھی ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالوہاب سبکی نے طبقات الشافعیہ میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ شدید زلزلہ آیا اور زمین ہلنے لگی۔ امیر المومنین کچھ دیر خدا کی حمد و ثنا کرتے رہے مگر زلزلہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو جلال آگیا۔ اور آپ نے اپنا درّہ زمین پر مار کر فرمایا کہ اِقِرِّیْ اَلَمْ اَعْدِلْ عَلَیْكِ فَاسْتَقَرَّتْ مِنْ وَقْتِهَا (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۷۲) اے زمین! ساکن ہو جا کیا میں نے تیرے اوپر عدل نہیں کیا ہے؟ یہ فرماتے ہی فوراً زلزلہ ختم ہو گیا اور زمین ساکن ہو گئی!

ہوا پر حکومت

اچھا اب یہ بھی سُن لیجئے کہ آگ، پانی، مٹی کی طرح ہوا پر بھی اولیاء اللہ کی حکومت ہے غالباً آپ نے بارہا سُنا ہو گا کہ امیر المومنین فاروق اعظم نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر نہاوند کی سرزمین میں جہاد کے لئے بھیجا حضرت ساریہ لشکر کفار کے ساتھ جہاد میں مصروف تھے۔ ایک دن حضرت امیر المومنین مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل اچانک زور زور سے چلا چلا کر آپ نے یہ فرمایا کہ یَا سَارِیَ الْجَبَلَ یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف اپنی پشت کر لو! حاضرین مسجد حیران رہ گئے کہ حضرت ساریہ تو سرزمین نہاوند میں کفار سے جہاد

فرمار ہے ہیں۔ آج امیر المومنین نے انھیں کیسے پکارا؟ پہاڑ کیسا اور پہاڑ کی طرف پشت کرنے کا کیا مطلب؟ سب لوگ متعجب اور حیران ہی تھے کہ نہاوند سے حضرت ساریہ کا قاصد آیا۔ اور اس نے بتایا کہ جوں ہی دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا۔ ایک دم ہمیں شکست ہونے لگی فَاِذَا بِصَائِحٍ یَصِیْحُ یَا سَارِیَ الْجَبَلَ ایکدم ناگہاں ایک چیخنے والے کی آواز آئی۔ جو چلّا چلّا کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ! تم پہاڑ کی طرف اپنی پشت کرلو۔ چنانچہ ہم لوگوں نے جیسے ہی پہاڑ کی طرف پشت کرکے اپنی صف بندی کی۔ ایکدم فوراً ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا فَھَزَمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست دے دی (مشکوٰۃ ص۵۴۶)

برادرانِ ملت! آپ جانتے ہیں کہ آواز کا پہنچانا ہوا کا کام ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ہواؤں کے تموج سے ایک کی آواز دوسرے کے کان میں پہنچتی ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے بغیر کسی برقی قوت اور بغیر کسی ریڈیو اسٹیشن کے صرف زبان سے فرمادیا۔ مگر ہوا چونکہ فاروقی سلطنت کے کنٹرول میں تھی اس لئے ہوا نے آپ کی آواز کو مدینہ منورہ سے نہاوند تک پہنچادیا اور حضرت ساریہ اور ان کی فوج نے اس آواز کو سن لیا۔ اور آپ کی اس جنگی ہدایت پر عمل کرکے فتح مبین حاصل کرلی۔ بلاشبہ یہ واقعہ دلیل ہے کہ اولیاء کی حکومت ہوا پر بھی ہے!

برادرانِ ملت! آپ نے سن لیا کہ آگ، پانی، زمین، ہوا ہر چیز پر اولیاء کی حکومت ہے۔ کون نہیں جانتا؟ کہ آگ، پانی، مٹی، ہوا یہ عناصر اربعہ کہلاتے ہیں تمام کائناتِ ارضی انہیں چار عنصروں سے بنی ہوئی ہیں جب ان چار

عنصروں پر اولیاء کی حکومت ہے تو ثابت ہوا کہ ان چار عناصر سے بنی ہوئی تمام چیزوں پر بھی اولیاء کی حکومت ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! برادرانِ اسلام غور کیجئے کہ اولیاء جب تمام جمادات، نباتات، حیوانات پر حکمراں ہیں اور ہر چیز ان اللہ والوں کی محکوم اور فرماں بردار ہے تو پھر بھلا اولیاء اللہ سے بڑھ کر طاقت و قدرت والا اس دنیا میں کون ہو سکتا ہے؟ اور جب اولیاء سب سے بڑھ کر طاقت ور ہوئے تو پھر کون سی چیز ایسی ہے کہ اولیاء کرام ان سے ڈریں۔ تمام چیزوں تو خود ان اللہ والوں سے ڈر رہی ہیں۔ پھر بھلا اللہ والے کسی چیز سے کیونکر ڈر سکتے ہیں؟ اس لئے حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ یعنی ان اولیاء پر کسی کا کوئی خوف نہیں ہے۔ اور یہ اللہ والے اپنے خدا کے سوا ساری خدائی میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ اولیاء کی نگاہِ قہر سے پہاڑ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ دریاؤں کو اشارہ کر دیں تو پورا لشکر دریاؤں کے اوپر آسانی سے گزر جائے اور کسی کا پاؤں بھی تر نہ ہو۔ جنگل کے خوفناک شیر ان مقدس بندوں کی خدمت گزاری اور سواری میں کام آتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کے خوف سے جنگل کا بادشاہ شیر لرزہ براندام رہتا ہے۔

حضرت شیبان راعی اور شیر

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں۔ ایک مرتبہ حج کے سفر میں ان کی حضرت شیبان راعی سے ملاقات ہو گئی حضرت شیبان راعی بے پڑھے لکھے تھے مگر بہت ہی باکرامت ولی تھے۔ دونوں ایک ساتھ

کرنے لگے راستہ میں یہ دیکھا کہ ایک تنگ پہاڑی راستے پر ایک خطرناک شیر بیٹھا ہوا ہے اور تمام مسافروں کا راستہ روکے ہوئے ہے۔ پورے قافلے میں کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس شیر کو دور سے پتھر مار کر بھی ہٹا دے۔ اتنے میں حضرت شیبان راعی نہایت بے خوفی اور انتہائی بے تکلفی کے ساتھ آگے بڑھے اور جاکر شیر کا کان پکڑ کر اٹھا دیا۔ تو شیر دُم ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور آپ کے ساتھ چلنے لگا (روح البیان ص۳۲۳)

سبحان اللہ! سچ فرمایا حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے ؎

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ　　　که گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

یعنی اے مسلمان! تو بھی خدا کے حکم سے گردن نہ موڑ۔ تو خدا کی کوئی مخلوق بھی تیرے حکم سے گردن نہیں موڑے گی۔

شیر کی سواری

حضرات! شیر پر اولیاء کرام کی حکومت کا ذکر آ گیا تو مجھے ایک مشہور شیر سوار بزرگ حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دلچسپ حکایت یاد آ گئی۔

مثنوی شریف میں حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ شہر طالقان سے ایک درویش نے حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی کا شہرہ سن کر آپ کی زیارت کے لئے خرقان کا سفر کیا۔ یہ درویش حضرت خواجہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ اور کنڈی بجائی۔ تو آپ کی زوجۂ محترمہ نے اندر سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟ اور مقصد کیا ہے؟ درویش نے عرض کیا کہ میں طالقان کا ایک درویش ہوں۔ اور میں قطبِ عالم

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔
بی بی صاحبہ بڑی بدمزاج اور حضرت خواجہ کے بارے میں بڑی زبان دراز تھیں۔ ایک دم گرج کر بولیں کہ ارے تم اس مکار، دغاباز سے کیوں ملنے آئے ہو؟ ارے وہ تو بھوتوں کا جال اور گمراہی کا پھندہ ہے۔ خبردار اس سے مت ملنا۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم اس سے نہ ملو۔ اور فوراً یہاں سے اپنے گھر چلے جاؤ۔ بچارا پردیسی درویش بی بی صاحبہ کی ان بدزبانیوں کو سن کر حیران رہ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یا اللہ! خواجہ خرقانی کی قطبیت اور بزرگی و کرامت کا چرچا تمام عالم میں ہے۔ اور ان کی بیوی صاحبہ ان کے بارے میں اتنے ناشائستہ الفاظ بول رہی ہیں۔ آخر معاملہ کیا ہے؟ اتنے میں کوئی واقف حال آگیا۔ اور اس نے کہا کہ اے درویش! ان کی بدزبانی پر دھیان مت رکھ۔ اور تھوڑی دیر انتظار کر اس وقت حضرت قطب الدیار لکڑی کاٹنے کے لیے جنگل تشریف لے گئے ہیں۔ درویش یہ سنتے ہی شوقِ ملاقات میں جنگل کی طرف چل دیا۔ مگر ابھی تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ ؎

اندریں بود او کہ شیخ نامدار　　　زود پیش افتاد بر شیرے سوار

درویش اپنے خیالات میں گم صم چلا جا رہا تھا کہ شیخ نامدار حضرت خواجہ خرقانی کو دیکھا کہ آپ ایک شیر پر سوار سامنے سے چلے آرہے ہیں۔
حضرت خواجہ کی نظر درویش پر پڑی تو بی بی صاحبہ کی بدگوئی سن کر اس کے دل میں جو خطرات و خیالات پیدا ہو گئے تھے حضرت خواجہ علیہ الرحمہ

نے اپنے کشف باطنی سے سب کچھ پہچان لیا۔ میرے بزرگو اور بھائیو! ہمارے اور آپ کے تو صرف سر ہی میں آنکھیں ہیں جن سے ہم لوگ دیکھتے ہیں مگر اللہ والوں کے سینے میں بھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور جب وہ سینے کی آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں تو سر کی آنکھوں کو بند کر کے دیکھ لیا کرتے ہیں۔ کسی شاعر نے لکھا ہے نا کہ ؎

الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق :: آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لئے

جی! عشق الٰہی کے دیوانوں کی ہر چال ہی اُلٹی ہوا کرتی ہے۔ ہم لوگ تو چیزوں کا آنکھ کھول کر بلکہ بعض لوگ تو آنکھ پھاڑ پھاڑ کر نظارہ کیا کرتے ہیں۔ مگر اللہ والے اپنے سر کی آنکھوں کو بند کر کے خدا اور خدائی کا دیدار کر لیتے ہیں۔

تو حضرت خواجہ خرقانی نے شیر پر سواری کرتے ہوئے دور ہی سے مراقبہ کر کے درویش کے دل میں چھپے ہوئے خیالات و خطرات کا نظارہ فرما لیا! اور

دیدش از دور و بخندید آں خدیو :: گفت آں را مشنو اے مفتون دیو

حضرت خواجہ نے درویش کو دور سے دیکھا اور ہنستے ہوئے فرمایا کہ اے شیطانی خیالات کے فریب خوردہ درویش! میری بیوی کی باتوں پر کان مت دھرنا۔ سن! میری بیوی کی بدگوئی اور بدزبانی کا ایک بڑا خاص راز ہے جس کی تجھے خبر نہیں تو بھلا اس راز کو کیا سمجھ سکتا ہے؟ اے درویش! سُن :۔

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن :: کے کشیدے شیر نر بیگار من

اگر بیوی کا بار گراں میرا صبر نہ اُٹھاتا تو بھلا شیر نر کب اور کس طرح میری بیگاری کرتا؟

کانبیا رنج خساں بس دیدہ اند   زیں چنیں ماراں بسے پیچیدہ اند

خدا کے مقدس انبیاء علیہم السلام بھی ایسے کمینوں سے ہمیشہ دُکھ اُٹھاتے رہے۔ اور ایسے سانپوں سے پیچ و تاب کھاتے رہے۔ اللہ والوں کا یہی دستور ہے کہ وہ جس قدر کمینوں کی ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں اسی قدر ان کے درجات و مراتب میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہ راز ہے کہ میری بیوی میرے حق میں ہمیشہ اسی طرح کی بدگوئی کر کے مجھے ایذا دیتی ہے۔ اور میں اس کی ان ایذا رسانیوں پر صبر کرتا ہوں اور اس طرح مجھے انبیاء علیہم السلام کی سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے

حضرات! بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اولیاء کرام کو خداوند عالم نے ایسی طاقت و قدرت عطا فرمائی ہے کہ کائناتِ عالم ان کے زیر فرمان ہے اور وہ چرندے، پرندے، درندے تمام جانوروں بلکہ نباتات، جمادات حیوانات، بلکہ دریاؤں، پہاڑوں، جن وانس غرض تمام مخلوقات پر حکومت کرتے ہیں۔ اس لیے بھلا کون سی ایسی چیز ہے جس سے وہ ڈریں گے؟ اسی لیے خداوند قدوس نے اولیاء کی شان میں فرمایا کہ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ یعنی اولیاء کرام پر کسی چیز کا خوف نہیں ہے

برادرانِ ملت! ان اللہ والوں کے درجات و مراتب اور بارگاہِ خداوندی میں ان کی مقبولیت و محبوبیت کا کیا کہنا؟ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے جس کے مصداق مجذوب اولیاء ہیں۔

مجذوب اولیاء حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْاَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ یعنی بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے بال الجھے ہوئے اور وہ گردوغبار میں اَٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے خستہ حال ہوتے ہیں کہ اگر وہ لوگوں کے دروازوں پر جائیں تو لوگ حقارت سے انھیں دھکا دیکر نکال دیں۔ لیکن خدا کے دربار میں ان کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھالیں تو پروردگارِ عالم ضرور ضرور ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔ اور ان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے ؎

گفتہ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

ان کا کہا ہوا کلام اگرچہ اللہ کے بندے کی زبان سے نکل رہا ہے مگر تم یہ سمجھو کہ وہ اللہ کا فرمان ہے جو ایک بندے کی زبان سے نکل رہا ہے۔ گویا جو کچھ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے وہی تقدیرِ الٰہی ہوا کرتی ہے۔

حضرت مولائے روم انہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

بے ادب ہرگز نہ باشی با ملنگ ہست او دریائے وحدت را نہنگ

خبردار! ہرگز مجذوبوں کے ساتھ کبھی بے ادبی مت کرنا یہ لوگ دریائے وحدت کے مگرمچھ ہیں۔ جس طرح مگرمچھ دریا میں بے خوف و خطر پھرتا ہے اسی طرح یہ لوگ ہر خوف و غم سے بے نیاز ہو کر دنیا میں چلتے پھرتے رہتے ہیں۔

گرچہ ظاہر می شود از خاکسار
باطنش از نورِ معنی بر شمار

اگرچہ ظاہر میں یہ لوگ خاک آلود میلے کچیلے ہوتے ہیں مگر ان کے باطن کو نورِ حقیقت سے مالا مال سمجھو۔

قبل مردن خویش را فانی کنند
درجہان دین سلطانی کنند

یہ لوگ مُوتُوا قَبلَ اَن تَمُوتُوا پر عمل کرتے ہوئے موت سے پہلے ہی فانی ہو جاتے ہیں۔ مگر دین کی دنیا میں یہ لوگ بادشاہی کرتے ہیں۔

برادرانِ ملت! اس سے بڑھ کر بادشاہی اور کیا ہو گی؟ کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے خداوند قدوس ان کی بات کو پوری فرما دیتا ہے

نہ جانے کیا ہے؟

حضرات! احمد آباد میں حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ کی کرامت کا حال تو غالباً آپ لوگوں نے سنا ہو گا۔ ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ رات میں تہجد کے وقت اُٹھے تو اس لکڑی سے آپ کے پاؤں میں ٹھوکر لگ گئی بے ساختہ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ لوہا ہے؟ لکڑی ہے؟ کنکر ہے؟ پتھر ہے؟ نہ جانے کیا ہے؟ لوگوں نے صبح کو دیکھا تو اس میں لوہا، لکڑی، کنکر پتھر سب کچھ تھا۔ اور ایک ایسی چیز بھی اس میں نمودار ہو گئی کہ کسی نے اس کو نہیں پہچانا۔ اور سب نے یہی کہا کہ۔ نہ جانے کیا ہے؟ آج بھی یہ لکڑی کا ٹکڑا احمد آباد سے چند میل دور بٹوہ میں حضرت قطب عالم علیہ الرحمہ کے مزار کے قریب رکھا ہوا ہے اور ہر دیکھنے والا اس میں لوہے۔ لکڑی، کنکر، پتھر کو تو پہچان لیتا ہے۔ مگر اس خاص چیز کو ہر دیکھنے والا دیکھ کر یہی کہتا ہے کہ نہ جانے کیا ہے؟ حد ہو گئی کہ اس کو

کاٹ کر انگریز لندن لے گئے اور اس کو لیبارٹری میں جانچ پڑتال کرتے رہے۔ اور آخر مجبور ہو کر ان لوگوں نے بھی یہی کہہ دیا کہ نہ جانے کیا ہے؟ دیکھا آپ نے حضرت قطب عالم کی زبان سے جو کچھ نکلتا گیا۔ خداوند عالم نے وہ سب اُس لکڑی میں پیدا فرما دیا۔ اور آپ کی زبان مبارک سے یہ نکلا کہ "نہ جانے کیا ہے"، تو خداوند عالم نے اس میں ایک ایسی چیز بھی پیدا فرما دی جس کے لیے سب لوگ قیامت تک یہی کہتے رہیں گے کہ "نہ جانے کیا ہے"؟

تیری قبر پر بچھو، تیری قبر پر گدھے

حضرات! امروہہ ضلع مراد آباد میں حضرت شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ کا مزار ہے۔ آپ جب امروہہ میں تشریف لائے تو حضرت شاہ نصیر الدین علیہ الرحمۃ نے آپ کو امروہہ میں قیام سے منع فرمایا۔ مگر چونکہ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کے حکم سے امروہہ آئے تھے اس لیے آپ نے حضرت شاہ نصیر الدین علیہ الرحمہ کی بات نہیں مانی۔ ایکدم شاہ نصیر الدین علیہ الرحمہ کو جلال آگیا اور آپ نے فرمایا کہ "تیری قبر پر بچھو رہیں گے" حضرت شاہ ولایت بھی جلال میں آگئے اور آپ نے فرما دیا کہ تیری قبر پر گدھے رہیں گے حضرت شاہ نصیر الدین نے فرمایا کہ اب تم نے کہدیا تو میری قبر پر گدھے تو ضرور رہیں گے مگر پیشاب اور لید سے گندگی نہیں پھیلائیں گے۔ تو حضرت شاہ ولایت نے بھی فرمایا کہ تم نے کہہ دیا ہے تو میری قبر پر بچھو ضرور رہیں گے مگر یاد رکھنا کہ وہ کسی کو ڈنک نہیں ماریں گے۔

برادرانِ ملت! آج بھی امروہہ جاکر تم اپنی آنکھوں سے یہ دونوں کرامتیں دیکھ سکتے ہو کہ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بکثرت بچھو ملتے ہیں مگر درگاہ کے احاطہ میں کسی کو ڈنک نہیں مارتے میں نے خود بارہا ان بچھوؤں کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ ان کے ڈنکوں پر انگلی رکھ دی ہے مگر کبھی کسی بچھو نے ڈنک نہیں مارا۔ اور آج بھی اگر کمہاروں کا گدھا گم ہو جاتا ہے اور وہ دودھ بتاشہ لے کر حضرت شاہ نصیر الدین علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں تو کھویا ہوا گدھا ان کے مزار کے پاس مل جاتا ہے۔ مگر کبھی کسی گدھے نے وہاں لید یا پیشاب نہیں کیا!

برادرانِ ملت! یہ سب کیا ہے؟ یاد رکھو! یہ وہی بات ہے کہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ‏ ‏ ‏ ‏ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی اولیاء کا کہا ہوا۔ اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ اللہ کے بندے کی حلق سے نکلا ہوا کلام ہوتا ہے۔ خیر برادرانِ ملت! ان واقعات کے ذکر سے بات بڑھ گئی۔ اب میں پھر آپ کی توجہ اُسی مضمون کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں میں اپنی قدرت و طاقت کا ایک خاص جلوہ عطا فرماتا ہے اور اللہ والوں کے اعضاء کی قدرت و توانائی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کی قدرت و طاقت کو دیکھ کر خدا کی قدرت و طاقت یاد آجاتی ہے۔ اللہ والوں کے کان کی قوتِ سماعت

دیکھنی ہو تو حضرت فاروقِ اعظم کی ایک کرامت سنو!

یَا لَبَّیکَاہُ یَا لَبَّیکَاہُ

حضرت فاروقِ اعظم نے ایک مرتبہ بہت دور جہاد کے لئے ایک لشکر بھیجا ایک دن آپ نے مدینہ منورہ میں زور زور سے یہ فرمایا کہ "یَا لَبَّیکَاہُ یَا لَبَّیکَاہُ" یعنی اے شخص میں تیری پکار پر حاضر ہوں، میں تیری پکار پر حاضر ہوں۔ لوگوں کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ کہ امیر المومنین کس کی پکار پر لبیک فرما رہے ہیں؟ لیکن جب وہ لشکر مدینہ واپس آیا۔ اور اس لشکر کا سپہ سالار اپنی فتوحات کا تذکرہ کرنے لگا تو امیر المومنین نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑو پہلے یہ بتاؤ کہ جس شخص کو تم نے زبردستی دریا میں اُتارا تھا۔ اس کا کیا حال ہوا؟ سپہ سالار نے لرزتے ہوئے عرض کیا کہ امیر المومنین میں نے اس کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ چونکہ مجھے لشکر کو دریا کے پار لیجانا تھا اس لئے پانی کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے اس کو برہنہ کر کے پانی میں اُترنے کا حکم دیا تھا لیکن موسم بہت سرد تھا اس کو سردی لگ گئی اور کانپتے ہوئے اس نے دو مرتبہ یَا عُمَرَاہُ یا عمراہ کہہ کر آپ کو پکارا۔ اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ جب اہل مدینہ نے یہ سُنا تو ان لوگوں کی سمجھ میں آگیا کہ امیر المومنین نے جو دو مرتبہ یا لبیکاہ یا لبیکاہ فرمایا تھا یہ اسی مظلوم کی پکار کا جواب تھا۔ امیر المومنین نے سپہ سالار کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم اپنے مال سے اُس کے وارثوں کو اس کا خوں بہا ادا کرو اور خبردار! آئندہ کسی مجاہد سے کبھی ایسا کوئی کام نہ لینا جو اس کی ہلاکت کا باعث

ہو جائے۔ کیونکہ میرے نزدیک ایک مسلمان کا مقتول ہو جانا بڑی سے بڑی ہلاکی سے بھی بڑھ کر ہلاکت ہے۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۶۲)

برادرانِ ملت! آپ نے غور فرمایا۔ سیکروں میل کی دوری پر ایک مجاہد یا عمراہ کہہ کر امیر المومنین کو پکارتا ہے تو آپ اس کی آواز کو سن لیتے ہیں۔ پھر نگاہ اُٹھا کر اس کو دیکھ بھی لیتے ہیں اور اس کی فریاد کا جواب بھی دیتے ہیں۔

مسلمانو! للہ بتاؤ؟ کیا ہمارے اور آپ کے کان اور آنکھ میں یہ طاقت و قوت ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ کام تو اسی کان اور آنکھ سے انجام پا سکتا ہے جن کانوں اور آنکھوں میں خداوند عالم کی قوت و قدرت کی جلوہ گری ہو اور ایسے کان اور ایسی آنکھ صرف ان محبوبان بارگاہ الٰہی کے پاس ہیں جس کو حدیث میں کُنْتُ سَمْعَہٗ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ فرمایا گیا۔ کہ خدا ان بندوں کے کان ہو جاتا ہے جن سے یہ لوگ سنتے ہیں اور خدا ان بندوں کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے یہ لوگ دیکھتے ہیں۔ پڑھئے درود شریف:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

برادران ملت! یہ تو امیر المومنین فاروق اعظم کی کرامتیں ہیں جو صحابی رسول اور جانشین پیغمبر ہیں ان کی شانِ ولایت کا تو کیا کہنا؟ میرے بزرگو اور بھائیو! ان کے غلام غلامان دوسرے اولیاء کرام کی ایسی بے شمار کرامتیں کہ انہوں نے سیکڑوں میل دور کی چیزوں کو دیکھ لیا۔

ہزاروں میل سے پکارنے والوں کی فریادیں سُن لیں اور ان کی امداد بھی فرمائی۔

شیخ صنعانی کا انجام

حضرات گرامی! حضور سیدنا محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اپنے وعظ کی مجلس میں یہ اعلان فرمایا کہ اَلَا اِنَّ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ ۔ یعنی سنو میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے تو تین سو تیرہ صاحبان حال اور اولیاء کرام نے اپنا اپنا سر جھکا کر ادب سے عرض کیا کہ "بَلْ عَلَی الرَّاْسِ وَالْعَیْنِ" یعنی اے محبوب سبحانی! آپ کا قدم ہمارے گردنوں ہی پر نہیں بلکہ آپ کا قدم تو ہمارے سروں اور آنکھوں پر ہے۔ (بہجۃ الاسرار) مگر ایک بزرگ حضرت شیخ صنعانی علیہ الرحمہ جو سیکڑوں میل دور تھے انھیں غیرت آگئی اور انہوں نے اکڑ کر فرمایا کہ اے عبدالقادر جیلانی تمہارا قدم میری گردن پر نہیں ہے۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے سیکڑوں میل کی دوری سے شیخ صنعانی کی آواز کو سن لیا اور ان کو دیکھ کر پہچان بھی لیا۔ پھر آپ پر غوثیت کا جلال طاری ہوا۔ آپ نے فرمایا عَلٰی رَقَبَتِہٖ رِجْلُ الْخِنْزِیْرِ" یعنی شیخ صنعانی کی گردن پر خنزیر کا قدم ہوگا۔ اللہ اکبر! حضرت غوثیت مآب کے فرمان کا یہ اثر ہوا کہ شیخ صنعانی اپنے چار سو مریدوں کو ہمراہ لے کر حج کے لئے جا رہے تھے مگر راستے میں ایک عیسائی کی لڑکی پر عاشق ہو گئے اور نکاح کا پیغام دے دیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ ہماری قوم کا رواج ہے

کہ ہونے والا دولھا چند دنوں اپنی سسرال کی خنزیریں چرایا کرتا ہے مسلمانو! خدا کی پناہ شیخ صنعانی خنزیر چرانے لگے۔ اور خنزیر کا چھوٹا بچہ جو چل نہیں سکتا تھا شیخ صنعانی نے اس کو اپنے کندھے پر اٹھایا تمام مریدین برگشتہ ہو کر چلے گئے مگر دو مخلص مریدوں نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ اور کہا کہ ہمارا شیخ اس وقت عتاب میں پڑ گیا ہے۔ جب اچھی حالت میں ہم نے شیخ کا ساتھ نہیں چھوڑا تو اس حالت میں بھی ہم شیخ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ شیخ صنعانی کو عیسائیوں نے گرجا گھر میں نکاح کے لئے بلایا اور وہ ایک ہاتھ میں شراب کا پیالہ اور دوسرے ہاتھ میں خنزیر کے گوشت کا برتن لیکر چلے۔ اس حالت میں دونوں نے بغداد شریف کی طرف منہ کر کے حضرت غوث اعظم کی درگاہ میں استغاثہ و فریاد کیا۔ حضرت غوث اعظم کو رحم آگیا۔ اور آپ نے شیخ صنعانی کے قلب پر ایسا تصرف فرمایا کہ ناگہاں انکا دل بدل گیا اور انہوں نے خنزیر کا گوشت اور شراب کا پیالہ پھینک دیا۔ اور توبہ و استغفار کر کے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے لوٹ آئے اور دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ مجھے فوراً بغداد شریف لے چلو۔ چنانچہ پاپیادہ بغداد شریف روانہ ہو گئے۔ اور مریدوں سے فرمایا کہ میں بارگاہ غوثیت کا مجرم ہوں تم لوگ میرا چہرہ سیاہ کر کے اور میرے ہاتھ پاؤں میں رسی باندھ کر بارگاہ غوث میں لے چلو۔ تاکہ وہ میرے حال پر رحم فرما کر مجھے معاف کر دیں۔ چنانچہ مریدوں نے حکم کی تعمیل کی۔ مگر شیخ صنعانی جب اس حال میں بغداد شریف پہنچے تو حضرت غوث اعظم نے آپ پر یہ کرم فرمایا کہ آگے بڑھ کر شیخ صنعانی

کو اپنے سینے سے لگالیا - اور ان کی سلب شدہ ولایت دوبارہ انھیں مل گئی پھر حضرت غوث اعظم نے فرمایا کہ اے شیخ صنعانی! میں نے جو یہ اعلان کیا کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔ تو میں نے اپنی طرف سے اعلان نہیں کیا تھا۔ بلکہ خدا کی طرف سے میں یہ کہنے پر مامور کیا گیا تھا۔ تم نے اس کا انکار کیا۔ اس لیے تم خدا کی طرف سے ایسے خطرناک عتاب میں مبتلا کئے گئے۔ اسکے بعد حضور غوث اعظم نے انھیں حمام میں بھیج کر غسل کا حکم دیا اور پھر اپنا لباس خاص عطا فرما کر اپنی مسند پر بٹھا کر اپنی نوازشوں سے سرفراز فرمایا۔

(تفریح الخاطر فی مناقب عبد القادر)

برادران ملت! دیکھا آپ نے؟ حضرت غوث الاعظم نے سیکڑوں میل کی دوری پر شیخ صنعانی کے انکار کو سُن لیا۔ انھیں دیکھ لیا۔ پھر انہیں عتاب میں مبتلا کر دیا۔ پھر مریدوں کی فریاد سُن کر انھیں عتاب سے نکال لیا۔ یہ ہے اولیاء کی قدرت وطاقت کے آفتاب کی تجلیاں!

غوث اعظم کی کھڑاؤں

اسی طرح شیخ عبد الحی حریمی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ۳ صفر ۵۵۵ھ کو ہم لوگ حضرت غوثیت مآب کے مدرسہ میں حاضر تھے۔ ہم نے بچشم خود دیکھا کہ حضرت غوث اعظم نے وضو فرمایا اور اپنی گیلی کھڑاؤں کو یکے بعد دیگرے ہوا میں پھینک دیا۔ اور وہ دونوں نظروں سے غائب ہو گئیں۔ کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ کچھ دریافت کرتا۔ سب خاموش رہے۔ ۲۳ دنوں کے بعد بلاد عجم سے ایک قافلہ آیا جس نے آپ کی دونوں کھڑاؤں اور کچھ نذر پیش کی۔ اور ان قافلہ والوں نے

بتایا کہ ہم لوگ ایک جنگل میں تھے کہ ناگہاں ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ ہمارے چند آدمی مارے گئے۔ اور ڈاکوؤں نے ہمارے قافلہ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جب ہم لوگ مقابلہ سے لاچار ہو گئے۔ تو ہم نے بلند آواز سے یہ کہا کہ "اَغِثْنِیْ یَا شَیخ عبد القادر"۔ اور کچھ نذر بھی مان لی۔ اس کے بعد ناگہاں جنگل میں ایک خوفناک آواز آئی۔ جس سے سارا جنگل دہل گیا۔ اور یہ کھڑاؤں ڈاکوؤں کے سردار کے سر پر لگی اور وہ فوراً ہی ہلاک ہو گیا۔ پھر دوسری کھڑاؤں بھی ایک بڑے ڈاکو کے سر پر لگی اور وہ بھی مر گیا۔ ڈاکوؤں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ہمارا سارا مال چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ ہم نے کھڑاؤں کو دیکھا تو وہ گیلی تھی۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرات یہ واقعہ بھی دلیل ہے کہ سیکڑوں میل دور سے فریادی کی پکار کو جناب غوثیت مآب نے سُن لیا۔ اور پھر حملہ آور ڈاکوؤں کو دیکھ بھی لیا کہ وہ کہاں ہیں؟ پھر اتنی دور سے اپنی کھڑاؤں سے مار کر انھیں ہلاک کر دیا۔ یقیناً یہ اسی آنکھ، کان، اور ہاتھ کے کارنامے ہیں جن میں حضرت حق جل مجدہٗ کی طاقت و قدرت کی جلوہ فرمائی ہے۔

نجم الدین کبریٰ کا لوٹا

اسی طرح حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے مرید امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ پر سکرات کے عالم میں شیطان نے حملہ کیا۔ اور توحید الٰہی کی تین سو ساٹھ دلیلیں جو آپ بیان فرمایا کرتے تھے شیطان نے سب کو

توڑ پھوڑ کر رد کر دیا اور آپ بدحواس ہو گئے۔ حضرت خواجہ سیکڑوں میل دور وضو فرما رہے تھے۔ امام رازی کا حال دیکھ کر آپ کو جلال آ گیا اور آپ نے اپنا لوٹا چلا کر شیطان کو مارا۔ اور فرمایا کہ فخر رازی! تم کہدو کہ میں نے دل سے خدا کو ایک مانا۔ مجھے دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ نجم الدین کبریٰ کا لوٹا امام فخرالدین رازی کے سرہانے گرا اور امام رازی نے اپنے پیر کی آواز سُن لی۔ پھر آپ نے شیطان سے یہ فرما دیا کہ میں نے بلا دلیل کے اپنے دل سے خدا کو ایک مان لیا ہے لا اِلٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ پڑھا اور امام رازی کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

پڑھیے درود شریف اللھم صل علی محمد وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم

یار کی خوشبو برادرانِ اسلام! حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کی مشہور کرامت ہے کہ ایک دن آپ خرقان نامی گاؤں کے قریب سے گزرے۔ تو سانس اوپر کو کھینچنے لگے۔ جیسے کسی چیز کی خوشبو سونگھ رہے ہوں۔ مریدوں نے عرض کیا کہ حضور کس چیز کی خوشبو سونگھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس خرقان گاؤں سے اپنے ایک یار کی خوشبو آ رہی ہے۔ مولانائے روم نے اس حکایت کو بڑی شان و شوکت سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎

آں شنیدی داستانِ بایزید کوز حال بوالحسن پیشیں چہ دید

مولانا فرماتے ہیں کہ تم نے خواجہ بایزید بسطامی کی وہ حکایت بھی سُنی ہے؟ کہ آپ نے خواجہ ابوالحسن خرقانی کی پیدائش سے برسوں پہلے ان کا حال دیکھ لیا تھا

گفت بوئے خویش زیابے می رسد کاندریں دہ شہریارے می رسد

آپ نے یہ فرمایا کہ مجھ کو اس گاؤں سے اپنے یار کی خوشبو آرہی ہے کیونکہ اس گاؤں میں ایک شاہ ولایت پیدا ہونے والا ہے۔ پھر آپ نے سن، مہینہ، تاریخ سب کچھ بتادیا کہ وہ کس وقت پیدا ہوں گے۔ ایک مرید نے دریافت کیا کہ حضور ان کا نام کیا ہے

چیست نامش گفت نامش بوالحسن حلیہ اش واگفت زابرو تا زقن

تو آپ نے فرمایا کہ ان کا نام ابوالحسن ہوگا۔ پھر آپ نے بھوں سے لیکر ٹھوڑی تک ان کا پورا پورا اور صاف صاف حلیہ بھی بتادیا کہ ان کی آنکھ ایسی ناک ایسی، اور رخسار ایسے ہوں گے۔

چنانچہ آپ کے بتائے ہوئے وقت اور تاریخ پر خرقان میں خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے روایت ہے کہ جب خواجہ ابوالحسن سن شعور کو پہنچے تو حضرت خواجہ بایزید بسطامی کے مزار پر جاکر مراقبہ کیا۔ چنانچہ خواجہ بایزید بسطامی ایک دن قبر سے باہر ظاہر ہوئے اور ان کو سینے سے لگاکر اپنی نسبت و خلافت سے سرفراز فرمادیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی کی وفات کے ۳۹ برس بعد خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے۔

برادرانِ اسلام! یہ ہے اللہ والوں کی بصارت کا عالم کہ جو بچہ ابھی برسوں بعد پیدا ہونے والا ہے اس کی خوشبو سونگھ کر اس کو دیکھ لیا ناک نقشہ اور حلیہ بھی دیکھ لیا، اس کے مراتب و درجات کو بھی دیکھ کر بتادیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولائے روم فرماتے ہیں کہ؎

لوح محفوظ است پیش اولیاء　　از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی اولیاء کرام کی نظر کا تو یہ عالم ہے کہ لوح محفوظ اولیاء کی نظروں کے سامنے رہتی ہے۔ لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے؟ کون نہیں جانتا کہ ازل سے ابد تک کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لوح میں نہ لکھی ہوئی ہو۔

برادرانِ ملت! سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں اولیاء کی ایسی کرامتیں منقول ہیں کہ انہوں نے سیکڑوں، ہزاروں میل کی چیزوں کو دیکھ لیا۔ دور دراز کی آوازوں کو سُن لیا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر سیکڑوں ہزاروں میل کی دوری پر طرح طرح کا تصرف فرما دیا مگر آج کل کے منکرینِ اولیاء ان کرامتوں پر تعجب کرکے مذاق اُڑاتے ہیں۔ اور ان روایتوں کو بے سر پیر کی لغویات بتاتے ہیں۔ اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید سے بھی اس قسم کی ایک کرامت سنا دوں۔ کیونکہ قرآن مجید کی صداقت پر تو منکرین اولیاء بھی ایمان رکھتے ہیں!

آصف بن برخیا کی کرامت

حضرات! تختِ بلقیس کا واقعہ تو غالباً آپ لوگوں نے سُنا ہوگا۔ قرآن مجید کی سورۂ نمل میں ہے کہ بلقیس شہر سبا کی رانی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو خط لکھا کہ تم اپنے درباریوں کے ساتھ مسلمان ہو کر میرے دربار میں حاضر ہو جاؤ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

اے درباریو! تم میں کون ایسا ہے؟ کہ بلقیس اور اس کے درباریوں کے مسلمان

ہو کر یہاں آنے سے پہلے ہی بلقیس کا تخت میرے پاس لے آئے۔
قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۝ ایک بڑا سرکش جن بولا کہ میں وہ تخت آپ کے پاس آپ کا اجلاس برخواست ہونے سے پہلے ہی حاضر کردوں گا۔ اور آپ یقین فرمائیے کہ مجھے اس کی قوت ہے اور میں نہایت امانت دار ہوں۔
جن کی بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے بھی جلد اس تخت کو لانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ اس وقت دربار میں حضرت آصف بن برخیا بھی حاضر تھے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے۔ اور بہت ہی صاحب کرامت ولی بھی تھے۔ انھوں نے کہا، قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۝ انھوں نے عرض کیا جنھیں کتاب الٰہی کا علم تھا کہ میں اس تخت کو ایک پلک مارنے سے پہلے ہی حاضر کردوں گا۔ چنانچہ حضرت آصف بن برخیا نے ہاتھ بڑھا کر ایک سکنڈ میں تختِ بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کردیا
فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ قَالَ هَٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝ پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے

شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پرواہ اور بڑا کرم والا ہے
برادرانِ ملت! روایت ہے کہ تخت بلقیس اسی ہاتھ لمبا چالیس
ہاتھ چوڑا تھا اور سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع و مزین تھا۔ اور اتنا
وزنی تھا کہ ایک بہت بڑی جماعت اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹا
سکتی تھی۔ مگر حضرت آصف بن برخیا نے پہلے اتنی دور سے اس تخت کو
دیکھا کہ وہ کہاں ہے؟ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کو اُٹھا لائے۔ مسلمانو! قرآن
نے ہمیں بتا دیا کہ ایک ولی کی نظر کا کمال اور اس کے ہاتھوں کی قدرت و
طاقت کا کیا عالم ہوتا ہے، یاد رکھئے کہ حضرت آصف بن برخیا نبی نہیں تھے
بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اُمت کے ولی تھے۔ اور یہ بات اچھی طرح
ذہن میں رکھئے کہ جتنی عظمت و طاقت والا نبی ہوگا۔ اس کی امت کے
اولیاء بھی اُسی لحاظ سے عظمت و طاقت والے ہوں گے کیونکہ یہ مسئلہ
اپنی جگہ ثابت ہے کہ ہر ولی کی کرامت درحقیقت اس کے نبی کا معجزہ ہوا
کرتا ہے۔ تو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی کی کرامت
کا یہ حال ہے تو پھر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت سلیمان
علیہ السلام کے بھی نبی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کی امت کے اولیاء حضرت
سلیمان علیہ السلام کی اُمت کے اولیاء سے افضل و اعلیٰ ہی ہوں گے۔ تو اگر حضور
رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء ہزاروں میل کی دوری
پر ہونے والے واقعات اور اشیاء کو دیکھ لیں۔ سیکڑوں میل دور سے فریادیوں
کی فریاد کو سُن لیں اور لوگوں کی فریاد رسی فرمائیں تو اس میں کون سا تعجب

کا مقام ہے؟

محترم حاضرین! کَرَامَةُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ یعنی اولیاء کرام کی کرامت حق ہے۔ یہ عقائد کا مسلمہ مسئلہ ہے لہٰذا اولیائے کرام کی کرامتیں برحق ہیں۔ اس کا انکار اعلیٰ درجے کی شقاوت و محرومی اور بدترین بدمذہبیت ہے۔ درحقیقت ان منکرین اولیاء کو خبر نہیں کہ بارگاہ کبریا میں اللہ والوں کی مقبولیت و محبوبیت کا کیا عالم ہے؟ اولیائے کرام پر خداوند قدوس کا کتنا پیار ہے اس کا اندازہ لگانا ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک حکایت سنئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک ولی

مولانا رومی علیہ الرحمہ ایک حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ ؎

آمد از حق سوئے موسیٰ ایں عتیب کاے طلوع ماہ دیدہ تو زجیب

یعنی خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کچھ تھوڑا سا عتاب ہوا۔ اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے تم کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ تم اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالتے ہو تو تمہاری ہتھیلی چاند کی طرح چمکنے لگتی ہے۔

مشرقت کردم ز نور ایزدی من حقم رنجور گشتم نامدی

میں نے تمہیں اپنے نور سے جگمگا دیا۔ اور میں تمہارا خدا ہوں۔ لیکن میں بیمار ہو گیا تو تم میرے پاس نہیں آئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام خداوند قدوس کا یہ عتاب سن کر حیران رہ گئے۔ اور جناب باری تعالیٰ میں عرض

کیا کہ ؎

گفت سبحانا تو پاکی از زیاں　　ایں چہ رمزے ہست یارب کن بیاں

اے خداوند سبحان! تو حرج و مرض ہر قسم کے نقصان سے پاک ہے اور تو یہ فرما رہا ہے کہ میں بیمار ہو گیا۔ تو اے میرے سبحان تو کس طرح بیمار ہو سکتا ہے؟ میں اس رمز کو نہیں سمجھ سکا۔ الٰہی تو اس راز کو مجھ سے بیان فرمادے۔

گفت آرے بندۂ خاص گزیں　　گشت رنجور آں منم نیکش ببیں

تو باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! میرا ایک خاص برگزیدہ بندہ بیمار ہو گیا تھا۔ اس کی بیماری کو میں یوں کہہ رہا ہوں کہ میں بیمار ہو گیا تھا کیوں؟ اس لئے کہ

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　او نشیند در حضور اولیاء

جو شخص خدا کے ساتھ ہم نشینی کا خواستگار ہو اس کو چاہئے کہ وہ اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر　ان کی صحبت میں بیٹھے۔

اللہ اکبر! مسلمان بھائیو! غور کرو کہ اولیاء کرام کو بارگاہ رب العزت میں کس قدر تقرب، کتنی مقبولیت و محبوبیت ہے کہ خداوندِ سبوح و قدوس ان کی بیماری کو اپنی بیماری ان کی خدمت کو اپنی خدمت ان کی ہم نشینی کو اپنی ہم نشینی فرما رہا ہے۔

اولیاء پر خدا کا پیار　بزرگان ملت! اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی سُن لیجئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روایت فرماتے ہیں کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں سے یوں فرمائے گا کہ یَاابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوگیا تھا تو تو میری بیمار پرسی کے لیے نہیں آیا؟ قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ہ بندہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار! تو کیسے بیمار ہوتا اور میں کیسے تیری بیمار پرسی کے لئے آتا جب کہ تو سارے جہاں کا پالنے والا ہے قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تجھے نہیں معلوم؟ کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوگیا تھا۔ لیکن تو اس کی عیادت کے لئے نہیں آیا اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْ عُدْتَّہٗ لَوَجَدْتَنِیْ عِنْدَہٗ کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس بندے کی بیمار پرسی کے لیے آتا تو اس بندے کے پاس تو مجھے یعنی میری رضا کو پالیتا۔ یَاابْنَ آدَمَ اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔ مگر تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اُطْعِمُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ بندہ کہے گا اے میرے پروردگار! میں کس طرح تجھ کو کھانا کھلاتا جبکہ تو رب العالمین ہے۔ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّہٗ اِسْتَطْعَمَکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْہُ۔ باری تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھ کو یہ علم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اَمَا عَلِمْتَ لَوْ اَنَّکَ اَطْعَمْتَہٗ لَوَجَدْتَ ذٰلِکَ عِنْدِیْ کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو میرے اس بندے کو

کھانا کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس پاتا یَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَیْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ خداوند تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اَسْقِیْکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ بندہ عرض کرے گا کہ اے پالن ہار! میں تجھے کس طرح پانی پلاتا جبکہ تو سارے عالم کا پالنے والا ہے قَالَ اِسْتَسْقَاکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِہٖ اَمَا اِنَّکَ لَوْ سَقَیْتَہٗ وَجَدْتَّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ (مشکوٰۃ شریف ص۱۳۳) باری تعالیٰ عز اسمہٗ فرمائے گا کہ خبردار! میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا۔ سُن! اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس پانی کو میرے پاس پاتا۔

بہر کیف برادرانِ ملت! بہت سے ایسے اللہ کے بندے ہیں جو بظاہر میلے کچیلے، غبار آلود ہوتے ہیں مگر تمہیں کیا معلوم؟ کہ یہ اللہ کے دربار میں کتنے مقبول و محبوب ہوتے ہیں۔ اسی لئے شیخ سعدی نے فرمایا کہ

خاکساران جہاں را بحقارت منگر	تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی اس دنیا میں میلے کچیلے خاکسار بندوں کو حقارت کے ساتھ مت دیکھو۔ تمہیں کیا خبر؟ شاید اس گرد میں کوئی میدان ولایت کا شہسوار چھپا ہوا ہو۔ مثل مشہور ہے کہ کبھی کبھی گدڑی میں بھی لعل ہوا کرتا ہے۔

خستہ حال فقراء

اس لیے خستہ حال فقراء جو کبھی کبھی کھانا پانی کا سوال کرتے رہتے ہیں۔ ہرگز ہرگز ان کو حقارت کے ساتھ جھڑکنا نہیں چاہئے بلکہ اگر ہو سکے تو ان کے سوال کو پورا کر دینا چاہئے

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کتنی نفیس بات فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ؂

خورش دہ بہ دُرّاج و کبک و حمام کہ روزے ہُمائے بیفتد بہ دام

یعنی تیتر، چکور، کبوتر سب کو دانہ کھلاتے رہیے۔ ممکن ہے کسی دن ہُما بھی تمہارے جال میں آجائے۔ مسلمانو! ہُما وہ پرند ہے جس کے گھر آجائے وہ بہت ہی خوش نصیب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم سب کو جو تمہارے دروازے پر آجائے کھانا کھلاتے رہو۔ جب تمہارے دروازے پر کھانا ملتا رہے گا تو تیتر، چکور، کبوتر جیسے ایرے غیرے بھی آتے اور کھاتے رہیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی دن کوئی ہُما صفت اللہ والا بھی تمہارے گھر پر آجائے۔ تو تمہاری قسمت کا ستارہ چمک اُٹھے گا!

آپ یہ حدیث سُن چکے کہ اللہ والوں کے بارے میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ لَئِنْ سَأَلَنِیْ لَأُعْطِیَنَّہٗ، یعنی محبوبانِ بارگاہِ الٰہی اگر خدا سے کسی چیز کا سوال کرتے ہیں تو ارحم الراحمین ضرور ضرور انھیں مراد عطا فرما دیتا ہے!

حضرت ذوالنُّون مصری

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت شاید آپ لوگوں نے سُنی ہوگی۔ آپ ایک کشتی میں مسافروں کے ساتھ سفر فرما رہے تھے۔ اتفاق سے کسی مسافر کا بٹوہ گم ہو گیا۔ کشتی میں سب سفید پوش جنٹلمین ہی تھے ایک حضرت ذوالنون مصری ہی میلے کچیلے خستہ حال تھے سب نے آپ ہی پر شک کیا۔ اور آخر کشتی کے ناخدا نے ڈانٹ کر آپ سے کہا کہ ؂

دلق بیروں کن برہنہ شو ز دلق   تا ز تو فارغ شود اوہام خلق

گدڑی اُتار کر برہنہ ہو جاؤ۔ ہم تمہاری تلاشی لیں گے تاکہ تم پر جو لوگوں کو چور ہونے کا گمان ہے وہ بدگمانی دور ہو جائے۔ حضرت کے قلب نازک پر بڑی ٹھیس لگی۔ اور آپ نے ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا مانگی۔

گفت یارب مر غلامت راخساں   متہم کردند فرماں بر رساں

اے پروردگار! تیرے بندے کو ان کمینوں نے تہمت لگائی ہے۔ اب تو میری براءت کا فرمان بھیج دے! پھر کیا ہوا مسلمانو! سنو! اور عبرت پکڑو:

چوں بدرد آمد دلِ درویش زاں   سر بروں کردند ہر سو ماہیاں

جب درویش کا دل اس تہمت سے دردمند اور دکھی ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ دریا میں ہر طرف مچھلیوں نے سر نکال دیا۔

صد ہزاراں ماہی از دریائے پُر   در دہانِ ہر یکے دُرّے چہ دُر

لاکھوں مچھلیاں بھرے ہوئے دریا میں منہ نکالے ہوئے تھیں۔ اور ہر مچھلی کے منہ میں قیمتی موتی تھے۔

درّ چند انداخت در کشتی و جست   مر ہوا را ساخت کرسی و نشست

آپ نے چند موتی مچھلیوں کے مُنہ سے لیکر کشتی میں ڈال دیا اور پھر ہوا میں معلق ہو کر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح کوئی کرسی پر بیٹھا ہو۔ کشتی پانی پر چل رہی تھی اور آپ کشتی کے اوپر ہوا میں بیٹھے ہوئے کشتی کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ کشتی والے آپ کی اس کرامت سے ڈر کر لرزہ براندام ہو گئے اور آپ سے معافی طلب کرنے لگے!

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے! یہ ہے بارگاہِ کبریا میں اولیاء کی محبوبیت کا عالم اسی لئے تو مولائے روم نے فرمایا کہ ؎

اولیاء راہست قدرت ازالہ تیر جستہ باز می آرد ز راہ

اولیاء کو خدا کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ کمان سے چلے ہوئے تیر کو اگر چاہیں تو راستہ میں سے واپس لوٹا سکتے ہیں۔ پڑھئے درود شریف!

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ"

بہر حال! برادرانِ اسلام! آپ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ کا مضمون ایک حد تک سمجھ چکے کہ اولیاء پر کوئی خوف اور ڈر نہیں ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ اولیاء اپنی طاقت و قدرت میں جو انھیں خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے تمام اشیاء سے بڑھکر ہیں اور ساری کائنات اُنکے زیر فرمان ہے!

اب اس آیت کریمہ کے اگلے حصہ کا ترجمہ بھی سنئے ارشاد خداوندی ہے۔ کہ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنی اولیاء کو کوئی غم بھی نہیں ہے۔ نہ دنیا میں ان کے لیے کوئی غم نہ آخرت میں۔ اولیاء غمگین کیوں نہیں ہوتے۔ اس کا راز بھی سُن لیجئے۔ کسی انسان کو رنج و غم کب اور کیوں ہوتا ہے؟ دیکھئے کسی تکلیف پر یا کسی نعمت کے فوت ہونے پر یا کسی نعمت کے زوال پر عموماً انسان کو غم ہوا کرتا ہے مگر یہ علم النفس کا مسئلہ ہے کہ اگر انسان کو کسی تکلیف کے بعد کوئی بہت بڑی راحت مل جائے یا کسی نعمت کے فوت یا زائل ہونے کے بعد اسے بہت بڑی نعمت مل جائے تو انسان کا غم غلط ہو جاتا ہے۔ اور اس پر کوئی رنج و غم باقی نہیں رہتا۔ اولیاء اللہ کو چونکہ سب سے بڑی نعمت سب سے بڑی دولت سب سے بڑی لذت یہ مل جاتی ہے کہ انھیں محبوب حقیقی

کا وصال مل جاتا ہے۔ اسی لئے ان پر کسی تکلیف، کسی نعمت کے فوت ہونے اور کسی دولت کے برباد ہونے کا کبھی کوئی غم ہی نہیں ہوتا۔ اللہ اللہ۔ مسلمانو! سوچو تو سہی کہ جس کو خدا مل گیا، بھلا اس کو اب کس چیز کا غم ہو سکتا ہے؟ خدا کے وصال کی لذت تو کسی صاحب حال سے پوچھو۔ جو اپنا سب کچھ تج کر رات دن کوچۂ یار میں یہ صدا لگاتے پھرتے ہیں کہ ؎

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے　　　اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

برادران گرامی! دنیا کا غم تو کس شمار و قطار میں ہے؟ آخرت کا غم در حقیقت ایک بہت بڑا غم ہے۔ مگر اولیاء کو ارحم الراحمین نے آخرت کے غم سے بھی آزاد فرما دیا ہے۔ اس بارے میں بھی ایک حدیث سُن لیجئے!

اولیاء اور آخرت

نبی آخر الزماں، خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسًا مَاھُمْ بِاَنْبِیَاءَ وَلَا شُھَدَاءَ یَغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ ط یعنی خدا کے بندوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء، مگر قیامت کے دن خدا کے دربار میں ان کے مراتب و درجات پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تُخْبِرُنَا مَنْ ھُمْ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں خبر دیجئے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ قَالَ ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَھُمْ وَلَا اَمْوَالٍ یَتَعَاطَوْنَھَا ارشاد فرمایا کہ یہ وہ قوم ہیں کہ بغیر کسی رشتہ داری کے اور بغیر کسی مال کے لین دین کے

صرف اللہ کی رحمت یعنی اُس کے دین کی وجہ سے ایک دوسرے سے دینی محبت کرتے رہے ہیں۔ فَوَاللّٰہِ اِنَّ وُجُوْھَھُمْ لَنُوْرٌ وَّاِنَّھُمْ لَعَلٰی نُوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ؕ خدا کی قسم ان کے چہرے نور کے ہوں گے اور وہ نور کے اوپر ہوں گے۔ جب سب لوگ ڈر رہے ہوں گے اُس وقت وہ بے خوف ہوں گے اور جب سب لوگ غمگیں ہوں گے اُس وقت وہ بے غم ہونگے اس کے بعد آخر میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ؕ سُن لو! اولیاء اللہ نہ ان پر کوئی خوف ہے نہ وہ غمگیں ہوں گے (مشکوٰۃ ص۴۲۶)

عزیزانِ ملت! دیکھ لو اولیاء کی شان کہ آخرت میں بھی وہ بے خوف اور بے غم ہوں گے۔

اچھا! برادرانِ اسلام! اب اگلی آیت کا ترجمہ بھی سُن لیجئے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ "یعنی اولیاء وہی لوگ ہیں۔ جو صاحبِ ایمان اور متقی ہیں۔ مسلمانو! سُن لو۔ قرآن نے بتادیا کہ ولی کے لیے صاحب ایمان اور متقی یعنی پابند شریعت ہونا ضروری ہے اس سے پتہ چلا کہ شریعت کی مخالفت کرنے والا ہرگز ہرگز خدا کا ولی نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو! یہ قرآن اور حدیثوں کا ارشاد ہے کہ ؎

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید ... کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس نے راستہ اختیار کیا

وہ ہرگز کبھی بھی ولایت کی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

اے سعدی! یہ محال ہے کہ بغیر پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے کوئی شخص تصوف کی راہ کو پا سکے۔ لہٰذا بزرگو! اور بھائیو! میں بلاخوف لومتہ لائم علی الاعلان عرض کرتا ہوں کہ اس زمانے میں جو سیکڑوں خلاف شرع پیر نظر آتے ہیں۔ اور انگاراشاہ، چنگاراشاہ، بھنڈاراشاہ جو داڑھی مونچھ منڈائے، سر گھٹائے پھرتے ہیں۔ نہ استنجا، نہ طہارت، نہ روزہ نہ نماز، گانجہ بھنگ اور افیون کی پنک میں مست قلندر بنے پھرتے ہیں۔ اچھے خاصے ہوش وحواس میں رہتے ہوئے بھی مجذوب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں خدا کی قسم یہ شریعت کے باغی اور تصوف کے دشمن ہرگز ہرگز کبھی ولی نہیں ہو سکتے۔ ان لوگوں کی بیعت، ان سے عقیدت قطعاً حرام وناجائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی فاسق کی تعظیم کی جاتی ہے تو غضب خداوندی سے عرش دہل جاتا ہے۔ بہرحال اب میں آیت کریمہ کے آخری حصے کا بھی ترجمہ سنا کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ مولیٰ عزوجل نے اولیاء پر اپنے انعاموں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ان اولیاء کے لئے دنیاوی زندگی اور آخرت میں خوشخبریاں ہیں! اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

حضرات مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فِي الدُّنْيَا بِالْكَرَامَةِ

وَفِي الْاٰخِرَةِ بِالْجَنَّةِ۔ یعنی اولیاء کے لیے دنیا میں اس طرح بشارت ہے کہ خداوند کریم ان کو دنیا میں صاحب کرامت بنائے گا اور آخرت میں انھیں اپنے رضوان وغفران کا شرف عطا فرما کر جنت میں داخل فرمائے گا۔

بہر حال یہ اولیاء کرام روئے زمین پر خدا کے فضل واحسان کا نشان ہیں۔ ان سے محبت وعقیدت رکھنا علامتِ ایمان اور ان سے بغض وعناد سراسر خسران وحرمان کا سامان ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اولیاء کرام کی محبت وعقیدت کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ اور دونوں جہاں میں ان کے فیوض وبرکات سے سرفراز فرمائے (آمین)

وما علینا الا البلاغ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ واولیاء امتہ اجمعین ط

چھٹا وعظ

دعوتِ فلاح

کو ہاٹ

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ آتا نہیں بے آہ سحر گاہی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِالْهُدٰی اَرْسَلَ رُسُلَهٗ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهِ الَّذِیْ اَوْضَحَ سُبُلَهٗ ○ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ نُزُلَهٗ ○ وَعَلٰی اَوْلِیَائِهِ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ فَاَصَابُوْا فَضْلَهٗ ○ اَمَّا بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

سَلِّمُوْا یَا قَوْمِ بَلْ صَلُّوْا عَلَی الصَّدْرِ الْاَمِیْن
مُصْطَفٰی مَا جَاءَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن

حضرات سامعین! سرکار نامدار، احمد مختار، شفیع روز شمار کے دربار گوہر بار میں درود و سلام کا نذرانہ بہ آواز بلند پیش کیجئے۔ اور پڑھئے صَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ○

برادرانِ ملت! اس وقت دنیا میں جتنے بھی ادیان و مذاہب ہیں۔ سب کا اصلی مقصد یہی بتایا جاتا ہے کہ انسان اللہ تک پہنچ جائے اور اللہ کا بندہ اللہ والا ہو جائے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ انسانی ترقی کی

سب سے بڑی معراج یہی ہے کہ ایک انسان قرب خداوندی کی منزل پر فائز ہو جائے۔ خدا کی قسم! اگر جمالِ الٰہی کی ایک تجلی کسی طالب مولیٰ کی بندہ نوازی فرما دے۔ تو زمین و آسمان کے خزانوں کی دولتیں اس بندے کی جوتیوں پر قربان ہو جائیں۔ اور بڑے سے بڑے تاجدار اس بندے کے دربار میں اپنی مرادوں کی بھیک مانگنے کو سرمایۂ افتخار سمجھیں۔ اور اگر اس محبوب بندے کی جوتیوں کا ایک ٹکڑا بادشاہوں اور شہنشاہوں کو نصیب ہو جائے تو وہ اس کو اپنے تاج کا طرہ بنا کر اپنی سربلندی کی معراج پر وجد و رقص کریں۔ مسلمانو! اس بندے کی شان بندگی کا کیا کہنا؟ جو دیدارِ خداوندی کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہو جائے۔ سبحان اللہ! ایک انسان اور قرب خداوندی کی معراج؟ ایک بندہ اور اس کے سر پر دیدار الٰہی کے شرف کا تاج؟ یہ وہ نعمتِ عظمیٰ ہے کہ ہزاروں طالبان مولیٰ اس حسرت و تمنا میں اپنے تخت و تاج کو لات مار کر جنگلوں اور بیابانوں میں دیوانہ وار پھرتے رہے۔ اور ایک تجلی کے انتظار اور حسرت دیدار میں اپنی قیمتی جانوں کو نثار کر دیا۔ کسی طالبِ مولیٰ نے کیا خوب کہا ہے ؎

جنت میں بھیج یا مجھے دوزخ میں ڈال دے
جلوہ دکھا کے پر مری حسرت نکال دے

یعنی اے میرے خدا! تو میرا مالک ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں ہر حال میں تیری رضا پر راضی ہوں۔ تجھے اختیار ہے کہ تو مجھے جنت میں بھیج دے۔ یا مجھے دوزخ میں ڈال دے۔ مگر میرے دل کی تمناؤں اور آرزوؤں

کا مرکز، اور میری حسرتوں اور ارمانوں کا کعبۂ مقصود تو صرف اس قدر ہے کہ تو مجھے اپنے دیدارِ پُرانوار کا ایک جلوہ دکھا دے۔ ایک بزرگ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم دوزخ سے اسی لئے ڈرتے ہیں اور پناہ مانگتے ہیں کہ وہ خداوند کریم کے قہر و غضب کا مقام ہے اور ہم جنت کے مشتاق و طالب ہیں تو صرف اسی لیے کہ وہ مولیٰ کی رضا و خوشنودی کا مقام ہے۔ بہر حال جہنم سے بیزاری، اور جنت کی طلب گاری دونوں اسی جذبے سے ہے کہ مقصود ذاتِ باری تعالیٰ ہے!

خیر تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس دنیا میں ہر دین و مذہب والا اپنا مقصد اصلی یہی بتاتا ہے کہ کس طرح انسان خدا تک پہنچ جائے؟ اور کس طریقے سے اللہ کا بندہ اللہ والا بن جائے؟ چنانچہ ہر دین و مذہب والوں نے اپنے اپنے نظریات کے مطابق خدا تک پہنچنے کا راستہ بتایا ہے۔ دوسرے ادیان و مذہب کے بتائے ہوئے راستے کون ہیں؟ اور کیسے ہیں؟ میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ میں اس وقت یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے مقدس دین یعنی اسلام نے خدا تک پہنچنے کا جو سیدھا اور صاف راستہ بتایا وہ آپ کے سامنے پیش کر دوں۔

برادرانِ گرامی! قرآن مجید کی جو آیت میں نے خطبے کے بعد تلاوت کی ہے اس میں رب العالمین جل جلالہٗ نے اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ اور خدا کا بندہ بارگاہِ کبریا میں کس طرح مقرب ہو کر اللہ والا بن سکتا ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ٭ یعنی اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

حضرات! اس آیت نے بتادیا کہ فلاح یعنی اللہ تک پہنچنے کے لئے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ یہ چاروں منزلیں کون کون ہیں تو فرمایا کہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا سب سے پہلے ایمان کی منزل ہے۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ دوسری منزل خوفِ الٰہی ہے۔ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَة تیسری منزل وسیلہ ہے۔ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ چوتھی منزل مجاہدہ ہے۔

پہلی منزل ایمان

برادرانِ ملت! ایمان! یہ لفظ تو ہم اور آپ بہت زیادہ بولتے اور سنتے رہتے ہیں مگر کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ ایمان کے معنی کیا ہیں؟ مسلمانو! یہ بڑی عظمت والا لفظ ہے ایمان اللہ اکبر کیا چیز ہے۔ ایمان؟ یہی ایمان ہی تو شریعت، طریقت، حقیقت معرفت تمام کمالات انسانیت کی جان ہے۔ یہی ایمان ہی تو دین محمدی کی رفیع الشان عمارت کا سنگ بنیاد ہے۔ یہی ایمان ہی تو وہ دولت بے بہا ہے جس کی تحصیل و تبلیغ کے لئے تمام انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے۔ خدا کی قسم! زمین و آسمان، سارے جہان میں ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھکر کوئی انمول دولت ہی نہیں۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہم مسلمان ایمان کو سمجھتے ہی نہیں اور نہ کبھی اس کی حقیقت پر غور ہی کرتے ہیں۔ بلکہ ہم لوگ اس لفظ

کو اس قدر جا و بیجا استعمال کرنے لگے کہ سچ پوچھو تو یہ لفظ ہی مردہ ہو کر رہ گیا ہے بسلمان بھائیو! یہ واقعہ ہے بعض الفاظ غلط استعمال سے مردہ ہو جایا کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے! ایک لفظ ہے "حق" یہ لفظ کیا بانداز، کس قدر جاندار، اور کتنا پُر معنیٰ ہے؟ مگر آج کل اس کا استعمال اتنا غلط ہونے لگا ہے! کہ خدا کی پناہ! کچہری اور تھانے میں چلے جائیے! اور بالکل خلاف قانون، قطعاً غلط، بلکہ حق و انصاف کا خون کرنے والا کام کرا لیجئے۔ اس کے بعد کچہری کا پیشکار، اور تھانے کا تھانے دار ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے کہ مولانا صاحب میرا حق تو دید یجئے؟ دیکھا آپ نے؟ لے رہا ہے "ناحق" مگر اس کا نام رکھتا ہے "حق"۔ بتائیے! لفظ حق جب غیر معنی میں استعمال ہوا تو یہ لفظ مرگیا یا نہیں؟ بالکل یہی حال لفظِ ایمان کا ہے، ایک چار سو بیس، پکا ابلیس، کافر اگر اتفاق سے اُس نے کسی سودے کا دام ٹھیک ٹھیک بتا دیا۔ تو ہم کہنے لگتے ہیں کہ یہ بڑا ایماندار ہے سبحان اللہ! کافر اور ایمان دار؟ کہئے؟ لفظ "ایمان" مرگیا یا نہیں؟ بھلا سوچئے تو سہی کہ کہاں کفر، اور کہاں ایمان؟

برادرانِ ملت! اصل بات یہ ہے کہ ہم لفظِ ایمان کی عظمتِ شان سے واقف ہی نہیں۔ اور ہمارا ذہن اسلامی اس لفظ کے مفہوم و معانی کی لذت سے ذوق آشنا ہی نہیں اس لئے بڑی ضرورت ہے کہ پہلے ایمان کے معنی سمجھ لیجئے سنئے! ایمان عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا اردو میں ترجمہ ہے "مان لینا" قرآن مجید میں جا بجا آیا ہے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی اللہ و رسول کو مان لو! حاضرین کرام! اللہ و رسول کو جان لینا اور پہچان لینا۔ سے

اور بات ہے اور جان، پہچان کر پھر دل سے مان لینا یہ اور بات ہے۔ یاد رکھئے کہ اللہ و رسول، کو صرف جان پہچان لینے سے ہرگز ہرگز کوئی مومن اور صاحب ایمان نہیں ہوتا۔ مومن اور صاحب ایمان تو اللہ و رسول کو مان لینے سے ہوا کرتا ہے۔ قرآن گواہ ہے کہ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ یعنی) یہود و نصاریٰ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے تھے۔ مگر یہود و نصاریٰ مومن اور صاحب ایمان نہیں ہوئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ رسول کو صرف جانتے پہچانتے تھے مانتے نہیں تھے۔ تو میرے بزرگو اور بھائیو اچھی طرح سمجھ لو کہ ایمان نام ہے اللہ و رسول کو مان لینے کا اور یہ مان لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ماننے والے کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ مان لیا تو پھر مان لیا ماننے والا جب کسی کو مان لیتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو برگشتہ نہیں کر سکتی۔ پروانہ شمع کو مان گیا ہے، بلبل پھول کو مانے ہوئے ہے، چکور چاند کو ماننے والا ہے۔ تو کیا دنیا میں کوئی ایسی طاقت ہے، جو پروانے کو شمع سے متنفر کر دے۔ جو بلبل کو پھول کی محبت سے توبہ کرا دے؟ کیا دنیا میں کسی کو یہ قدرت ہے کہ چاند دیکھ کر چکور کی مستانہ اڑان کو روک دے؟ نہیں، ہر گز نہیں! تو پھر سمجھ لو کہ اللہ و رسول کے ماننے والے کی شان، اور اس کی آن بان کا کیا عالم ہوگا؟ ہزاروں آندھیاں چلیں، سیکڑوں طوفان آئیں، زمین پھٹ جائے، آسمان ٹوٹ جائے مگر کیا مجال ہے کہ ایک مومن کا اللہ و رسول کے ساتھ رشتۂ ایمان ٹوٹ جائے، مومن اپنا تخت و تاج، اپنی بادشاہی و شہنشاہی

اپنا مال، اپنی اولاد، اپنی جان ہر چیز قربان کر دے گا۔ مگر اللہ و رسول سے
اپنی والہانہ گرویدگی جس کا نام ایمان ہے ہرگز ہرگز ایک سچا مسلمان اس کو
برباد کرنا گوارا نہیں کر سکتا۔ بڑے سے بڑا خوف بڑی سے بڑی امیدیں اور
لالچ بھی ایک صاحب ایمان کے قدم کو متزلزل نہیں کر سکتیں۔ صحابہ کرام
کی مقدس پیٹھوں پر کوڑے برسائے گئے، چٹائیوں میں لپیٹ کر ان کی ناکوں میں
دھوئیں پہنچائے گئے، انگاروں پر لٹائے گئے سولیوں پر لٹکائے گئے مگر
زمین و آسمان گواہ ہیں، خدائی گواہ ہے، خدا گواہ ہے کہ باوجودیکہ ان کے ایمان
کو برباد کرنے کے لئے کافروں نے ہر قسم کے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر یہ اللہ
و رسول کے ملنے والے اور توحید و رسالت کے متوالے ایک بال کے کروڑویں
حصے کے برابر بھی جادۂ ایمان سے منحرف نہیں ہوئے بلکہ صبر و استقامت کا
پہاڑ بن کر اپنے ایمان پر قائم رہے۔

عبداللہ بن حذافہ کی استقامت

حضرات! مجھے اس وقت حضرت عبداللہ بن حذافہ کا دل ہلا دینے والا عبرت آموز واقعہ یاد آگیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ
سہمی اسّی مجاہدین کے ساتھ جنگ شام میں رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے
ہرقل بادشاہ روم نے عبداللہ بن حذافہ کو طرح طرح کا لالچ دیکر ورغلایا
بلکہ یہاں تک کہا کہ اے عبداللہ! اگر تم عیسائی دین قبول کر لو تو میں اپنی
چہیتی بیٹی سے تمہاری شادی کر دوں گا اور اپنی آدھی سلطنت کا تم کو بادشاہ
بنا دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ نے انتہائی حقارت کے ساتھ ہرقل کی اس

پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اور فرمایا کہ اے ہرقل! تیری بیٹی اور تیری آدھی بادشاہت تو کیا چیز ہے؟ میرے ایمان کا تو یہ جذبہ ہے کہ زمین و آسمان کی بادشاہی کو میں اللہ و رسول کی محبت پر قربان کرتا ہوں۔ بادشاہ نے انتہائی برہم ہو کر دھمکی دی اور کہا کہ اے عبداللہ! اگر تم نے عیسائی دھرم قبول نہیں کیا تو میں تم سب لوگوں کو کڑاہی میں کھولتے ہوئے تیل کے اندر ڈال کر جلا دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ اے ہرقل! تیری ایسی ایسی لاکھوں دھمکیاں بھی ہمیں دین محمدی سے نہیں ہٹا سکتیں۔ اور تو کان کھول کر سن لے! کہ جب تک ہمارے جسم میں خون کا آخری قطرہ اور زندگی کی آخری سانس باقی رہے گی ہم اسلام پر قائم رہیں گے اور ہرگز ہرگز ہم کبھی بھی نصرانیوں کا دین قبول نہیں کر سکتے۔ عبداللہ بن حذافہ کی تقریر سن کر ہرقل مارے غصے کے سرخ ہو گیا اور حکم دیا کہ ایک دیگ میں تیل ڈال کر پکایا جائے اور اسی کھولتے ہوئے تیل میں ان مجاہدین اسلام کو ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جب دیگ میں تیل کھولنے لگا تو ہرقل نے کہا کہ پہلے قید خانے سے ایک مجرم کو لا کر عبداللہ بن حذافہ کے سامنے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دو چنانچہ ایک قیدی لایا گیا اور کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا وہ ایک لمحہ میں اس طرح جل بھن گیا کہ ہڈیوں کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ اس کے بعد عبداللہ بن حذافہ کو جلادوں نے کھولتے ہوئے تیل میں ڈالنا چاہا۔ تو عبداللہ بن حذافہ رونے لگے۔ ہرقل نے پوچھا کہ عبداللہ تم روتے کیوں ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اے ہرقل! تم ہرگز ہرگز کبھی یہ گمان نہ کرنا کہ میں جان کے

ڈر سے رو رہا ہوں۔ توبہ توبہ حاشا وکلا! اے ہرقل میں تو اس وقت اس خیال سے رو پڑا کہ افسوس! میری ایک ہی جان ہے جو راہ مولیٰ میں قربان ہو رہی ہے۔ حیف صد حیف! کہ دربار خداوندی میں یہ میرا کتنا حقیر تحفہ ہے کاش مجھے ہزاروں لاکھوں جانیں ملی ہوتیں اور میری ہر ایک جان اسی طرح میرے مولیٰ کی راہ میں قربان ہو جاتی تو شاید میرے لئے رضائے الٰہی کا کچھ سامان ہو جاتا۔ بادشاہ حضرت عبداللہ کے استقلال سے حیران اور ان کی تقریر سے انتہائی متاثر ومتعجب ہو گیا۔ اور جلادوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو کچھ دنوں اور مہلت دیدو اور ان لوگوں کو جیل خانوں میں بند کر دو۔ اتنے میں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم کا مشہور فرمان ہرقل کے نام آگیا کہ اے ہرقل میرا یہ خط ملتے ہی تو عبداللہ بن حذافہ سہمی کو رہا کر دے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو تیرے لئے بہتر ہوگا۔ ورنہ میں تیرے پاس ایسے جوانمردوں کا لشکر بھیج دوں گا جنھیں کوئی بیوپار اور تجارت ذکر الٰہی اور نماز سے روک نہیں سکتی۔ ہرقل حضرت فاروق کے فرمان والاشان کو پڑھکر خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو گیا۔ اور عبداللہ بن حذافہ کو اسّی مجاہدین کے ساتھ رہا کر دیا۔ (اسد الغابہ)

مسلمانو! دیکھ لو۔ ایمان پر استقامت کی بدولت عبداللہ بن حذافہ کی جان بھی بچ گئی اور ان کا ایمان بھی سلامت رہا۔

مجاہد دولھا اور جنتی براتی

حضرات گرامی! مجاہدین کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈالنے کا ذکر آگیا تو مجھے تین

دوسرے بھی مجاہدین اسلام کا واقعہ یاد آگیا - ملک شام کے تین بھائی جو اعلیٰ درجے کے بہادر سوار اور بہترین مجاہد تھے - رومیوں نے انہیں گرفتار کرلیا - بادشاہ روم نے ان تینوں کی نوجوانی اور خوبصورتی سے متاثر ہوکر کہا کہ تم لوگ اگر نصرانی ہو جاؤ تو میں اپنی شہزادیوں سے تمہارا نکاح کردوں گا - اور تم تینوں کو بادشاہت بھی عطا کردوں گا - ان تینوں بھائیوں نے انکار کر دیا تو تین دیگوں میں بادشاہ نے روغن زیتون پکانے کا حکم دیا - تین دنوں تک تیل کھولتا رہا - اور روزانہ ان تینوں کو دکھایا جاتا رہا کہ یا تو نصرانیت قبول کرلو یا اس کھولتے ہوئے تیل میں غوطہ لگاؤ - مگر یہ ایمان کے مجسمے پہاڑوں کی طرح ایمان پر مستقیم رہے -
پہلے بڑے بھائی کو ظالموں نے تیل میں ڈالا پھر منجھلے بھائی کو بھی کھولتے ہوئے تیل میں ڈبو دیا اور دونوں بھائیوں نے یا محمداہ کا نعرہ لگاتے ہوئے کھولتے ہوئے تیل میں غوطہ مارا اور شہادت سے سرفراز ہو گئے - جب چھوٹے بھائی کو دیگ کے قریب لایا گیا تو بادشاہ کے ایک درباری کو رحم آگیا اور اس نے کہا کہ اے بادشاہ اس کو چالیس دنوں کی مہلت دیدیجئے میں اس کو بہلا پھسلا کر نصرانی بنالوں گا - درباری اس مجاہد کو اپنے گھر لایا اور اپنی خوبصورت جوان لڑکی کو اس کے پاس رکھ دیا تاکہ وہ لڑکی اس مجاہد کو اپنے حسن پر فریفتہ کرکے اس کو نصرانی بنالے - مگر یہ متقی مجاہد دن بھر روزہ رکھتا اور ساری رات نوافل پڑھتا - درباری کی لڑکی اس مجاہد کے تقویٰ اور عبادت سے اس قدر متاثر ہو گئی کہ وہ اس مجاہد پر خود عاشق ہو گئی اور کلمہ پڑھکر مشرف بہ اسلام ہو گئی اور رات کو دو گھوڑے لاکر مجاہد سے کہا کہ

چلو ہم دونوں اس شہر سے دور نکل جائیں۔ اور وہاں ہم نکاح کر کے ایک ساتھ رہیں۔ چنانچہ یہ دونوں وہاں سے اس طرح نکل گئے کہ رات کو سفر کرتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں ایک رات چلے جا رہے تھے کہ چند سواروں کے گھوڑا دوڑانے کی آواز آئی۔ مجاہد نے قریب پہنچ کر دیکھا تو اس کے وہ دونوں بھائی تھے۔ جو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیئے گئے تھے اور ان کے ساتھ چند فرشتوں کی جماعت بھی تھی۔ مجاہد نے اپنے دونوں بھائیوں کو سلام کیا۔ اور حال دریافت کیا تو وہ دونوں کہنے لگے کہ بس ہم نے تیل میں ایک غوطہ لگایا اس کے بعد ہم جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ اور اب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے یہاں آئے ہیں تاکہ اس نیک لڑکی کے ساتھ تمہارے نکاح میں شرکت کریں۔ چنانچہ دونوں شہید بھائیوں نے فرشتوں کے ساتھ نکاح میں شرکت کی۔ اور پھر روانہ ہو گئے اور یہ دولھا دلھن سلامتی کے ساتھ ملک شام میں پہنچ گئے۔ (شرح الصدور)

مسلمانو! دیکھو یہ ہے ایمان کی شان کہ کھولتے ہوئے تیل میں یا محمداہ کا نعرہ لگاتے ہوئے کود پڑے اور جنۃ الفردوس میں پہنچ گئے۔ مگر افسوس۔ صد افسوس! کہ آج کا مسلمان اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ایک ایک کرسی کے لئے قرآن کی آیۃ الکرسی کو بیچ ڈالتا ہے۔ صرف حکومت کی خوشنودی کے لئے کفار و مشرکین کے مرگھٹوں پر پھول چڑھاتا پھرتا ہے اور اسلامی شعائر کو کفار و مشرکین کے چشم و ابرو کے اشاروں پر برباد

وغارت کر رہا ہے۔ آہ آہ مسلمانو! کہاں ہمارے ان اسلاف جیسے مجسمۂ ایمان؟ اور کہاں آج کل کے غارت گرِ ایمان؟ افسوس ہائے افسوس ؎

ہائے گزری ہوئی شوکت مرے ایمانوں کی
گردنیں خم تھیں کلیسا کے نگہبانوں کی
کیا قیامت ہے کہ اب ناقہ سوارانِ عرب
پیروی کرتے ہیں کفار حُدی خوانوں کی
اب خدا ہی مری کشتی کو بچائے تو بچے
ظلمتیں یاس کی ہیں شام ہے طوفانوں کی

بہرحال برادرانِ ملت! بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دربارِ خداوندی میں رسائی کی چار منزلوں میں سے پہلی منزل ایمان ہے۔ یاد رکھئے کہ کوئی بے ایمان ہرگز ہرگز خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا مسلمان بھائیو! اگر خدا تک پہنچنے کی آرزو ہے تو پہلے صاحب ایمان اور کامل الایمان مسلمان بن جائیے!

دوسری منزل خوفِ الٰہی

بہرحال ایمان کے بعد دوسری منزل کیا ہے؟ اب اس کو بھی سُن لیجئے۔

ارشادِ ربانی ہے کہ اِتَّقُوا اللّٰہَ یعنی تم لوگ خدا سے ڈرو۔ سبحان اللہ! خوفِ خداوندی کا کیا کہنا، مسلمان بھائیو! یاد رکھو کہ ہر نیکی کا سرچشمہ خدا سے ڈرنا ہے۔ اور ہر گناہ کا سرچشمہ خدا سے نہ ڈرنا ہے۔ جو خدا سے ڈرے گا وہ رات کے اندھیرے میں بند کوٹھری کے اندر بھی گناہ سے بچے گا۔

اور نیک عمل کرے گا اور جس کے دل میں خوفِ الٰہی نہیں ہوگا۔ وہ مکان میں، میدان میں، تنہائی میں، مجمع میں ہر جگہ گناہ کرے گا۔ اور کہیں بھی نیک عمل نہیں کرے گا۔

مسلمانو! خوفِ الٰہی کا بڑا مرتبہ ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى یعنی جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو نفسانی خواہشوں سے روک لیا۔ تو یقیناً جنت میں اس کا ٹھکانا ہے!

صاحبو! بخاری شریف کی روایت ہے کہ اگلی امتوں میں ایک ایسا مومن تھا جس نے اپنے لڑکوں سے مرتے دم وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو تم لوگ میری لاش کو جلا دینا اور میری راکھ کو کچھ دریاؤں میں ڈال دینا اور کچھ خشکی میں اڑا دینا چنانچہ اس کے لڑکوں نے یہی کیا لیکن فوراً ہی پروردگار عالم نے اس کے جسم کے تمام ذرات کو جمع کر دیا اور اس سے دریافت فرمایا کہ اے میرے بندے! تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی؟ تو اس بندۂ مومن نے عرض کیا کہ الٰہی میں نے تیرے خوف سے ایسا کیا تھا۔ میں نے اپنی ناقص عقل سے یہ سمجھا تھا کہ اگر میرے جسم کے ذرات اس طرح بکھر جائیں گے تو پھر میں خدا کے دربار میں حاضری سے بچ جاؤں گا۔ ارحم الراحمین نے فرمایا کہ اے میرے بندے! تیرے اس خوفِ الٰہی کی وجہ سے میں نے تجھ کو بخش دیا۔ (مشکوٰۃ صـ۲۰۷)

برادران اسلام! خوب الٰہی کا رتبہ سننا چاہتے ہو تو حضرت امام غزالی سے پوچھو جو شریعت وطریقت دونوں سمندروں کے بزرگ اور جامع الفریقین ومجمع البحرین ہیں۔ وہ اپنی کتاب منہاج العابدین میں تصوف کے چار درجات کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں اَلنَّاس کُلُّھُمْ مَوْتیٰ اِلَّا الْعُلَمَاءَ یعنی تمام انسان مردہ ہیں زندہ صرف وہی لوگ ہیں جن کے سینوں میں علم نبوت کی روح ہے وَالْعُلَمَاءُ کُلُّھُمْ نِیَامٌ اِلَّا الْعَامِلِیْنَ اور علماء اگرچہ زندہ ہیں مگر سب سوئے ہیں جاگتے صرف وہی علماء ہیں جو اپنے علم پر عمل بھی کرتے ہیں وَالْعَامِلُوْنَ کُلُّھُمْ فِیْ خُسْرَانٍ اَلَّا الْمُخْلِصِیْنَ اور عمل کرنے والے بھی سب کے سب گھاٹے میں ہیں۔ نفع اُٹھانے والے صرف وہی لوگ ہیں جن کے عمل میں اخلاص بھی ہے۔ وَالْمُخْلِصُوْنَ کُلُّھُمْ عَلٰی خَطَرٍ اِلَّا الْخَائِفِیْنَ اور عمل میں اخلاص رکھنے والے بھی سب کے سب خطرے میں رہتے ہیں۔ تمام خطرات سے نجات پانے والے وہی ہیں جو علم وعمل واخلاص کے باوجود خدا سے ڈرتے رہتے ہیں

تصوف کے چار درجات

برادرانِ ملت! حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ تصوف کے چار درجے ہیں۔

پہلا درجہ علم شریعت ہے۔ اس کے اوپر دوسرا درجہ عمل ہے، اس کے اوپر تیسرا درجہ اخلاص ہے۔ اس کے اوپر چوتھا درجہ خوف ہے مسلمان بھائیو! اب ذرا ان درجات کی تھوڑی سی تفصیل بھی سنئے۔ چلئے سب سے پہلا درجہ علم شریعت ہے۔

علم | امام غزالی نے فرمایا کہ اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ مَوْتٰی اِلَّا الْعُلَمَاءَ یعنی علماء کے سوا تمام لوگ مردہ ہیں۔ بھائیو! یہ سمجھنے کی بات ہے کہ لوگ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ سوتے جاگتے بھی ہیں چلتے پھرتے بھی ہیں مگر پھر بھی سب کے سب مردہ ہیں۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ کھانے پینے سونے جاگنے اور چلنے پھرنے کا نام ایمانی زندگی نہیں ہے۔ کھانا، پینا سونا جاگنا۔ چلنا پھرنا یہ تو حیوانی زندگی کے آثار ہیں، ایمانی زندگی تو درحقیقت دل کی زندگی ہے جس کو کسی صاحب دل نے خوب کہا ہے ؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

اور یہ دل کی زندگی جو ایمانی زندگی ہے۔ درحقیقت اس کی روح علم نبوت ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے فرمایا کہ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کیا علم والے اور بے علم دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ علم والے زندہ ہیں اور بے علم مردہ ہیں اور زندہ و مردہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے لہٰذا خوب سمجھ لیجئے کہ بغیر علم نبوت کے دل کی زندگی محال ہے اور یہی وجہ ہے کہ تصوف کا سب سے پہلا درجہ علم ہے۔ چنانچہ کسی عارف نے کہا ہے ؎

علم ہی جب نہیں تم میں تو عمل کیا ہوگا

جس خیاباں میں شجر ہی نہیں پھل کیا ہوگا

عمل

اب علم کے اوپر دوسرا درجہ عمل کا ہے جس کو امام غزالی نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ وَالْعُلَمَاءُ كُلُّهُمْ نِيَامٌ إِلَّا الْعَامِلِيْن یعنی تمام علماء سو رہے ہیں۔ بیدار صرف وہی علماء ہیں جو عمل کرنے والے ہیں۔ علم کے بعد عمل بڑی اہم چیز ہے اور بے عمل عالموں کے لئے بڑی زبردست وعیدیں ہیں۔ قرآن مجید میں بے عمل عالموں کی بڑی عبرت خیز مثال بیان فرماتے ہوئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔ یعنی جن لوگوں کو توریت کا علم دیا گیا پھر ان لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو ان کی مثال اس گدھے جیسی ہے جو کتابوں کا بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہے۔

حضرت شیخ سعدی اسی آیت کے مضمون کا کتنے حسین پیرایہ میں ترجمہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ؎

علم چنداں کہ بیشتر خوانی ۔۔۔ چو عمل در تو نیست نادانی

یعنی تم کتنا ہی زیادہ سے زیادہ علم پڑھ لو لیکن اگر تم میں عمل نہیں ہے تو تم بے علم و نادان ہی ہو۔

نہ محقق بود نہ دانشمند ۔۔۔ چارپائے برو کتابے چند

نہ تم محقق ہو سکتے ہو۔ نہ تم دانشمند کہلا سکتے ہو بلکہ تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی چوپائے کے اوپر چند کتابیں لدی ہوئی ہیں

آں تہی مغز را چہ علم و خبر ۔۔۔ کہ برو ہیزم است یا دفتر

اس خالی مغز چوپائے کو کچھ علم و خبر نہیں ہے کہ اس کی پیٹھ پر لکڑی

لدی ہوئی ہے یا کتابوں کا دفتر ہے۔

بزرگانِ ملت! اس بے عملی اور بداعمالی کے دور میں علماءِ حق کے نمونے میں تمہیں کہاں سے دکھاؤں جو علومِ نافعہ و اعمالِ صالحہ کے خزانوں کی دولت سے مالا مال تھے!

حضرات! آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ

چند باعمل علماءِ حق

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ باوجودیکہ درسِ فقہ و حدیث اور فتاویٰ کی بے پناہ مصروفیات تھیں پھر کپڑوں کی تجارت کا شغل بھی تھا، صاحبِ اہل و عیال بھی تھے۔ مگر چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے۔ اور ساری رات نوافل میں مشغول رہتے تھے۔ جیل خانہ کی جس کوٹھری میں آپ کی وفات ہوئی اس میں آپ نے سات ہزار ختم قرآن مجید پڑھے۔ عمر بھر نہ کبھی جھوٹ بولے نہ کسی کی غیبت کی۔ نہ کوئی مشتبہ لقمہ کھایا۔
امام احمد بن حنبل حدیث شریف کا درس دیتے تھے اور فتاویٰ لکھتے تھے ان مصروفیتوں کے باوجود روزانہ بلاناغہ تین سو رکعت نفل نمازیں پڑھتے تھے۔ ابوبکر بن محمد الصاری نے چالیس برس تک رات میں بستر سے پیٹھ نہیں لگائی۔ تمام رات نوافل پڑھتے تھے اور اتنا طویل سجدہ کرتے تھے کہ ان کی پیشانی اور ناک پر سجدوں کا بہت نمایاں نشان پڑ گیا تھا۔
ابوبکر بن عیاش کوفی کے انتقال کے وقت ان کی صاحبزادی رونے لگیں۔ تو فرمایا کہ میری پیاری بیٹی! تم روتی کیوں ہو؟ کیا تم ڈرتی ہو کہ

تمہارے باپ کو عذاب دیا جائے گا؟ اے نورِ نظر! تمہیں کیا خبر؟ کہ میں نے اپنے مکان کے صرف ایک کونے میں چوبیس ہزار ختم قرآن مجید پڑھا ہے۔ بشر بن مفضل روزانہ چار سو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ اور تمام عمر صوم داؤدی کے پابند رہے۔ یعنی ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے۔ ثابت بن اسلم بُنانی رات بھر نوافل پڑھتے۔ اور روزانہ ایک ختم قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے اور ہمیشہ روزہ دار بھی رہتے اور صبح کو یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! اگر تو کسی بندے کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرمائے تو مجھ کو ضرور یہ توفیق دینا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھتا رہوں۔ چنانچہ آپ کی دعا مقبول ہوئی کہ آپ کے دفن کے بعد اچانک نیچے سے ایک اینٹ ٹوٹ گئی اور قبر میں سوراخ ہو گیا۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور یہ تو آپ کی مشہور کرامت ہے کہ مدتوں آپ کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز ہزاروں انسان سنتے رہے (ان واقعات کی تفصیل کے لئے ہماری کتاب اولیاء رجال الحدیث پڑھو)

برادرانِ اسلام! علماء سلف کیسے عالم باعمل تھے اگر اس کے نمونے آپ کو سناتا رہوں تو رات ختم ہو جائے گی مگر بات ختم نہیں ہوگی۔

اخلاص

اچھا۔ اب تصوف کا تیسرا درجہ اخلاص ہے۔ اس کے بارے میں بھی کچھ عرض کرتا ہوں۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ والعاملون کلھم فی خطرٍ الا المخلصین ط

یعنی علم بھی پڑھا۔ عمل بھی کیا۔ مگر پھر بھی سراسر نقصان ہی نقصان میں رہیں گے۔ نفع میں صرف وہی عمل کرنے والے رہیں گے جن کے عمل میں اخلاص بھی ہو۔ عمل کی مقبولیت کے لئے اخلاص شرط ہے۔ بغیر اخلاص کے کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہی نہیں ہوتا۔

اخلاص کیا ہے؟ محترم حاضرین! اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ مکر و ریاء کے لئے یا شہرت یا لذت نفس کے لئے جو عمل کیا جاتا ہے۔ وہ ہرگز خدا کے دربار میں مقبول نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں رب العالمین نے اس طرح اخلاص کا حکم فرمایا کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یعنی اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ میری نماز، میری قربانی میری زندگی، میری موت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

ایک قاری، ایک سخی، ایک شہید

برادرانِ اسلام! مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آگئی۔ یہ وہ حدیث ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور قال رسول اللہ کہا تو دہشت و ہیبت سے بے ہوش ہو گئے۔ اسی طرح تین مرتبہ قال رسول اللہ کہا اور بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب سنبھلے تو یہ حدیث بیان فرمائی کہ قیامت کے دن ایک قاری، ایک سخی، ایک شہید دربار خداوندی میں پیش ہوں گے۔ خداوند عالم قاری سے سوال فرمائے گا کہ اے میرے بندے میں نے تجھ کو

اپنی قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ تو نے میری نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا؟
قاری عرض کرے گا کہ خداوندا! میں نے علم پڑھا، دوسروں کو پڑھایا تبلیغ
کی۔ پھر خداوند عالم فرمائے گا کہ اچھا! اے میرے بندے! اتنا اور بتا دے
کہ یہ ساری خدمات تو نے میری رضا کے لئے کی تھی۔ یا اس لئے تو نے یہ کارنامے
انجام دیئے تھے کہ دنیا میں لوگ تجھے قاری کہیں گے؟ قاری عرض کرے گا
کہ الٰہی واقعہ تو یہی ہے کہ میری نیت یہ تھی کہ لوگ مجھے قاری کہیں گے۔
خداوندِ قہار و جبار فرمائے گا کہ اے میرے بندے! تیری یہ مُراد تو میں نے
دنیا ہی میں پوری کردی کہ ہر شخص سے تجھ کو قاری کہلا دیا۔ اب میرے
دربار میں تیرے لئے کوئی جزا نہیں ہے۔ اور یہ شخص منہ کے بل گھسیٹ
کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر سخی سے خداوند عالم سوال فرمائے گا
کہ تو نے میری نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا؟ تو وہ عرض کرے گا؟ اے پروردگار
میں نے ہر نیک کام میں اپنی دولت خرچ کی ہے۔ مالکِ عالم فرمائے گا
کہ اتنا اور بتا دے کہ تیری نیت کیا تھی؟ میری رضا کے لئے سخاوت کرتا تھا
یا اس نیت سے تو سخاوت کرتا تھا کہ دنیا والے تجھے سخی کہیں گے۔ سخی
عرض کرے گا کہ الٰہی! میری نیت تو یہی تھی کہ لوگ مجھے سخی کہیں گے۔
خلّاقِ عالم فرمائے گا کہ تیری یہ مرادؔ میں نے دنیا میں پوری کردی۔ ہر چھوٹے
بڑے سے تجھے سخی کہلا دیا۔ اب تیرے لئے میرے دربار میں کوئی جزا
نہیں ہے اور یہ شخص بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں داخل کر دیا جائیگا
پھر شہید سے رب العزت یہی سوال فرمائے گا! کہ تو نے میری نعمتوں کا کیا

شکریہ ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے جہاد کیا! اور تیری راہ میں لڑتے لڑتے اپنے خون کا آخری قطرہ اور زندگی کی آخری سانس قربان کرکے شہید ہو گیا۔ مالک الملک اس سے فرمائے گا کہ میری رضا کے لئے سر کٹایا تھا۔ یا دنیا میں بہادر کہلانے کی نیت تھی؟ شہید اقرار کرے گا کہ الٰہ العالمین! واقعی میری نیت تو یہی تھی کہ لوگ مجھ کو بہادر کہیں گے۔ ربِّ بے نیاز فرمائے گا کہ تیری جو نیت تھی وہ تو میں نے دنیا ہی میں پوری کر دی کہ اپنے بندوں سے تجھ کو بہادر کہلا دیا اب تیرے لئے میرے یہاں کوئی جزا نہیں ہے اور قہار و جبار حکم فرمائے گا کہ اے فرشتو اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں داخل کر دو۔

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے؛ قاری، سخی، شہید تینوں اپنے اپنے اعمال صالحہ کے باوجود اس لئے جہنم میں ڈالے گئے کہ ان کے اعمال میں اخلاص نہیں تھا۔ بلکہ یہ لوگ ریاکاری اور شہرت کے طالب تھے۔ اسی لئے امام غزالی نے فرمایا کہ وَالْعَامِلُوْنَ كُلُّهُمْ فِيْ خُسْرَانٍ اِلَّا الْمُخْلِصِيْنَ یعنی عمل کرنے والے بھی گھاٹے میں ہیں۔ انھیں لوگوں کا عمل نفع بخش ہوگا جن کے اعمال میں اخلاص بھی ہوگا۔

شیرِ خدا کا اخلاص

حضرات صحابہ کرام اپنے اعمال میں کیسے پیکرِ اخلاص تھے؛ اس کا بھی ایک نمونہ دیکھ لیجئے۔ فاتح خیبر علی حیدر شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ میدانِ جہاد میں ایک کافر پہلوان کے مقابلے کے لئے نکلے۔ پہلوان نے

آپ پر تلوار سے دو خطرناک وار کئے مگر اس کے دونوں وار خالی گئے اب اسد اللہ الغالب علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے حملہ کی باری تھی آپ نے ذوالفقار کی ایک جھلی دی اور ناگہاں حریف کا ٹیکا پکڑ کر جو ایک جھٹکا دیا۔ تو پہلوان بدحواس ہو کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گرا۔ آپ جھپٹ کر اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور قدرت پکار اٹھی کہ ؎

شاہِ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار　　لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

آپ نے اس کا سر کاٹنے کا ارادہ فرمایا۔ کہ اتنے میں اس بدنصیب نے کیا حرکت کی، توبہ نعوذ باللہ! مولائے روم فرماتے ہیں

او خیو انداخت بر روئے علی　　افتخار ہر نبی و ہر ولی

اس ظالم نے شیر خدا کے اس مقدس چہرے پر تھوک دیا جس چہرے پر تمام انبیاء کو بھی فخر ہے کہ علی جیسا دلدل سوار ہمارا فرماں بردار ہے۔ اور تمام اولیاء کو بھی فخر ہے کہ علی جیسا سید الاولیاء ہمارا مولیٰ ہے۔ جونہی اس نے آپ کے چہرے پر تھوکا۔ آپ نے تلوار کو میان میں رکھ کر فرمایا کہ جا! اب میں تجھ کو قتل نہیں کروں گا۔ پہلوان حیران ہو کر پوچھنے لگا۔ کہ اے علی! میں اس فلسفے کو نہیں سمجھ سکا کہ تم نے مجھ جیسے دشمنِ اسلام کو قابو میں پا کر اس طرح کیوں چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا کہ افسوس! تو نے اسلام کو نہیں سمجھا۔ اگر تو اسلام کے فلسفہ عمل کو سمجھ لیتا۔ تو ہرگز ہرگز کبھی تو اسلام کے خلاف تلوار نہ اٹھاتا۔ سن! جب میں گھر سے جہاد کے لئے نکلا تھا تو صرف رضائے مولیٰ کے لیے جب میں تیرے حملوں کو روک رہا تھا۔ تو صرف رضائے الٰہی کے

لیے۔ جب تیرا سر کاٹنے کے لیے تیرے سینے پر بیٹھا تھا تو صرف رضائے مولیٰ کے لیے لیکن جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میں بھی آخر انسان ہوں۔ اس وقت میرا کیا حال ہو گیا؟ سن! ؎

چوں تو خیو انداختی بر روئے من نفس جنبید و تبہ شد خوئے من

جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میرے نفس میں جوشِ انتقام پیدا ہو گیا۔ اور میرا حال بدل گیا اب اس حال میں اگر میں تجھ کو قتل کر دیتا تو ؎

نیم بہر حق شدے نیمے ہوا شرکت اندر کارِ حق نبود روا

تیرا قتل آدھا تو خدا کی رضا کے لئے ہوتا اور آدھا میرے نفس کے لیے ہو جاتا اور خدا کے کام میں یہ شرک جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ مسلمان کا ہر عمل صرف خدا کی رضامندی ہی کے لئے ہونا چاہئے۔

سبحان اللہ! حضرات! شیر خدا کی اس ایمان افروز تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پہلوان کے دل و دماغ میں ایمان کا نور جگمگا اُٹھا اس نے اپنی تلوار سے اپنے زنار کو کاٹ کر پھینک دیا۔ اور کلمہ پڑھکر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ اے علی! گواہ رہنا کہ میری یہ تلوار جو اسلام کے خلاف میان سے نکلی تھی اب تمام عمر یہ تلوار اسلام کی نصرت و حمایت کے لئے بے نیام رہے گی۔

حضرات! دیکھ لیجئے! یہ ہے اخلاص عمل کی تاثیر کا جلوہ! مگر بھائیو! آج کل اخلاص کہاں؟ اس زمانے کا مسلمان جو بھی عمل کرتا ہے اس میں نام و نمود اور شہرت و ریا کا شائبہ ضرور ہو جاتا ہے۔

حاجی عبدالکریم نمازی عبدالرحیم آج کل تو وہی بات ہے کہ بمبئی میں ایک صاحب نے کسی سے پوچھا کہ بھائی تمہارا نام کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ حاجی عبدالکریم" پھر اس نے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف؟ تو یہ بولا کہ میرا نام ہے "نمازی عبدالرحیم" حاجی عبدالکریم نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ بھائی! یہ نمازی عبدالرحیم کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اجی! تم نے بلیک مارکیٹ کے پیسے سے ایک مرتبہ حج کر لیا تو کہتے ہو حاجی، لکھتے ہو حاجی، سائن بورڈ پر حاجی، یہاں تک کہ اپنا نام بتاتے ہو تو اس میں بھی حاجی کا پخر لگاتے ہو۔ اور میں روزانہ دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہوں تو میں نے اگر اپنے نام کے ساتھ نمازی کا ٹائیٹل لگا لیا تو کون سا گناہ ہو گیا، جو نمازی عبدالرحیم سن کر آپ کے کان کھڑے ہو گئے

ایک عابد اور شیطان حضرات! ایک دلچسپ واقعہ سنئے! ایک گاؤں کے کچھ لوگ شیطان کے ورغلانے سے ایک درخت کی پوجا کرنے لگے۔ اس گاؤں میں ایک بہت بڑے عابد رہتے تھے۔ انہیں جلال آگیا اور کلہاڑی لے کر اس درخت کے کاٹنے کے لیے چل پڑے۔ راستے میں شیطان ان سے لڑنے لگا کہ میں ہرگز اس درخت کو کاٹنے نہیں دوں گا۔ عابد صاحب اور شیطان میں کشتی ہونے لگی۔ اور عابد صاحب نے کئی مرتبہ شیطان کو پچھاڑا، آخر شیطان عاجز ہو کر کہنے لگا کہ حضرت! آپ کیوں اس درخت کو کاٹنے کی زحمت اٹھا رہے ہیں، آپ اپنے عبادت خانے میں تشریف لے جائیے۔ میں روزانہ آپ کے مصلے کے

نیچے ایک اشرفی رکھ دیا کروں گا۔ آپ اسی سے اپنی سحری اور افطاری کا انتظام بھی کیجئے اور خیرات بھی کرتے رہیئے اور سکونِ قلب کے ساتھ خدا کی عبادت بھی کرتے رہیئے۔ عابد صاحب ایک اشرفی کا نام سُن کر لالچ کے پھندے میں گرفتار ہو گئے اور واپس چلے آئے۔ ایک ہفتہ تک تو شیطان ان کے مُصلے کے نیچے اشرفی رکھتا رہا پھر اشرفی رکھنا بند کر دیا۔ عابد صاحب روز مُصلی جھاڑتے رہے مگر اشرفی ندارد۔ اب پھر عابد صاحب کو جلال آیا۔ اور شیطان کی وعدہ خلافی پر آگ بگولہ ہو کر کلہاڑی اُٹھائی اور درخت کاٹنے کے لیے چل پڑے۔ راستہ میں شیطان ملا عابد صاحب غصہ میں تھے ہی شیطان کو دیکھتے ہی بدن میں آگ لگ گئی اور شیطان کو پچھاڑنے کے لئے جھپٹے تو شیطان نے عابد کو اُٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹخا کہ ان کا انجر پنجر ڈھیلا ہو گیا۔ عابد صاحب بار بار شیطان سے لڑتے رہے، مگر ہر مرتبہ شیطان ان کو پچھاڑتا رہا۔ جب عابد صاحب حیران ہو گئے تو شیطان کہنے لگا کہ حضرت جی! اب خیریت اسی میں ہے کہ آپ اپنی خانقاہ میں جا کر حق ہو کرتے رہئے۔ پہلی مرتبہ آپ مجھ پر اس لئے غالب آ گئے تھے کہ آپ اخلاص کے ساتھ محض خدا کی رضا کے لئے درخت کو کاٹنے جا رہے تھے اب آپ میں اخلاص نہیں رہا۔ اب تو آپ اس لئے درخت کو کاٹنے جا رہے تھے کہ میں نے آپ کو اشرفی نہیں دی۔ یاد رکھئے کہ صرف اخلاص والے بندے ہی شیطان پر غالب ہو سکتے ہیں۔ اب آپ میں اخلاص نہیں رہا تو آپ ہرگز ہرگز شیطان پر غالب نہیں ہو سکتے!

برادرانِ ملت! حقیقت تو یہی ہے کہ بغیر اخلاص کے عمل بیکار ہے۔ مگر آج کل اخلاص کہاں؟ جس کو دیکھئے نام ونمود اور شہرت کا بھوکا ہے!

خوفِ خداوندی

خیر" اچھا اب تصوف کا آخری اور سب سے بلند درجہ بھی سُن لیجئے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ :۔

وَالْمُخْلِصُوْنَ كُلُّهُمْ عَلٰى خَطَرٍ اِلَّا الْخَائِفِيْنَ یعنی علم وعمل اور اخلاص کے باوجود بھی مسلمان خطروں میں گھرا ہوا ہے کہ کہیں یہ سب غارت نہ ہو جائے خطرہ سے محفوظ وہ مسلمان ہے جو علم وعمل اور اخلاص کے بعد ہر اسے ڈرتا رہے۔ حضرات! گناہ کر کے کوئی شخص خدا سے ڈرے اگرچہ یہ خوفِ خدا بھی بڑا درجہ رکھتا ہے مگر علم وعمل اور اخلاص کی دولتوں کا پونجی پتی ہوتے ہوئے جو مسلمان خدا سے ڈرتا ہے۔ اس خوفِ خداوندی کی عظمتِ شان کا کیا کہنا؟ حضرت امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ غالباً آپ لوگوں نے سُنا ہوگا؟ عید کے دن لوگ کاشانۂ خلافت پر حاضر ہوئے۔ تو کیا دیکھا؟ آپ دروازہ بند کر کے زار وقطار رو رہے ہیں۔ لوگوں نے حیران ہو کر تعجب سے پوچھا کہ امیر المومنین آج عید کا دن ہے۔ آج تو شادمانی ومسرت اور خوشی منانے کا دن ہے یہ خوشی کی جگہ رونا کیسا؟ آپ نے آنسو پوچھتے ہوئے فرمایا کہ هٰذَا الْيَوْمُ الْعِيْدِ وَهٰذَا الْيَوْمُ الْوَعِيْد۔ اے لوگو! یہ عید کا دن ہے۔ اور وعید کا دن بھی ہے۔ آج جس کا تمام روزہ مقبول ہو گیا۔ بلاشبہ اُس کے لیے آج عید کا دن ہے۔ لیکن آج جس کا روزہ مردود کر کے اُس کے منہ پر مار دیا گیا ہو۔ اس کے لئے تو آج وعید کا دن ہے۔ اور میں اسلئے

ورہا ہوں کہ وَاَنَا لَا اَدْرِیْ اَمِنَ الْمَقْبُوْلِیْنَ اَمْ مِنَ الْمَطْرُوْدِیْنَ
فی مجھے یہ پتہ نہیں ہے کہ میں مقبول ہوا ہوں یا ٹھکار دیا گیا ہوں۔

اللہ اکبر! مسلمانو! غور کرو۔ فاروق اعظم کا روزہ؟ اور مقبول نہ ہو؟ یا منعی؟ یقیناً آپ کا روزہ مقبول تھا، بیشک مقبول تھا، بلاشبہ مقبول تھا۔ مگر یہ وہی خوفِ الٰہی کا اعلیٰ مرتبہ ہے کہ علم وعمل اور اخلاص سبھی کچھ ہے مگر اس کے بعد بھی خوفِ الٰہی سے تھرا رہے ہیں کہ نہ معلوم میرا روزہ قبول ہوا یا نہیں؟ پڑھئے درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ حضرات اسلف صالحین میں خوفِ الٰہی کے عجیب عجیب نمونے ملتے ہیں۔ صرف دو واقعات سُن لیجئے۔

فُضَیل بن عیاض حضرت فضیل بن عیاض جو ایک مشہور صاحبِ کرامت ولی ہیں۔ یہ پہلے بڑے زبردست ڈاکو تھے۔ ایک رات ڈاکہ ڈالنے کے لئے کسی مکان کی دیوار پر چڑھ رہے تھے۔ مالک مکان تلاوت کر رہے تھے ناگہاں فضیل بن عیاض کے کان میں یہ آواز پڑی کہ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ۔ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکرِ الٰہی کے لئے نرم پڑ جائیں، یہ آیت تاثیر ربانی کا تیر بن کر فضیل بن عیاض کے دل میں چبھ گئی۔ خوفِ خداوندی سے تھرا گئے اور بے اختیار منہ سے نکل گیا کیوں نہیں اے میرے رب اب اس کا وقت آگیا۔ روتے ہوئے دیوار سے اتر گئے۔ اور ایک سنسان کھنڈر میں بیٹھ کر رونے لگے۔ اتنے میں وہاں

ایک قافلہ آیا اور قافلہ والے آپس میں کہنے لگے کہ یہیں رات کو ٹھہر جاؤ۔ رات میں سفر مت کرو۔ کیونکہ فضیل ڈاکو اسی اطراف میں رہتا ہے۔ آپ قافلہ والوں کی باتیں سن کر اور زیادہ رونے لگے کہ ہائے افسوس! میں کتنا بڑا گنہگار ہوں کہ میرے ڈر سے امتِ رسول کے قافلے رات میں سفر نہیں کرتے۔ روتے روتے سچی توبہ کرلی اور عہد کرلیا کہ اب باقی زندگی بیت اللہ شریف کی مجاوری اور عبادت میں گزاروں گا۔ صبح کو اٹھکر پہلے درسگاہِ حدیث میں گئے۔ اور اس قدر محنت سے علم حدیث پڑھا کہ علم حدیث کے امام ہو گئے۔ پھر عبادت میں بھی یگانۂ روزگار ہوئے۔ ان پر خوفِ الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ اگر کوئی ان کی مجلس میں اللہ کا نام لے لیتا تو یہ خوف سے کانپنے لگتے۔ اور اسقدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ حاضرین مجلس کو ان پر رحم آنے لگتا۔ جس دن ان کا انتقال ہوا تو امام وکیع یہ اعلان کرتے پھرتے تھے کہ اے لوگو! آج خوفِ خدا دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (تہذیب التہذیب)

بغداد کا شہزادہ اسی طرح ہارون رشید خلیفۂ بغداد کا ایک لڑکا جو صالحین میں سے تھا۔ ایک مرتبہ دربارِ شاہی کے جشن میں کسی قاری نے خوفِ الٰہی کی ایک آیت تلاوت کردی۔ سُن کر اس شہزادہ کا دل خوفِ خداوندی سے لرز اٹھا۔ جشن چھوڑ کر یہ شاہزادہ صرف ایک قرآن شریف اور ایک زنبیل لیکر شاہی محل سے نکل پڑا۔ اور کسی گمنام گاؤں کے ایک کھنڈر میں جاکر رہنے لگا۔ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ معمار بن کر مزدوروں کے ساتھ مزدوری کرتا۔ اور اسی مزدوری کی رقم سے خورد و نوش کا انتظام کرکے ہفتہ بھر

عبادت میں مصروف رہتا اور رات بھر سجدے میں سر رکھ کر خوف الٰہی سے رویا کرتا ۔ ابو عامر نامی ایک رئیس ایک مرتبہ معمار کی تلاش میں بازار گیا ۔ دیکھا کہ چاند جیسی صورت والا معمار مزدوروں کے جھرمٹ میں تلاوت کر رہا ہے ۔

ابو عامر نے جب کام کے لئے کہا تو اس معمار نے فرمایا کہ میری شرط یہ ہے کہ نماز کے وقت کام چھوڑ دوں گا ۔ اور ہفتہ میں ایک ہی دن کام کروں گا ۔ ابو عامر نے شرط منظور کر لی ۔ اور گھر لا کر دیوار بنانے کا کام سپرد کیا ۔ اس معمار نے ایک دن میں اتنا کام کر دیا کہ دوسرے معمار ایک ہفتہ میں بھی نہیں کرتے ۔ ابو عامر نے شام کو مزدوری دے دی ۔ اور طے کر لیا کہ آٹھویں دن پھر اسی معمار کو لاؤں گا مگر جب ابو عامر معماروں کے بازار میں گیا تو پتہ چلا کہ وہ معمار فلاں کھنڈر میں بیمار پڑا ہے ۔ ابو عامر نے جا کر دیکھا تو معمار زمین پر پڑا ہوا ایک کچی اینٹ کا تکیہ لگائے ہوئے نزع کی حالت میں ہے ۔ ابو عامر نے سلام کیا اور معمار کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا ۔ معمار نے آنکھیں کھول کر منع کیا اور کہا کہ میرا سر اسی طرح اینٹ پر رکھ دو اور روتے ہوئے یہ دو شعر پڑھے ؎

يَا صَاحِبِي لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ   فَالْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيمُ يَزُوْلُ

وَإِذَا حَمَلْتَ إِلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً   فَاعْلَمْ بِأَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

یعنی اے میرے ساتھی ! دنیا کی نعمتوں پر دھوکا مت کھانا کیونکہ عمر فنا ہونے والی ہے اور نعمت زائل ہونے والی چیز ہے اور جب بھی تو کسی جنازہ کو قبرستان لے جائے تو یقین کر لے کہ اس کے بعد اسی طرح ایک دن تجھکو بھی لوگ قبرستان لیجائیں گے ۔

اس کے بعد معمار نے کہا کہ اے ابو عامر! بہت ہی اچھا ہوا کہ تم اس وقت میرے پاس آگئے اب تم میری چند وصیتیں سن لو جب میری روح پرواز کر جائے تو تم مجھے سنت کے مطابق غسل دینا۔ اور میرے بدن کے پرانے کپڑوں ہی کا کفن مجھ کو پہنا کر گورِ غریباں میں دفن کر دینا اور میری یہ زنبیل، اور یہ تہبند گورکن کو دے دینا اس کے بعد میری یہ انگوٹھی، اور میرا قرآن مجید خلیفۂ بغداد ہارون رشید کے پاس لیکر تم خود جانا اور کہہ دینا کہ یہ ایک غریب الوطن نوجوان مسلمان کی امانت ہے جو طیّان تھا یعنی مٹی گارے کا کام کیا کرتا تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا اس نے یہ انگوٹھی، اور قرآن مجید آپ کے پاس بھیجا ہے اور سلام کے بعد یہ پیغام عرض کیا ہے کہ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْن لَا تَمُوْتَنَّ عَلٰی غَفْلَتِكَ هٰذِهٖ یعنی اے امیر المومنین! خبردار! تم اپنی اس غفلت کی حالت میں مت مر جانا بلکہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ معمار نے ابو عامر سے یہ سب کچھ کہا۔ اس کے بعد فوراً ہی معمار کی وفات ہو گئی۔ ابو عامر نے معمار کو اس کی وصیت کے مطابق اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کفن پہنا کر گورِ غریباں میں دفن کر دیا۔ اب ابو عامر نے معمار کی آخری وصیت پر عمل کرنے کے لئے انگوٹھی اور قرآن مجید لیکر بغداد کا سفر کیا۔ عجیب اتفاق کہ ابو عامر جس دن بغداد پہنچا اُس دن خلیفہ ہارون رشید کا شاہی جلوس نکلا ہوا تھا۔ ابو عامر سڑک کے کنارے ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہو کر جلوس کا منظر دیکھنے لگا جب ابو عامر کی نظر خلیفہ پر پڑی تو چلا کر ابو عامر نے کہا کہ اے امیر المومنین! ایک غریب الوطن مسلمان طیّان کی دو امانتیں ہیں جو بے کسی کی حالت میں انتقال کر گیا۔ آپ

ان دونوں امانتوں کو مجھ سے لے لیجئے۔ ابو عامر کی پکار سُن کر خلیفہ نے سواری روک دی۔ ابو عامر نے بڑھکر انگوٹھی اور قرآن مجید خلیفہ کے ہاتھ میں دیدیا اور کہا کہ اس مرنے والے نوجوان طیّان نے سلام کے بعد آپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ اے امیر المومنین ابتم اپنی اس غفلت کی حالت میں مت مرجانا۔ بلکہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ خلیفہ نے جوں ہی انگوٹھی اور قرآن مجید کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسو سے ڈبڈبانے لگیں اور بھرائی ہوئی آواز میں یاطیّانؔ یاطیّانؔ کہہ کر رو پڑا۔ پھر مصاحبوں کی طرف اشارہ کیا کہ اس شخص کو ساتھ لے لو۔ جب جلوس ختم کر کے خلیفہ شاہی محل پہونچا تو ابو عامر کو طلب کیا۔ ابو عامر جب دربار میں پہنچا۔ تو دیکھا کہ خلیفہ قرآن مجید کو سینے سے لگائے ہوئے اور انگوٹھی پر نظر جمائے ہوئے زار زار رو رہا تھا۔ جب خلیفہ کی نظر ابو عامر پر پڑی تو کہنے لگا کہ اے ابو عامر! تونے اس معمار طیّان کو پہچانا؟ ہائے اے ابو عامر! تونے اس کو نہیں پہچانا۔ ارے وہ تو میرا نور نظر، میرا شہزادہ تھا۔ قرآن مجید کی ایک آیت سُن کر خوف الٰہی سے اُس کے سینے میں دل پاش پاش ہوگیا۔ اور اسی وقت وہ میرا لخت جگر خوف خداوندی کا مجسمہ بن کر میرے شاہی محل کو چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا۔ میں نے برسوں اس کو تلاش کرایا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں چلا۔ ہائے آج معلوم ہوا کہ میرا لعل! معمار و طیّان بن کر مزدوری کرتا تھا اور اسی حالت میں وہ ایک گمنام گاؤں کے سنسان کھنڈر میں وفات پاگیا۔ اے ابو عامر! یہ وہی انگوٹھی ہے جو میں نے اپنے ہاتھ سے اپنے شہزادے کو پہنائی تھی۔ اور یہ وہی قرآن مجید ہے جو میں نے اس شہزادے کے پڑھنے کے

لیے بہترین کاتب سے لکھایا تھا اور سنہرے رو پہلے نقش ونگار سے اس کو مرصع ومزین کیا تھا۔ پھر خلیفہ نے ابو عامر کا ہاتھ پکڑ کر کہا ہائے ابو عامر! تم نے اسی ہاتھ سے میرے بچے کو غسل دیا؟ اور کفن پہنا کر دفن کیا؟ پھر ابو عامر کے ہاتھ کو خلیفہ کبھی بوسہ دیتا۔ اور کبھی اپنے سینے پر رکھ کر زار وقطار روتا تھا۔ یہاں تک کہ خلیفہ روتے روتے نڈھال ہوگیا (روض الریاحین)

برادرانِ ملت! غور کیجئے! اور عبرت پکڑیئے! کہ عباسی سلطنت کا شاہزادہ ہو کر خوف الٰہی کا یہ پیکر کس طرح شاہی محل کو ٹھوکر مار کر ایک گمنام کھنڈر، اور غار میں غریب الوطنی کی موت مرنے کو پسند کرتا ہے۔ اور شاہی دسترخوان کی نعمتوں سے منہ موڑ کر مزدوری کی کمائی سے خشک روٹی کے ٹکڑوں کو نعمتِ عظمیٰ سمجھ کر کھاتا ہے۔ اور اس طرح خوفِ ذوالجلال، صدقِ مقال، رزقِ حلال کی سعادتوں سے سرفراز ہو کر اپنے رب کریم کے غفران و رضوان کی دولتوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

تیسری منزل وسیلہ

خیر! بہر حال میں نے عرض کیا کہ خدا تک پہنچنے کے لئے چار منزلوں کو طے کرنا ضرور ہے۔ ان میں سے ایمان اور خوف الٰہی دو منزلوں کا بیان تو آپ سن چکے اب تیسری منزل کا حال بھی سنئے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ ط یعنی دربار خداوندی میں پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

حضرات! وسیلہ کا مسئلہ آگیا ہے۔ تو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ کچھ ذرا اس کی تفصیل بھی آپ کے سامنے عرض کردوں۔ دیکھئے اس

دنیا کا ایک نام ہے۔ عالم اسباب۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ دنیا عالم اسباب ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس دنیا کا کوئی کام بے سبب، بے ذریعہ بے وسیلہ کے ہوتا ہی نہیں۔ دیکھئے خداوند کریم بڑا قادر ہے۔ اگر وہ چاہے تو ہمارے گھروں میں روزانہ پکا ہوا کھانا بھیج سکتا ہے یہ اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے۔ کون نہیں جانتا کہ چالیس برس تک بنی اسرائیل پر من وسلویٰ اترتا رہا۔ شہد جیسا حلوہ اور بھنی ہوئی بٹیریں خداوند کریم آسمان سے نازل فرماتا تھا۔ اور بنی اسرائیل کھاتے تھے۔ قرآن مجید گواہ ہے کہ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى رب کریم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے اے بنی اسرائیل! تم پر من وسلویٰ نازل کیا۔ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی کہ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ اے پروردگار! ہمارے اوپر آسمان سے ایک دسترخوان اتار دے۔ تو خداوند عالم نے آسمان سے ایک دسترخوان اتار دیا جس میں روٹی اور مچھلی تھی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے آسمانی دسترخوان کے نفیس پکوان کو کھایا بہر حال یہ عرض کرنا ہے کہ خداوند کریم اگر چاہے تو ہمارے گھروں میں بھی پکا ہوا کھانا بھیج سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ خدا کی قدرت تو ہے لیکن اس کی عادت نہیں ہے۔ بلکہ غذا کے بارے میں بھی اس کا یہ دستور ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور اس دنیا کا کوئی کام بے سبب، بے ذریعہ، بے وسیلہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ رب العزت خود ارشاد فرماتا ہے کہ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

وَّحَدَائِقَ غُلْبًا ۙ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۙ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۙ (عبس) یعنی آدمی کو چاہیے کہ اپنے کھانوں کو دیکھے۔ کہ ہم نے اچھی طرح پانی برسایا۔ پھر زمین کو خوب چیرا۔ تو اس میں اگایا اناج، اور انگور، اور چارہ، اور زیتون، اور کھجور، اور گھنے باغ اور میوے اور دوب، تمہارے فائدے کے لئے اور تمہارے چوپایوں کے لئے!

عزیزانِ ملت! کون نہیں جانتا کہ ایک روٹی تک پہنچنے کے لئے ہمیں کتنے اسباب اور وسیلوں کی ضرورت ہے۔ پہلے بارش ہوتی ہے۔ پھر زمین کو گوڑ کر ہم اُس میں بیج ڈالتے ہیں۔ پھر پودا زمین پھاڑ کر نکلتا ہے۔ پھر ہم اس کو کاٹتے ہیں پھر مالش کر کے اناج نکالتے ہیں۔ دیکھ لیجئے ہل بیل کا وسیلہ آبپاشی کا وسیلہ، ہنسیا کا وسیلہ، پھر اناج کو پیستے ہیں۔ پھر آگ جلاتے ہیں پھر آٹا گوندھتے ہیں۔ پھر توا آگ پر رکھتے ہیں۔ تب جا کر روٹی پکتی ہے۔ غور کیجئے آگ کا وسیلہ، توے کا وسیلہ، ہاتھوں کا وسیلہ، اتنے وسائل کے بعد روٹی تیار ہوئی۔ اب بھی کام نہیں چلا۔ اب روٹی کو سامنے رکھ کر کہئے کہ آجا روٹی منہ میں۔ تو ہرگز روٹی منہ میں نہیں جا سکتی بلکہ ہاتھ سے توڑیئے۔ پھر لقمہ منہ میں ڈالئے۔ پھر منہ کی سنگر مشین چلائیے۔ غرض ہاتھ کا، دانت کا زبان کا وسیلہ پکڑیئے تب کہیں جا کر خدا خدا کر کے روٹی حلق کے اندر گئی

حضرات! دیکھا آپ نے؟ ایک روٹی تک پہنچنے کے لئے ہمیں کتنے وسیلوں کی ضرورت پڑی؟ کیوں؟ اس لئے کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔

یہاںؑ کا کوئی کام بے سبب، بغیر ذریعہ، بلا وسیلہ نہیں ہوتا!

اسی طرح خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے گھروں میں لڑکے لڑکیاں آسمان سے برسادے اور شادی بیاہ اور ازدواجی زندگی کے تمام جھنجھٹوں سے ہمیں فرصت مل جائے۔ کیونکہ بلاشبہ خداوند تعالیٰ تو ایسا قادر مطلق ہے کہ اگر چاہے تو تنہا مرد سے سیکڑوں انسان پیدا کردے۔ چنانچہ کون نہیں جانتا کہ حضرت حوا کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمادیا اسی طرح اگر خدا چاہے تو تنہا عورت سے سیکڑوں انسان پیدا فرمادے چنانچہ ہمارا پکا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند عالم نے کنواری مریم سے پیدا فرمادیا اسی طرح اگر خدا چاہے تو بغیر مرد عورت کے ہزاروں انسان پیدا فرمادے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلاق عالم نے بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا فرمادیا۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ہ یعنی حضرت عیسیٰ السلام جو بغیر باپ کے پیدا ہوگئے تو ان کا حال ایسا ہے جیسے آدم علیہ السلام کہ خدا نے ان کو مٹی سے پیدا کیا اور یہ فرمادیا کہ ہوجا۔ تو آدم علیہ السلام ہوگئے۔

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ خدا کی قدرت تو یہ ہے کہ بلا مرد و عورت کے ہزاروں انسان پیدا فرمادے۔ مگر اس کی عادت نہیں ہے کیونکہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں کوئی کام چونکہ بلا سبب بغیر ذریعے اور وسیلے کے نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے اس کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو مرد و عورت کے ملاپ سے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ آپ کو اگر ایک بچہ حاصل کرنا ہے تو شادی کیجئے۔ پھر

میاں بیوی کے تعلقات قائم کیجئے۔ پھر نطفہ سے جما ہوا خون، پھر گوشت کی ایک بوٹی، پھر کہیں جا کر ایک بچہ ہوگا۔

برادرانِ اسلام! آپ نے غور کیا؟ کہ جب ایک روٹی۔ اور ایک بچے تک پہنچنے کے لئے بہت سے اسباب اور وسیلوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو پھر بھلا خدا تک پہنچنے کے لیے کیا ہمیں کسی وسیلے کی ضرورت نہیں پڑے گی؟ کہئے کہ پڑے گی، ضرور پڑے گی۔ کیونکہ جس طرح اس دنیا میں ہر کام کے لئے ذرائع، اسباب اور وسیلوں کی ضرورت ہے اسی طرح ہمیں خدا تک پہنچنے کے لئے بھی یقیناً بلاشبہ وسیلہ کی ضرورت ہے۔ اسی لئے خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيلَة یعنی تم لوگ خدا کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ لہذا ثابت ہوا کہ خدا تک پہنچنے کے لئے پہلی منزل ایمان ہے اور دوسری منزل تقویٰ ہے۔ اور تیسری منزل وسیلہ ہے۔

اللہ والے وسیلہ ہیں

اب رہا یہ سوال کہ خدا تک پہنچنے کے لئے کس کو وسیلہ بنائیں؟ تو حضرات اس کو سمجھنا بہت ہی آسان ہے۔ دیکھو اگر تم کو لندن پہنچنا ہے۔ تو یقیناً تم کو اس سے ملنا پڑے گا جو لندن تک پہنچ چکا ہو۔ اسی طرح اگر تم کو بمبئی پہنچنا ہے تو تمہیں اس سے ملنا پڑے گا جو بمبئی تک پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ وہی تم کو راستہ اور سفر کا طریقہ وغیرہ بتائے گا۔ تو اسی طرح اگر تم کو خدا تک پہنچنا ہے۔ تو اس سے ملنا پڑے گا جو خدا تک پہنچ چکا ہے۔ بس مسئلہ حل ہوگیا کہ جو لوگ خدا تک پہنچے ہوئے ہیں وہی خدا تک پہنچنے کے لئے تمہارا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے ہمیں بتا دیا کہ خدا تک پہنچنے والوں کے چار گروہ ہیں۔ چنانچہ

ارشاد ربانی ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ۝ پہلا گروہ نبیوں کا، دوسرا گروہ صدیقوں کا۔ تیسرا گروہ شہیدوں کا، چوتھا گروہ صالحین یعنی اولیاء کا اور یہ لوگ بہترین مددگار ہیں۔

برادران ملت! اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے کہ ہمیں خدا تک پہنچنے کے لئے ان چار مقدس جماعتوں کا وسیلہ پکڑنا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک جتنے اولیاء ہوئے اگرچہ وہ مادر زاد ولی کیوں نہ ہوں مگر سب نے کسی نہ کسی شیخ اور مرشد سے ضرور وابستہ ہو کر ان کا وسیلہ پکڑا۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا کہ آپ مادر زاد ولی ہیں مگر باوجودیکہ آپ آسمان ولایت وکرامت پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے پھر بھی شیخ ابو سعید مخزومی کے مرید ہو کر ان کا وسیلہ پکڑا۔ اسی طرح حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند، حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہم سب کے سب ماں کے شکم ہی سے آفتاب ولایت بن کر چمکے تھے مگر سب نے مشائخ کا وسیلہ پکڑا اور وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ پر عمل کیا۔ اب اگر اس چودھویں صدی کے کچھ سرپھرے یوں کہتے پھریں کہ ہمیں وسیلے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو تم خود ہی سمجھ لو کہ ضرور ان کے دماغوں کی مشینری کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے۔ ورنہ کون عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت غوث اعظم، خواجہ بہاؤالدین نقشبند، خواجہ

معین الدین چشتی، خواجہ شہاب الدین سہروردی کو تو وسیلہ کی ضرورت تھی مگر اس زمانے کے بدھو، خیراتی، نتھو، شبراتی کو وسیلے کی ضرورت نہیں ہے معاذ اللہ! مولائے روم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہیں مرو تنہا کہ بے پیراں سفر ہست بس دور و دراز و پُر خطر

یعنی خبردار! بغیر پیر کا وسیلہ پکڑے ہوئے اس راستے میں اکیلے مت چل پڑو کیونکہ بغیر پیر کے وسیلہ کے یہ راستہ بہت دور دراز اور خطرناک ہے۔

برادرانِ ملت! یاد رکھو کہ اللہ والوں سے محبت و عقیدت رکھنا۔ ان سے توسل کرنا۔ ان سے بیعت کرنی۔ ان کی قبروں پر مراقبہ کر کے فیض حاصل کرنا یہ سب وسیلہ پکڑنے کی صورتیں ہیں۔ اسی لئے اہل سنت و جماعت اس کے قائل و عامل ہیں۔

چوتھی منزل مجاہدہ بہر حال اب چوتھی منزل کے بارے میں بھی کچھ مختصر عرض کرتا ہوں ارشاد ربانی ہے کہ:- وَ جَاهِدُوْا فِی سَبِیْلِہٖ یعنی تم لوگ خدا کی راہ میں مجاہدہ کرو۔ حضرات چوتھی منزل مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ کیا ہے؟ خدا کی راہ میں کوشش کرنا۔ نفس کشی، ریاضت، کم کھانا، کم سونا، کم بولنا۔ ہر قسم کی نفلی عبادات زیادہ سے زیادہ کرتے رہنا۔ اور ہر دم ہر لحظہ معبود حقیقی کا مراقبہ اور دھیان رکھنا۔ یہ سب مجاہدہ کی صورتیں ہیں۔ اللہ اکبر! اولیاء کرام نے کیسے کیسے مجاہدے کئے ہیں کہ اس دور میں تو ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بغداد کے بُرج عجمی میں کیسے کیسے نفس کش مجاہدات کئے، مہینوں اناج کا ایک دانہ نہیں

کھایا۔ اور صرف پانی پی کر روزے رکھتے رہے۔ اور مہینوں پانی نہیں پیا انگور کے ایک یا دو دانوں سے سحری وافطاری کرتے رہے۔ بہت سے اولیاء پہاڑوں کے غاروں میں معتکف ہو کر برسوں مراقبہ میں رہ گئے۔ بہت سے اولیاء عمر بھر صائم الدہر اور قائم اللیل رہے۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں ہوئے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند فرماتے ہیں کہ ؎

یک لحظہ دلا! غافل ازاں ماہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

یعنی ایک سکنڈ بھی اے دل! تو اس محبوب سے غافل نہ رہنا۔ نہ معلوم کب وہ تجھ پر نگاہ کرم فرمادے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جب نگاہ کرم فرمائے اس وقت تو بے خبری میں رہے۔ اور اس کی نگاہ کرم کے فیضان سے محروم رہ جائے۔ غرض اولیاء کرام نے بڑے بڑے دشوار مجاہدے اور ریاضتیں کی ہیں تب جا کر ان پر معرفت الٰہی کے دروازے کھُلے ہیں اور وہ بارگاہِ قدس میں مقرب ہو کر سلطنت ولایت وکرامت کے تاجدار بنے ہیں سچ ہے ؎

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

مگر افسوس! صد ہزار افسوس! کہ آج نوافل کے ذریعہ مجاہدہ تو کجا؛ ہم مسلمان خدا کے فرائض سے بھی غافل ہیں۔ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ کو ہم نے چھوڑ رکھا ہے۔ اور ہمارے سروں پر غفلت وسرکشی کا ایسا عفریت

مسلط ہو گیا ہے کہ ہم نہ حقوق اللہ کی پرواہ کرتے ہیں، نہ حقوق العباد کی۔ پھر بھلا ہمیں کس طرح معرفت الٰہی کی راہیں نظر آسکتی ہیں؟ افسوس! عوام تو عوام آج کل کے پیروں کا حال دیکھ کر تو اور بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کم کھانا کم بولنا، کم سونا بہترین مجاہدہ ہے۔ مگر آج کل خدا کی پناہ! ایسے ایسے ہسم مسلمانوں میں کھانے والے پیر ہیں کہ ان کے پاس پیٹ نہیں ربڑ کے تھیلے ہیں۔ غالباً آپ لوگوں نے سنت خور پیر کی حکایت سنی ہوگی۔

سنت خور پیر

صاحبو! ایک پیر صاحب کسی مرید کے یہاں نازل ہو گئے! ان کے پیٹ کی ٹنکی بہت بڑی تھی۔ مرید نے گوشت روٹی جو کچھ پکایا تھا۔ پیر صاحب سب کھا گئے مگر ربڑ کی تھیلی نہیں بھری۔ تو ڈانٹ کر فرمایا کہ نمکیں کے بعد کچھ میٹھا بھی کھلاؤ؟ تم کو نہیں معلوم کہ نمکیں کے بعد میٹھا کھانا بھی سنت ہے۔ غریب مرید سیر بھر گلاب جامن لایا۔ پیر صاحب سب کھا گئے مگر پیٹ اب بھی "هَلْ مِنْ مَّزِيْد" کا نعرہ لگا رہا تھا۔ پھر پیر صاحب نے گرم ہو کر کہا کہ اب کچھ نمکین کھانا لاؤ؟ میٹھے کے بعد نمکین کھانا بھی سنت ہے مرید پھر ہوٹل سے گوشت روٹی لایا۔ پیر صاحب یہ بھی چٹ کر گئے۔ پھر کہا کہ اب پانی لاؤ۔ پانی پی کر بولے کہ کچھ اور کھانا لاؤ۔ کھانے کے بیچ میں پانی پینا سنت ہے۔ مرید کچھ اور لایا۔ پیر صاحب اس کو بھی کھانے لگے۔ اتنے میں مرید کا لڑکا آگیا۔ پیر صاحب نے پوچھا کہ اس لڑکے کا کیا نام ہے؟ مرید نے کہا کہ حضور! اس کا نام فرض ہے۔ "پیر صاحب کہنے لگے کہ کیسا بھونڈا نام تم نے رکھا ہے؟ مرید کہنے لگا کہ حضور! کیا کرتا۔

اگر میں کہہ دیتا کہ لڑکے کا نام سنّت ہے تو حضور اس لڑکے کو بھی کھا جاتے کیوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور ہر سنت کو کھائے چلے جاتے ہیں۔ اسی ڈر سے میں نے لڑکے کا نام فرض بتایا ہے

بہرحال عزیزانِ ملت! خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ دربار خداوندی میں مقرب ہونے کے لئے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ پہلی منزل ایمان ہے۔ دوسری منزل تقویٰ ہے، تیسری منزل وسیلہ ہے، چوتھی منزل مجاہدہ ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم ان منزلوں کو طے کریں۔ پھر خداوند قدوس سے یہ امید رکھیں کہ وہ اپنے کرم سے ضرور ہمیں اپنے دربار کا قرب عطا فرمائے گا حضرات! یاد رکھئے کہ رب کریم کو کرم فرماتے دیر نہیں لگتی۔ وہ کریم اگر چاہے تو ایک لمحہ میں اپنے بندے کو اپنے دربار میں باریاب فرما کر اپنے دیدار پُر انوار سے نواز دے!

بہلول دانا اور خلیفۂ بغداد

حضرات! مجھے اس موقع پر حضرت بہلول دانا علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ یاد آگیا خلیفۂ بغداد ہارون رشید بادشاہ نے ایک مرتبہ اپنا قاصد بھیج کر آپ کو دربار میں بلایا۔ قاصد نے آکر عرض کیا کہ جناب! آپ کو امیر المومنین شاہی محل میں یاد فرما رہے ہیں۔ آپ نے بڑی حقارت کے ساتھ جواب دیا۔ کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہوگا میں تو اس کو کبھی یاد نہیں کرتا۔ قاصد نے ہزار کوشش کی مگر آپ کسی طرح دربار میں جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے ایک دن آپ شاہی محل کے نیچے مست مولیٰ بنے چلے جا رہے تھے کہ ہارون رشید

بادشاہ نے محل کے اوپر سے آپ کو دیکھ لیا۔ فوراً حکم دیا کہ کمند ڈال کر بہلول دانا کو محل میں کھینچ لاؤ۔ چنانچہ اوپر سے کمند پھینکی گئی اور آپ ایک لمحہ میں محل کے اندر پہنچ گئے۔ خلیفہ نے آپ سے پوچھا کہ حضرت یہ بتا دیجئے، کہ آپ خدا تک کیسے پہنچے؟ آپ نے فرمایا کہ جیسے میں تمہارے پاس پہنچ گیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ میرے پاس آپ کیسے پہنچے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جیسے خدا تک پہنچا۔ خلیفہ نے کہا حضور! میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! دیکھئے اگر میں آپ کے دربار میں پہنچنے کی کوشش کرتا۔ تو میں پہلے عرضی لکھتا، پھر گھنٹوں میں نہا دھو کر اچھے لباس پہن کر ملاقات کی تیاری کرتا۔ پھر محل کے دروازے پر آکر آپکی اجازت کا انتظار کرتا۔ پھر بھی نہ معلوم میں دربار میں باریاب ہوتا یا نہیں ہوتا۔ مگر آپ نے جب مجھے باریاب فرمانا چاہا تو کمند ڈال کر ایک لمحہ میں باریاب فرما دیا۔ بس یہی حال خدا تک پہنچنے کا ہے کہ وہ مالک و مولیٰ جسکو اپنے دربار میں سرفراز فرمانا چاہتا ہے تو اس کو ایک لمحہ میں اپنے کرم کی کمند ڈال کر اپنے دربار میں اپنا قرب عطا فرما دیتا ہے۔ اور اگر وہ نہیں چاہتا تو سیکڑوں برس تک اس کی یاد اور تمنا کرنے کے باوجود بھی کوئی اس کے دربار میں باریاب نہیں ہو سکتا!

بہرکیف سامعین کرام! میری گزارش کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں ایک ایمانی انقلاب پیدا کیجئے اور قرآن مجید کی بتائی ہوئی چاروں منزلوں کو طے کر کے قربِ خداوندی کی سعادت حاصل کیجئے۔ مولیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ یعنی اگر تم لوگ ایمان و تقویٰ اور وسیلہ و مجاہدہ کی چار منزلوں کو طے کر لو گے تو تم فلاح پا جاؤ گے۔ مسلمانو! سب سے بڑی فلاح اور کامیابی کیا ہے؟ خدا کی قسم! سب سے بڑی فلاح یہی ہے کہ اللہ کا بندہ اللہ والا ہو جائے۔ یاد رکھو کہ

جو خدا کا ہو جاتا ہے۔ ساری کائنات اس کی ہو جاتی ہے۔ اگر تم اللہ والے ہو گئے تو ساری کائنات تمہاری فرماں بردار ہو جائے گی اور تم دونوں جہاں کی عزتوں اور کرامتوں کی سلطنت کے تاجدار بن جاؤ گے۔ بس اب میں اپنی تقریر کو ختم کر کے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیے میں بارگاہ صمدیت میں ایک مناجات عرض کرتا ہوں آپ لوگ صدق دل سے آمین کہیں۔

مناجات

کفر و ظلمت سے بچا صاحب ایماں کر دے
یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

ہم ہیں محتاجِ کرم تجھ کو کوئی بات نہیں
تو جو چاہے تو بیاباں کو گلستاں کر دے

روحِ توحید کو ہر قلب میں پیدا کر دے
نورِ اسلام سے عالم کو فروزاں کر دے

ہم کو پھر اپنی حقیقت سے خبردار بنا
ہم کو اسلاف کا پھر تابع فرماں کر دے

پھر جہاں پھونک دیں آتشکدۂ شوق سے ہم
پھر زمانے میں ہمیں شعلہ بداماں کر دے

پھر ہمیں سجدۂ مقصود کا دیوانہ بنا
پھر جبینوں کو ہماری مہ تاباں کر دے

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ وَاٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ط

ساتواں باب

فضیلتِ نماز

بسم اللہ الرحمن الرحیم ہ

الحمد للہ الذی فرض الصلوٰۃ علی المومنین ہ بقولہ تعالیٰ وارکعوا مع الراکعین ہ والصلاۃ والسلام علی رسولہ الذی جعل الصلاۃ عماد الدین ہ وعلیٰ آلہ وصحبہ المصلین ہ وعلینا معھم اجمعین ہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ط اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ ہ (ھود)

برادرانِ ملت! میری سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ آپ حضرات ایک ایک بار بہ آواز بلند درود شریف کا ورد کریں۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وبارک وسلم

برادرانِ گرامی! خداوند تعالیٰ کے فرائض اور اس کی عبادتیں تو بہت ہیں۔ اور درحقیقت تخلیق انسان کا مقصد ہی فرائضِ خداوندی کی ادائگی۔ اور عبادات ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ہ یعنی انسان اور جن کو ہم نے اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ ہماری عبادت کریں۔ لیکن نماز تمام فرضوں میں اہم الفرائض، اور تمام عبادتوں میں افضل العبادات ہے۔ اسی لئے خداوند عالم

نے قرآن مجید میں تمام فرائض و عبادات سے کہیں زیادہ بڑھکر اہتمام کے ساتھ نماز کا حکم دیا۔ اور بار بار نئے عنوانوں کے ساتھ نماز کی فرضیت واہمیت کا ذکر فرمایا۔ کہیں ارشاد فرمایا کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو۔ کہیں یوں حکم فرمایا کہ حَافِظُوا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ ٥ یعنی تمام نمازوں، خصوصاً بیچ والی نماز یعنی عصر کی محافظت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔ کہیں اس طرح حکم دیا کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ کہیں اس انداز میں امر فرمایا کہ وَأْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے۔ اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہئے۔ کہیں اس طرح ترغیب دلائی کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ ط نماز یقیناً بے حیائی اور بری باتوں سے روک دیتی ہے۔ کہیں نماز ترک کرنے والوں پر یوں وعید فرمائی کہ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ ٥ خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز کو بھول جاتے ہیں۔ اور وقت گزار کر پڑھنے اُٹھتے ہیں۔ حضرات! اس آیت میں "ویل" کا لفظ آیا ہے۔ ویل کیا ہے؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "ویل" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی سختی سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے۔ قصداً نماز چھوڑنے والوں کو جہنم کی اسی وادی میں داخل کیا جائے گا جس کا نام "ویل" ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں رب عزوجل اس طرح نماز ترک کرنے والوں پر وعید شدید فرماتا ہے۔ کہ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا

الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوَاتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ۙ

یعنی اُن کے بعد کچھ ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا۔ اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی۔ تو عنقریب انھیں سخت عذاب سے ملنا ہوگا جو بہت ہی طویل و شدید ہوگا۔ اس آیت میں غَیّ کا لفظ ہے حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ "غَیّ" بھی جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی گرمی اور گہرائی سب سے زیادہ ہے۔ اس میں بے نمازیوں، زناکاروں اور شرابیوں۔ اور سود خواروں، اور ماں باپ کو ایذا دینے والوں کو عذاب دیا جائے گا۔ کہیں خداوند عالم نے نماز کی عظمت کا اظہار فرماتے ہوئے اس طرح ارشاد فرمایا کہ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ یعنی صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ اور بیشک یہ نماز بہت ہی دشوار چیز ہے۔ مگر ان لوگوں پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں ان پر کچھ دشوار نہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے قیامت میں ملنے والے ہیں۔ اور مرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

الغرض نماز کی فرضیت و فضیلت پر جتنی تاکیدیں، اور نماز چھوڑنے پر جس قدر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ اتنی کسی دوسرے فرائض کے بارے میں تاکیدیں اور وعیدیں نازل نہیں ہوئیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ نماز اہم الفرائض اور افضل العبادات ہے۔

نماز عرش پر

برادران ملت! نماز کے اہم الفرائض اور افضل العبادات ہونے کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ خداوند عالم نے تمام فرائض وعبادات کا حکم زمین پر نازل فرمایا، مگر جب نماز فرض کرنی منظور ہوئی تو مالکِ عرشِ مجید نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس عرش پر مہمان بلا کر شبِ معراج میں یہ تحفہ عطا فرمایا۔

اسلام کا ستون

حضرات! حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ ٭ سب سے اول اس بات کی گواہی دینی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔ پھر اس کے بعد نماز قائم کرنا، اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

حضرات! اس حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کو ایک ایسے خیمے سے تشبیہ دی ہے۔ جو پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ان میں سے کلمۂ شہادت تو وہ ستون ہے جو خیمہ کے بیچ میں ہوتا ہے۔ اور باقی چار ارکان یعنی نماز وزکوٰۃ اور حج وروزہ ان چار ستونوں کے مانند ہیں جو خیمہ کے چاروں کونوں پر ہوتے ہیں۔ اب اگر خیمہ کے بیچ کا ستون گر پڑے جب تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر درمیان کا ستون تو

موجود ہو مگر چاروں کونوں کے ستون گر پڑیں تو اگرچہ خیمہ کھڑا تو ہو جائے گا مگر اس کے چاروں کنارے قائم نہیں رہیں گے اور اگر ان چاروں ستونوں میں سے کوئی ایک ستون گر پڑا۔ تو خیمہ کے اس جانب کا حصہ گرا ہوا ہو گا۔ اور پورا خیمہ اپنی استقامت و خوبصورتی کے ساتھ قائم نہیں رہے گا۔ تو اس تمثیل و تشبیہ کا حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی نے کلمۂ شہادت ہی کو چھوڑ دیا۔ جب تو اس کے اسلام کا خیمہ کھڑا ہی نہیں ہو گا اور وہ مسلمان ہی نہیں رہے گا۔ اور اگر کسی نے نماز و زکوٰۃ اور حج و روزہ چاروں ارکان کو چھوڑ دیا۔ تو اگرچہ اس کے اسلام کا خیمہ کھڑا تو ہو جائے گا اور وہ مسلمان تو کہلائے گا مگر اس کے اسلام میں چاروں طرف نقصان ہی نقصان اور خلل ہی خلل رہے گا۔ اور اگر ان چاروں ارکان میں سے کسی ایک رکن کو چھوڑ دے گا۔ تو اگرچہ اس کے اسلام کا خیمہ کھڑا تو رہے گا۔ مگر اس میں استقامت اور خوبصورتی نہیں رہے گی۔ یعنی اگرچہ وہ مسلمان تو کہلائے گا مگر اس کا اسلام ناقص اور عیب دار ہو گا۔

ایک حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل تعلیم فرمائیے جو مجھے جنت میں لیجائے اور جہنم سے بچائے۔ تو ارشاد فرمایا کہ تو خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کر۔ اور نماز قائم رکھ اور زکوٰۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھ۔ اور حج کر۔ اس حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نماز اسلام کا ستون ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

بہر حال اسلام کے پانچوں ارکان اگرچہ سب کے سب انتہائی اہم ہیں۔ مگر ان چاروں ارکان میں نماز سب سے زیادہ اہم الفرائض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ:۔ اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ

اَلدِّیْنِ مَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ یعنی نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا۔ اور جس نے نماز کو چھوڑ دیا اس نے دین کو برباد کر دیا۔

نماز احب الاعمال ہے

حضرات! مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ یا رسول اللہ! تمام اعمال میں سب سے زیادہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل محبوب ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ نماز۔ پھر میں نے عرض کیا کہ نماز کے بعد کس عمل کی محبوبیت زیادہ ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ بہترین سلوک کرنا۔ پھر میں نے سوال کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل خداوند تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ تو فرمایا کہ جہاد کرنا۔ (بخاری، مسلم)

حضرات! دیکھئے۔ اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد محبوبیت و افضلیت میں نماز تمام اعمال سے مقدم اور بڑھکر ہے۔ سبحان اللہ نماز کی محبوبیت کا کیا کہنا؟ ایک نمازی جب نماز پڑھ لیتا ہے۔ تو ارحم الراحمین خوش ہو کر اس بندے کے سر سے گناہوں کا بوجھ اتار کر اس بندے کو گناہوں سے پاک و صاف کر دیتا ہے۔

نمازی کے گناہ جھڑ جاتے ہیں

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاڑوں میں مدینہ منورہ سے باہر

تشریف لے گئے۔ پت جھڑ کا زمانہ تھا۔ ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکڑ کر ہلایا تو اس کے پتے گرنے لگے۔ پھر آپ نے حضرت ابوذر کو پکارا۔ تو انھوں نے عرض کی کہ لبیک یا رسول اللہ! اور حاضر خدمت ہو گئے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ مسلمان بندہ اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے بدن سے اس طرح گناہ گر پڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے!

نماز پنجگانہ کا ثواب حضرات! خطبہ کے بعد میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ اب اس کی شانِ نزول اور ترجمہ بھی سن لیجئے:۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ ایک صحابی سے کوئی گناہ صادر ہو گیا وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ مجھ سے فلاں گناہ ہو گیا ہے۔ مجھے اس کی سزا دیجئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تھوڑی دیر کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ط اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ ڈ یعنی نماز قائم کیجئے۔ دن کے کناروں میں اور رات کے کچھ حصہ میں بیشک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔ حضرات! دوپہر دن کا درمیانی حصہ ہے۔ دن کا ایک کنارا دوپہر کے پہلے ہے اس میں نماز فجر ہے۔ اور دن کا دوسرا کنارا دوپہر کے بعد ہے۔ اس میں نماز ظہر و عصر ہے۔ اور رات کے کچھ حصوں میں نماز مغرب و عشاء ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پنج وقتہ نماز پڑھ لینے سے گناہِ صغائر معاف ہو جاتے ہیں۔ ان

صحابی سے کوئی گناہ صغیرہ ہوا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ نماز پنجگانہ کی بدولت ان کا گناہ مٹ گیا۔ چنانچہ ان صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ حکم خاص میرے ہی لئے ہے؟ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! بلکہ یہی حکم میری تمام امت کے لئے ہے۔ میری امت میں جو شخص بھی پنجوقتہ نماز پڑھے گا ان نمازوں سے اس کے تمام گناہ صغیرہ مٹتے اور دور ہوتے رہیں گے

آسمانی فرشتوں کی عبادتیں

حضرات! ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ شب معراج میں جب صاحب لولاک سیار الافلاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کی سیر فرمائی۔ تو پہلے آسمان کے فرشتوں کو یہ عبادت کرتے دیکھا کہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔ اور دوسرے آسمان کے فرشتوں کو رکوع میں دیکھا۔ اور تیسرے آسمان کے فرشتوں کو سجدے میں پایا۔ اور چوتھے آسمان کے فرشتے التحیات پڑھ رہے تھے اور پانچویں آسمان کے فرشتوں کو تسبیح پڑھتے ملاحظہ فرمایا۔ اور چھٹے آسمان کے فرشتوں کو تکبیر پڑھتے دیکھا۔ اور ساتویں آسمان کے فرشتوں کو سلام پڑھنے میں مشغول دیکھا۔ فرشتوں کی ان عبادتوں کے مناظر دیکھ کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خواہش پیدا ہوئی۔ کہ کاش! رب العزت میری امت کو کسی ایسی عبادت کا حکم فرمائے! جس میں ان فرشتوں کی یہ ساری عبادتیں جمع ہوں۔ چنانچہ پروردگار عالم نے اپنے حبیب کی یہ تمنا پوری فرما دی کہ شب معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر نماز فرض فرما دی جس میں ذکر الٰہی، رکوع، سجدہ، التحیات، تسبیح، تکبیر، سلام سبھی کچھ ہے۔ اور فرما دیا کہ

اے محبوب! آپ کی امت میں جو شخص پانچوں وقت کی نماز پڑھے گا۔ وہ ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کی عبادتوں کا ثواب پائے گا (درۃ الناصحین)

روزانہ پانچ مرتبہ غسل

حضرات! ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آقائے نامدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ، اگر کسی کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو۔ اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہ جائے گا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ نہیں! یا رسول اللہ اس کے بدن پر کچھ بھی میل باقی نہیں رہے گا۔ تو ارشاد فرمایا کہ فَکَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلٰوتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰہُ بِہِ الْخَطَایَا یعنی یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ عزوجل ان پانچوں نمازوں کی وجہ سے نمازی کے تمام گناہوں کو دور فرما دیتا ہے (صحیحین)

آنکھ کی ٹھنڈک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث سنئے! ارشاد مبارک ہے کہ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ یعنی تمہاری دنیا کی تین ہی چیزیں مجھے محبوب ہیں۔ اول خوشبو دوسرے بیویاں اور تیسری چیز یہ ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔ اللہ اکبر! سن لیا آپ نے، نماز وہ عبادت ہے کہ اس سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔

حضرات! آنکھ میں ٹھنڈک پیدا ہونے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ کبھی آپ نے

اس پر غور کیا؟ سنئے آنکھ میں ٹھنڈک پیدا ہونے کا یہ مطلب ہوا کرتا ہے کہ اعلیٰ درجے کی خوشی حاصل ہوئی تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے نماز سے انتہائی فرح وسرور اور اعلیٰ درجے کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

حضرات آج ہم میں سے کون ہے؟ جو محبتِ رسول کا دعویٰ نہیں کرتا. مگر کبھی ہم نے اور آپ نے غور کیا؟ کہ کون ایسا مُحب اور عاشق ہے جو اپنے محبوب کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے، اور اپنے محبوب کو خوش کرنے کی کوشش نہیں کرے گا. مگر للہ انصاف سے بتائیے کہ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھکر حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں؟ مسلمانو! تمہاری غیرت ایمانی کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ تم غور کرو۔ اور سوچو! کہ وہ نبی رؤف ورحیم جو ہم تم پر اس قدر مہربان ہیں کہ جب پیدا ہوئے تو یَا رَبِّ اَھَبْ لِی اُمَّتِی کہتے ہوئے پیدا ہوئے زندگی بھر ساری ساری رات بیدار رہ کر، اور تہجد گزار بن کر ہماری مغفرت کی دعائیں فرماتے رہے۔ آج قبر انور میں بھی وہ نبی رحمت ہماری بخشش کے لئے دعائے مغفرت فرما رہے ہیں۔ کل میدان محشر میں بھی ہم گناہگاروں کی شفاعت کے لئے بے قرار رہیں گے۔ مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے؟ کہ ؎

مرے حضور کے لب پر اَنَا لَھَا ہو گا	کہیں گے اور نبی اِذْھَبُوْا اِلیٰ غَیْرِیْ
خدا گواہ! یہی حال آپ کا ہو گا	عزیز بچے کو جس طرح ماں تلاش کرے
تو کوئی قدموں سے ان کے لپٹ گیا ہوگا	کوئی کہے گا دہائی ہے یارسول اللہ
یہ اُن کا راستہ پھر پھر کے دیکھتا ہو گا	کسی کو لیکے فرشتے چلیں گے سوئے جحیم

الغرض وہ نبی رحمت قبر میں، میدان محشر میں، پل صراط پر میزان عمل پر حوض کوثر پر ہر جگہ ہماری محبت میں بے قرار رہیں گے مگر ہم اتنے بے مروت، جفا پیشہ اور احسان فراموش ہیں کہ ایسے رحمت و مہربانی والے نبی رحیم و رسولِ کریم کی آنکھوں کو ٹھنڈک نہیں پہنچاتے۔ انھیں خوش نہیں کرتے۔ اور وہ بھی کس طرح؟ دھن دولت لٹا کر نہیں۔ اولاد کو قربان کر کے نہیں۔ اپنی جان دیکر نہیں۔ صرف اس طرح کہ پنج وقتہ اپنے خالق و مالک کے حضور سر بسجود ہو کر نماز ادا کریں۔ افسوس! صد ہزار افسوس! اس سے بڑھکر ہماری بے مروتی و بے غیرتی اور کیا ہوگی؟ مسلمانو! غور کرو! اگر واقعی ہم کو حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہوتی تو ضرور ضرور ہم ان کی ہر محبوب چیز دل سے بھی محبت کرتے اور پنج وقتہ نماز پڑھکر ضرور ضرور ہم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے۔ صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ فَمَنِ ادَّعٰی مَحَبَّةَ اللّٰهِ وَخَالَفَ سُنَّةَ نَبِيِّهٖ فَهُوَ كَذَّابٌ بِنَصِّ كِتَابِ اللّٰهِ یعنی جو شخص اللہ سے محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے نبی کی سنت کی مخالفت کرے اس کے جھوٹے ہونے پر خدا کی کتاب صراحت کے ساتھ اعلان کرتی ہے لِاَنَّ مَنْ اَحَبَّ اٰخَرَ يُحِبُّ خَوَاصَّهٗ وَالْمُتَّصِلِيْنَ بِهٖ فَهٰذَا هُوَ قَانُوْنُ الْعِشْقِ کیونکہ جو شخص کسی سے محبت کرے گا۔ تو یقیناً وہ اپنے محبوب کی خواص اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے محبت کرے گا۔ یہی عشق و محبت کا قانون ہے اسی مضمون کو کسی عربی شاعر نے کتنے نفیس انداز میں کہا ہے ؎

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ ط

یعنی اگر تیری محبت سچی ہوتی تو ضرور تو ان کی فرماں برداری کرتا۔ کیونکہ بلا شبہ ہر عاشق اپنے معشوق کا فرماں بردار ہوا کرتا ہے پڑھئے درود شریف۔ اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد وصحبہ وبارک وسلم ط

سجدہ اور خدا کا تقرب

حضرات گرامی! فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ (مشکوٰۃ ص۸۴) یعنی بندے کو سب سے زیادہ خدا کی نزدیکی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے۔ مسلمانو! بتاؤ کون ایسا مسلمان ہوگا؟ جو خداوند قدوس کی نزدیکی اور اس کے قرب کا طالب نہ ہو۔ ہر مومن کی سب سے بڑی تمنا یہی ہے کہ خداوند کریم اس کو اپنی بارگاہ میں مقرب بنا لے مگر افسوس! کہ اس پروردگارِ عالم نے اپنے سب سے زیادہ تقرب کا جو ذریعہ بتایا ہے یعنی نمازوں کا سجدہ۔ آج ہم اس سے انتہائی غافل ہیں!

برادرانِ اسلام! یاد رکھئے کہ ارحم الراحمین ہمارا مالک و مولیٰ اپنے بندوں پر بڑا رحیم و کریم ہے اور وہ قادر و قیوم بڑا غیور بھی ہے۔ اس لئے جو بندہ اس کے حضور سجدہ میں گر کر ناک زمین پر رگڑتا ہے۔ تو پھر وہ غیرت والا مالک و مولیٰ اپنے اس بندے کی پیشانی کو کسی کے آگے جھکنے نہیں دیتا بلکہ اس بندے کی پیشانی کو اتنا سربلند فرما دیتا ہے کہ آسمان کی رفعت و سربلندی بھی اس بندے کی عظمت کو جھک جھک کر سلام کرنے لگتی ہے۔ سچ ہے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ؛ ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

نماز فلاح دارین ہے

عزیزانِ ملت! آپ یہ نہ سمجھئے کہ نماز صرف آخرت ہی میں کام آنے والی چیز ہے۔ نہیں نہیں! نماز مومن کے لئے دنیا و آخرت دونوں جہان کی فلاح کا سامان ہے جہنم کے عذاب اور دنیا کی مصیبتوں کے حملوں سے بچنے کے لئے مومن کے پاس نماز سے بہتر کوئی ڈھال نہیں۔ جناب حذیفہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ فَزِعَ اِلَى الصَّلٰوةِ (ابو داؤد وغیرہ) یعنی جب بھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو کوئی سخت معاملہ درپیش ہوتا تھا تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ کیوں؟ اس لیے کہ نماز اللہ کی رحمت کا سامان ہے۔ اور ہر مصیبت اور بلا کے وقت نماز کی طرف دوڑ پڑنا۔ گویا اللہ کے دامنِ رحمت میں پناہ لینا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی پناہ میں اور اس کے حفظ و امان میں پہنچ گیا، پھر کیا مجال ہے، کہ دنیا و آخرت کی کوئی مصیبت بھی اس کا ایک بال بیکا کر سکے۔ چنانچہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ وہ مصائب و آلام کے ہجوم کے وقت نماز میں مشغول ہو جاتے۔ ہمارے سلف صالحین، صحابہ و تابعین، اور مومنین صالحین پر بھی جب بلائیں اور مصیبتیں حملہ آور ہوتیں تو وہ نماز کی طرف دوڑ پڑتے تھے اور نماز کی برکت سے ارحم الراحمین غیب سے ان کی فتح و فلاح کا سامان پیدا فرما دیتا تھا!

جان و مال کی سلامتی

عزیزانِ ملت! مجھے اس وقت کوفہ کے ایک قلی کا واقعہ یاد آگیا۔ ذرا غور سے سنئے بڑا ہی عبرت آموز واقعہ ہے۔ کوفہ میں ایک بہت ہی امین اور قابل اعتماد قلی رہتا تھا۔

جو لوگوں کی قیمتی امانتیں دور دور کے شہروں میں پہنچایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ لوگوں کا قیمتی سامان اور نقدی وغیرہ لیکر خچر پر سوار ہو کر سفر میں روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک مکار ڈاکو ملا جو اپاہج بن کر بیٹھا ہوا تھا۔ مکار ڈاکو قلی سے گڑ گڑا کر کہنے لگا۔ کہ بھائی میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ خدا کے لئے تم مجھے اپنے خچر پر سوار کر لو۔ میں تمہیں ایک دینار کرایہ دوں گا۔ بھولا بھالا قلی مکار ڈاکو کے دام فریب میں آ گیا۔ اور رحم کھا کر مکار ڈاکو کو خچر پر سوار کر لیا۔ قلی عام سڑک پر چلنے لگا تو مکار ڈاکو نے کہا کہ بھائی! یہ راستہ تو بہت لمبا ہے۔ میں تمہیں بہت قریب کا راستہ بتاتا ہوں۔ اس راستے میں گھاس پانی بھی بہ افراط ملے گا۔ قلی اس مکار ڈاکو کے فریب میں آ گیا اور اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چل پڑا۔ لیکن ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک خوفناک جنگل آ گیا۔ قلی نے دیکھا کہ وہاں بہت سی لاشوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اور آگے راستہ بند ہے۔ وہاں پہنچ کر یہ مکار ڈاکو خچر سے اترا۔ اور کمر سے خنجر نکال کر قلی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ قلی نے حیران ہو کر کہا کہ بھائی! یہ کیا کر رہے ہو؟ مکار ڈاکو گرج کر بولا کہ خبردار! اب تم یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔ دیکھ لو یہ سب تمہارے جیسے مسافروں کی کھوپڑیاں ہیں۔ جن کو میں نے فریب سے یہاں لا کر قتل کیا ہے۔ اور ان کا مال لوٹ لیا ہے قلی نے نہایت عاجزی سے کہا۔ کہ بھائی! تم سارا مال و سامان لے لو مگر خدا کے لئے مجھے قتل نہ کرو۔ ہر چند قلی عاجزی کے ساتھ روتا اور گڑ گڑا کر جان کی امان مانگتا رہا مگر وہ سفاک ڈاکو جس کے سینے میں دل کی جگہ شاید سخت پتھر کا ٹکڑا تھا بالکل رحم نہیں کھایا۔ ہر طرف

سے مایوس ہو کر قلی نے کہا کہ اچھا! تم مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ اس کے بعد تم مجھے قتل کر دینا۔ جلاد ڈاکو نے قہقہہ لگایا۔ اور کہا اچھا جلد کر۔ قلی نے نماز شروع کر دی۔ الحمد شریف پڑھنے کے بعد پریشانی میں کوئی سورت یاد نہیں آئی۔ ادھر جلاد ڈاکو خنجر چمکا چمکا کر تقاضا کر رہا تھا۔ کہ جلدی نماز ختم کر بے اختیاری میں قلی کی زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی کہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ یعنی خدا کے سوا کون ہے؟ جو مجبور کی پکار کو سُنے۔ جب وہ مجبور اس کو پکارے قلی اس آیت کو پڑھنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو کی دھارا اس کے رُخسار پر بہنے لگی۔ ابھی ایک رکعت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ اچانک جنگل میں سے ایک سوار نمودار ہوا۔ اور اس مکار ڈاکو کی گردن پر ایسی شمشیر ماری کہ اسکا سر کٹ کر گر پڑا اور ایک دم اس کی لاش پر غیبی آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ قلی نے سلام پھیر کر دیکھا تو ڈاکو کی لاش جل کر خاک ہو چکی تھی۔ قلی نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور غیبی سوار سے دریافت کیا کہ خدا کے لئے اتنا بتا دیجئے کہ آپ کون ہیں؟ اور کس طرح یہاں تشریف لائے؟ غیبی سوار کہنے لگا کہ میں اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ فرمانے والے مالک و مولیٰ کا ایک بندہ ہوں۔ اور اسی کے حکم سے میں تمہاری مدد کے لئے یہاں آیا ہوں۔ اب تم بے خوف ہو جاؤ۔ جہاں چاہو چلے جاؤ (نزہتہ المجالس)

نماز جنت سے زیادہ پیاری

مسلمان بھائیو! یہی وجہ ہے کہ تمام صالحین امت نماز سے والہانہ عشق رکھتے تھے۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بار بار فرمایا کہ

دو رکعت نماز دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ صحابہ کرام کے نماز سے عشق و شغف کا کیا کہنا؟ دورِ تابعین میں امام محمد بن سیرین کا ایک مقولہ سُن لو! آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے یہ اختیار دے دیا جائے کہ یا تو میں جنت میں داخل ہو جاؤں یا دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ تو میں دو رکعت نماز پڑھنے کو جنت میں داخل ہونے سے زیادہ پسند کروں گا۔ کیونکہ جنت میں داخل ہونا میری اپنی خواہش کا ذریعہ ہے۔ اور دو رکعت نماز میرے رب کی رضا کا سامان ہے۔

ایک بزرگ کا نماز سے عشق

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے ایک نامی گرامی خلیفہ شیخ عبد الواحد لاہوری علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ عالموں سے پوچھا کہ جنت میں تمام نعمتیں تو ہوں گی۔ یہ بتائیے کہ جنت میں نماز بھی ہوگی۔ یا نہیں؟ عالموں نے کہا کہ حضرت! جنت میں نماز کہاں سے ہوگی؟ جنت تو اعمالِ صالحہ کی جزا کا مقام ہے۔ وہاں اعمالِ صالحہ کی تکلیف کہاں سے ہوگی؟ یہ سُن کر شیخ عبد الواحد لاہوری علیہ الرحمہ نے ایک سرد آہ کھینچی اور رونے لگے پھر نہایت حسرت کے ساتھ فرمایا کہ بغیر نماز کے جنت میں کس طرح چین نصیب ہوگا؟ مسلمانو! ان سید دپاکباز روحوں سے نماز کی لذت پوچھو کہ انھیں جنت میں بھی بغیر نماز کے کوئی لطف نصیب نہیں ہوگا!

نماز کے انعامات

حضرات! امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نماز پنجگانہ کی پابندی کرنے والے کو نو چیزیں انعام میں ملیں گی۔ اوّل خداوند تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالے گا

دوسرے اس کو تندرستی عطا فرمائے گا۔ تیسرے فرشتے اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ چوتھے اس کے گھر میں برکت ہوگی۔ پانچویں اس کے چہرے پر صالحین کا نور ہوگا چھٹے اس کا دل نرم ہو جائے گا۔ ساتویں وہ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ آٹھویں جہنم سے نجات پائے گا۔ نویں جنت میں اس کو ایسے لوگوں کا پڑوس نصیب ہوگا جن کی شان میں لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْن کی بشارت آئی ہے۔ یعنی قیامت میں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہونگے

(منبہات ابن حجر)

اسی طرح ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نماز رضائے الٰہی کا سبب ہے۔ فرشتوں کی محبوب چیز ہے، انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ نور معرفت ہے برکت رزق ہے۔ ایمان کی جڑ ہے۔ بدن کی راحت ہے، دشمنوں کے مقابلہ کے لیے ہتھیار ہے۔ شفاعت کرنے والی ہے۔ قبر کا چراغ ہے۔ وحشت قبر کی مونس ہے مقبولیت دعا ہے۔ منکر نکیر کے جواب میں آسانی کرنے والی ہے۔ ظلمت میں روشنی ہے۔ آتش جہنم کے لئے آڑ ہے۔ میزان عمل کا بوجھ ہے۔ پل صراط پر جلدی سے گزرنے والی ہے۔ جنت کی کنجی ہے (تنبیہ الغافلین)

نماز نور و برہان و نجات ہے

حضرات! نمازی کے اجر عظیم اور بے نمازی کے وبال کے بارے میں ایک اور حدیث بھی سنئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَنْ حَافَظَ عَلَیْهَا کَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ لَّمْ یُحَافِظْ عَلَیْهَا لَمْ یَکُنْ لَّهٗ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَّلَا نَجَاةٌ وَّ

كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ (درمنثور وغیرہ)
یعنی جو نمازوں کی پابندی کرے گا۔ تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی۔
اور حساب کے وقت دلیل ہوگی اور نجات کا سامان ہوگی۔ اور جو شخص نماز کا اہتمام
نہیں کرے گا۔ اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا نہ دلیل ہوگی نہ نجات
ہوگی اور اس کا حشر فرعون اور ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا!

توبہ توبہ! نعوذ باللہ! خدا کی پناہ بے نمازیو! عبرت پکڑو۔ دیکھ لو بے نمازیوں
کا حشر کیسے بُرے بُرے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ فرعون کو تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ وہ
کافر ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ یہاں تک کہ قہر الٰہی نے اس کو دریائے نیل
میں غرق فرما دیا۔ ہامان بدنصیب اسی فرعون کا وزیر تھا یہ بھی فرعون کے ساتھ غرق ہو گیا
ابی بن خلف کے بارے میں بھی سن لیجئے کہ یہ کون تھا؟

اُبَیّ بن خلف

حضرات! ابی بن خلف مکہ کا وہ کافر ہے جس نے قبل
ہجرت حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دھمکی
دی تھی کہ اے محمد! میں نے ایک گھوڑا خاص اس لئے پالا ہے کہ اس پر سوار ہوکر
میں تم کو قتل کروں گا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں
یہ فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں تجھ کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ چنانچہ
جنگ اُحد کے دن اس خبیث نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ
حملہ کیا۔ صحابہ نے اس کی گردن اُڑا دینے کا ارادہ کیا۔ مگر حضور علیہ الصلاۃ
والسلام نے صحابہ کو منع فرما دیا۔ اور خود ایک صحابی کا نیزہ لیکر اس مردود کی
گردن پر مارا۔ ایک ہلکی سی خراش آئی مگر ابی بن خلف اس مار کی تاب نہ لاکر بلبلانے

ہوئے بھاگ نکلا۔ اور چلانے لگا کہ خدا کی قسم محمد نے مجھے قتل ڈالا۔ کفار نے اکو غیرت دلائی کہ تو اتنا بہادر ہو کر ایک ذرا سی خراش لگ جانے پر اس قدر بلبلا رہا ہے، ابی بن خلف کہنے لگا کہ محمد نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ میں لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ مجھ پر تھوک دیتے جب بھی میں مر جاتا۔ اے لوگو! یہ خراش تمہاری نظر میں ایک معمولی خراش ہے مگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مار ہے مجھے اس سے اتنی تکلیف ہو رہی ہے کہ اگر میرا یہ درد تمام لشکر میں تقسیم کر دیا جائے۔ تو سارا لشکر ہلاک ہو جائے۔ غرض اسی طرح تڑپتے اور بلبلاتے ہوئے ابی بن خلف مکہ مکرمہ پہنچنے سے یک دن پہلے ہی راستہ میں ہلاک ہو گیا۔

برادرانِ ملت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدترین کافر جہنمی وہ بدنصیب ہے جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو۔ آپ نے سن لیا کہ ابی بن خلف وہ ملعون کافر جہنمی ہے جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی مار سے فی النار ہوا ہے۔

بے نمازی صحابہ کی نظر میں

حضرات! امام ترمذی عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں جانتے تھے سوا نماز کے۔ چنانچہ امیر المومنین فاروق اعظم، عبدالرحمٰن بن عوف، وابو ہریرہ، وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عباس، وجابر بن عبداللہ، ومعاذ بن جبل وابو درداء، رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب تھا کہ بلا عذر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے۔ اور بعض ائمہ مثلاً

امام احمد بن حنبل، واسحٰق بن راہویہ، وعبداللہ بن مبارک، وامام نخعی کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ تارکِ نماز کافر ہوگیا۔ اگرچہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تارکِ نماز کی تکفیر نہیں فرماتے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس نے بلاعذر نماز کو چھوڑ دیا وہ اگرچہ کافر تو نہیں ہوا مگر اس نے کافر کا کام کیا۔ کیونکہ نماز چھوڑ دینا کافر کا کام ہے۔ بہرحال پھر بھی یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ بے نمازی کچھ صحابہ اور کچھ اماموں کے نزدیک کافر ہے توبہ نعوذ باللہ۔

جماعت کی فضیلت

برادرانِ ملت! نماز کی فرضیت واہمیت کے بارے میں تو میں بہت کافی عرض کر چکا ہوں۔ اب کچھ جماعت کی اہمیت وفضیلت کے متعلق بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ بہت سے لوگ نماز تو پڑھ لیتے ہیں مگر جماعت کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ جس طرح نماز کے بارے میں بہت سخت تاکیدیں اور ترک پر بہت شدید وعیدیں آئی ہیں۔ اسی طرح جماعت کے لیے بھی حدیثوں میں بہت زیادہ تاکیدی احکام آئے ہیں۔ چند احادیث پیش کر دیتا ہوں۔ ہدایت فرمانا رب العالمین کا کام ہے!

نجات کے دو پروانے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ صَلّٰی لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَۃٍ یُدْرِکُ التَّکْبِیْرَۃَ الْاُوْلٰی کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَۃٌ

مِنَ النِّفَاقِ (ترمذی) یعنی جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز باجماعت پڑھے کہ اس کی تکبیر اولیٰ نہ چھوٹے۔ تو اس کے لئے دو نجات نامے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ ایک دوزخ سے چھٹکارا پانے کا۔ اور دوسرا نفاق سے بری ہونے کا! حضرات! نماز باجماعت کے اجر و ثواب کا یہ حال ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ صَلوٰۃُ الْجَمَاعَۃِ اَفْضَلُ مِنْ صَلوٰۃِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً (بخاری) یعنی جماعت کی نماز اکیلے آدمی کی نماز پر ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور بعض روایات میں پچیس درجے کا ذکر ہے۔ بہر حال اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جن لوگوں کی نمازوں میں زیادہ اخلاص ہوتا ہے انھیں ستائیس درجے کی فضیلت کا ثواب ملتا ہے۔ اور جن کی نمازوں میں اخلاص کی کچھ کمی رہتی ہے تو انہیں پچیس درجے کی فضیلت کا ثواب ملتا ہے۔ بہر کیف جماعت کا ثواب پچیس درجے کا ہو یا ستائیس درجے کا سوال یہ ہے کہ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا مال اپنے شہر میں ایک روپے کا بکے گا۔ اور اگر ہم سمندر پار جا کر اس مال کو فروخت کریں تو پچیس یا ستائیس روپے میں بکے گا۔ تو برادرانِ ملت! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص سمندر پار جا کر اپنا مال فروخت کرے گا۔ کیونکہ پچیس گنا یا ستائیس گنا کا نفع چھوڑنا کوئی بھی گوارا نہیں کرے گا۔ مگر کس قدر حیرت ہے کہ گھر سے صرف چند قدم چل کر مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے میں ایک نماز پر ستائیس نماز کا ثواب ملتا ہے۔ مگر پھر بھی بہت سے لوگ گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جماعت کی پرواہ نہیں کرتے مسلمانو! کاش ہم اپنے سلف صالحین کی زندگی پر ایک نظر ڈالتے کہ وہ خوش نصیب

مسلمان نماز تو نماز، جماعت تو جماعت، کبھی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہونے دیتے تھے۔

محمد بن سماعہ اور جماعت

حضرات! غالباً آپ لوگوں نے میری کتاب "اولیاء رجال الحدیث" میں محمد بن سماعہ محدث کا تذکرہ پڑھا ہوگا۔ یا علماء سے ان کا حال سنا ہوگا۔ یہ حضرت امام ابو یوسف و حضرت امام محمد شاگردانِ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔ ایک سو تین برس کی عمر پائی۔ یہ روزانہ دو سو رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ یہ فرماتے ہیں کہ مسلسل چالیس برس تک میری ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی جس دن میری والدہ کا انتقال ہوا۔ اس دن ایک وقت کی جماعت چھوٹ گئی۔ تو میں نے اس خیال سے کہ جماعت کی نماز کا پچیس گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ اس نماز کو میں نے اکیلے پچیس مرتبہ پڑھا۔ اسی درمیان میں مجھے غنودگی آگئی تو کسی نے خواب میں آکر کہا۔ کہ پچیس نمازیں تو تم نے پڑھ لیں مگر فرشتوں کی آمین کا کیا کروگے؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ امام جب۔ ولا الضالین کہے تو تم لوگ آمین کہو۔ کہ اس وقت فرشتے بھی آمین۔ کہتے ہیں۔ اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو اس فضیلت کو تم بغیر جماعت سے نماز پڑھے ہوئے کس طرح حاصل کر سکتے ہو؟ (تہذیب التہذیب وغیرہ)

حضرات! اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اکیلے نماز پڑھنے والا اگرچہ ہزاروں مرتبہ اس نماز کو پڑھے مگر پھر بھی جماعت کا ثواب اس کو ہرگز ہرگز

نصیب نہیں ہو سکتا۔

رحمت عالم کا غضب

حضرات! یہی وجہ ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تارک جماعت پر اتنا شدید غضب فرماتے ہیں کہ الاماں الاماں! ایک حدیث میں یہاں تک فرمایا کہ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ فِتْيَتِيْ فَيَجْمَعُوْا اِلٰى حَطَبًا ثُمَّ اٰتِيَ قَوْمًا يُصَلُّوْنَ فِيْ بُيُوْتِهِمْ لَيْسَتْ بِهِمْ عِلَّةٌ فَاُحَرِّقُهَا عَلَيْهِمْ (ابوداؤد) یعنی میرا یہ دل چاہتا ہے کہ میں اپنے نوجوانوں کو یہ حکم دیدوں کہ وہ لکڑیاں جمع کر کے میرے پاس لائیں۔ پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بغیر عذر کے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں تا کہ ان کے گھروں کو جلا دوں۔

اللہ اکبر! رحمت عالم جن کی رحمت کا اپنی امت پر یہ عالم ہے کہ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ کہ امت کا کسی مشقت میں پڑ جانا ان پر شاق ہے۔ امت کے انتہائی خیر خواہ ہیں۔ مومنین پر بیحد مہربان اور رحم فرما ہیں۔ مگر جماعت چھوڑنے والوں پر ان کے غیظ و غضب کا یہ عالم ہے کہ اپنے ہاتھوں سے ان کے گھروں کو پھونک دینے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔

تارک جماعت پر بارہ بلائیں

حضرات! تارک جماعت پر رحمت عالم کے غضب کا حال تو آپ سُن چکے۔ اب ارحم الراحمین کے قہر و غضب کا منظر بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مَنْ تَہَاوَنَ بِالصَّلٰوۃِ مَعَ الْجَمَاعَۃِ عَاقَبَہُ اللّٰہُ بِاثْنَیْ عَشَرَۃَ بَلِیَّۃً جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بارہ بلاؤں کے ساتھ عذاب دے گا۔ یہ بارہ بلائیں کون کون سی ہیں؟ سنئے! ثَلَاثٌ فِی الدُّنْیَا وَثَلَاثٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَثَلٰثٌ فِی الْقَبْرِ وَثَلٰثٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ؎

تین بلائیں دنیا میں اور تین بلائیں موت کے وقت اور تین بلائیں قبر میں اور تین بلائیں قیامت کے دن اب ان کی تفصیل بھی سُن لیجئے۔ تین بلائیں دنیا میں کون کون سی آئیں گی۔ تو ارشاد فرمایا کہ اَمَّا الثَّلٰثُ الَّتِیْ فِی الدُّنْیَا فَالْاُوْلٰی رَفَعَ اللّٰہُ الْبَرَکَۃَ مِنْ رِزْقِہٖ وَالثَّانِیَۃُ یَذْھَبُ مِنْہُ نُوْرُ الصَّالِحِیْنَ وَالثَّالِثَۃُ یَکُوْنُ مُبْغَضًا فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؎

تین بلائیں جو دنیا میں آئیں گی۔ ان میں سے پہلی بلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں سے برکت اٹھالے گا۔ اور دوسری بلا یہ ہے کہ اس سے صالحین کا نور چلا جائے گا اور تیسری بلا یہ ہے کہ وہ تمام ایمان والوں کے دلوں میں مبغوض ہو جائے گا۔ اللہ اکبر! برادرانِ ملت! آپ نے دنیا کی ان بلاؤں کو کیا سمجھا ہے؟ بھلا رزق کی برکت کا چلا جانا کوئی معمولی بلا ہے؟ اسی طرح صالحین کے نور سے محروم ہو جانا کوئی کم مصیبت ہے؟ یونہی تمام اہل ایمان، انبیاء و مرسلین ملائکہ مقربین، اولیاء کاملین، سب کے دلوں میں قابلِ نفرت ہو جانا یہ کوئی معمولی عذاب ہے؟ ذرا غور تو کیجئے کہ آدمی جس محلے میں رہتا ہے اگر پورا محلہ اس سے نفرت کرنے لگے تو پھر ایک غیرت مند آدمی اس محلے میں نہیں رہ سکتا۔ بلکہ وہ محلہ تو کیا

اس شہر کو چھوڑ دے گا۔ پھر بھلا اس شخص کی بے عزتی و بے آبروئی کا کیا ٹھکانا ہے؟ جس سے خدا کے تمام انبیاء تمام فرشتے، تمام اولیاء تمام صالحین نفرت کرنے لگیں۔ کیا بھلا یہ شخص دنیا میں رہنے کے قابل ہے؟ توبہ۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ان بلاؤں سے محفوظ رکھے (آمین)

اچھا اب ان تین بلاؤں کا ذکر سنئے جو موت کے وقت تارکِ جماعت پر آتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَاَمَّا الَّتِیْ عِنْدَ الْمَوْتِ فَالْاُوْلٰی یُقْبَضُ رُوْحُہٗ عَطْشَانًا وَّلَوْ شَرِبَ مَاءَ الْاَنْهَارِ وَالثَّانِیَۃُ یَشْتَدُّ عَلَیْهِ نَزْعُ رُوْحِهٖ وَالثَّالِثَۃُ یُخَافُ عَلَیْهِ مِنْ زَوَالِ الْاِیْمَانِ یعنی موت کے وقت آنے والی تین بلائیں یہ ہیں۔ پہلی بلا یہ ہے کہ اس کی روح اس حالت میں قبض کی جائے گی کہ وہ پیاسا ہوگا۔ اگرچہ وہ تمام نہروں کا پانی پی لے مگر پھر بھی مرتے وقت پیاسا ہی مرے گا اور دوسری بلا یہ ہے کہ اس کی جان کنی بڑی سخت ہوگی۔ اور تیسری بلا یہ ہے کہ اس کے ایمان کی بربادی کا خطرہ رہے گا۔ اللہ اللہ! مسلمانو! غور کرو اور عبرت پکڑو کہ پیاسا مرنا، جانکنی کی سختی، ایمان کی بربادی کا خطرہ یہ کتنی ہولناک اور خوفناک بلائیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ان بلاؤں سے بچائے (آمین) آگے ارشاد ہوتا ہے کہ وَاَمَّا الَّتِیْ فِی الْقَبْرِ فَالْاُوْلٰی یَضِیْقُ عَلَیْهِ سُؤَالُ مُنْکَرٍ وَّنَکِیْرٍ وَالثَّانِیَۃُ تَشْتَدُّ عَلَیْهِ ظُلْمَۃُ الْقَبْرِ وَالثَّالِثَۃُ یَضِیْقُ عَلَیْهِ

قَبْرُہٗ حَتّٰی یَنْضَمَّ اَضْلَاعُہٗ یعنی وہ تین بلائیں جو قبر میں آئیں گی۔ ان میں سے پہلی بلا یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال میں سختی ہوگی۔ اور دوسری بلا یہ ہے کہ قبر میں بہت ہی سخت اندھیرا ہوگا۔ اور تیسری بلا یہ ہے کہ قبر اس قدر تنگ ہو جائے گی کہ تمام پسلیاں آپس میں مل جائیں گی۔ اچھا اب قیامت کی تین بلاؤں کا حال بھی سن لیجئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وَاَمَّا الَّتِیْ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَالْاُوْلٰی یَشْتَدُّ عَلَیْہِ حِسَابُہٗ وَالثَّانِیَۃُ یُغْضَبُ عَلَیْہِ رَبُّہٗ وَالثَّالِثَۃُ یُعَاقِبُہُ اللّٰہُ بِالنَّارِ ۰

یعنی قیامت میں آنے والی تین بلائیں۔ ان میں سے پہلی بلا یہ ہے کہ اس کا حساب بڑی سختی کے ساتھ ہوگا۔ دوسری بلا یہ ہے کہ اس پر رب عزوجل کا غضب ہوگا۔ تیسری بلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آگ کا عذاب دے گا (درۃ الناصحین)

نماز میں خشوع

حضرات! نماز و جماعت کا بیان تو آپ حضرات کافی سن چکے۔ اب ذرا نماز میں خشوع کا بھی کچھ بیان سن لیجئے۔ خشوع یعنی قلبی جھکاؤ اور روحانی توجہ! سچ پوچھئے تو یہ نماز کی روح ہے۔ اگر نمازوں میں قلب کا جھکاؤ نہیں ہوا تو صرف سر کا جھکا لینا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا حق جل جلالہٗ کا ارشاد کتنا واضح ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ یعنی وہی ایمان والے فلاح پانے والے ہیں جن کی نمازوں میں خشوع پایا جاتا ہے۔ برادران ملت! سن لیا آپ نے؟ قابل فلاح وہی نماز ہے

جس میں دل کی حضوری اور قلب کا جھکاؤ ہو جائے یعنی خدا وند قدوس کی عظمت اور اس کے جاہ و جلال کے تصور سے نمازی کا دل و دماغ خوف و خشیت الٰہی کا خزانہ بن جائے اور جسم کی بوٹی بوٹی اور بدن کا بال بال خدائے لم یزل ولایزال کے عظمت و جلال سے تھرا جائے اور کبریائی اور اس کی شانِ جلال کے تصور کے سامنے ماسوی اللہ کا خیال ہی نہ آئے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کی نشاندہی فرماتے ہوئے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (مشکوٰۃ ص۱۱) یعنی تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر اتنی قوی حضوری تمہیں حاصل نہ ہو سکے تو کم سے کم اتنا تو دھیان رکھو کہ وہ مالک و مولیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

کیا تو نے نمازی! یہ کبھی غور کیا ہے؟ تو کون ہے؟ اور سامنے کس کے تو کھڑا ہے
کچھ رُعب شہنشاہی بھی ملحوظ ہے تجھکو؟ یا منہ سے فقط کہتا ہے اللہ بڑا ہے

مگر برادران ملت! ہماری نمازوں میں کتنا خشوع اور دل کا جھکاؤ ہوتا ہے؟ یہ تو ہمیں اور آپ کو خوب معلوم ہے۔ "سر سجدے میں اور دل دغابازی میں" یہ مثل تو مشہور ہی ہے۔ اور ایک امام چار مقتدیوں کی نماز کا قصہ تو آپ نے سنا ہوگا۔

لطیفہ سُنا ہے کہ پانچ آدمی نماز کی تبلیغ کے لئے چلے۔ دریا کے کنارے پانچوں نماز پڑھنے لگے۔ ایک امام بن گیا اور چار مقتدی ہو گئے۔ عین نماز کی حالت میں دریا کے اندر ایک مچھلی کودی بس اب کہاں برداشت کی طاقت؟ جھٹ ایک مقتدی بول اُٹھا کہ کیا کودا دوسرا بھلا کیسے چُپ رہتا وہ بولا اجی مچھلی ہوگی۔ تیسرے صاحب جو ذرا بقراط تھے تڑپ کر بولے۔ چپ رہو بولنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ چوتھے کو غصہ آگیا وہ بھی چلا کر بولا کہ تم کیوں بولے تمہاری نماز بھی تو ٹوٹ گئی چاروں کو سُن کر امام صاحب بول اُٹھے۔ کہ الحمد اللہ میں نہیں بولا۔ اس لئے میری نماز نہیں ٹوٹی۔ مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ آج کل کے مسلمان ایسی نماز پڑھتے ہیں کہ نماز کو مچھلی مارکیٹ بنا ڈالتے ہیں۔

افسوس! برادران ملت! کاش ہم سلف صالحین کی نمازوں پر ایک نظر ڈالتے کہ نمازوں میں ان کی توجہ الی اللہ اور خشوع و خضوع کا کیا عالم ہوتا تھا؟ اچھا آیئے! اب چند بزرگوں کی نمازوں کا حال سُن لیجئے۔

حضرت علی کی نماز حضرات! مشہور واقعہ ہے کہ فاتح خیبر علی حیدر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ میدانِ جہاد میں تھے کہ کسی کافر کا تیر آکر آپ کی مقدس ران میں چبھ گیا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا مگر نہ نکل سکا۔ پھر لوگوں نے یہ طے کیا کہ جب آپ نماز میں مشغول ہوں گے اس وقت تیر نکال لیا جائے گا۔ چنانچہ جب مولائے کائنات نے نماز کی نیت باندھ لی تو لوگ آئے اور جوں ہی آپ سجدے

میں گئے لوگوں نے تیر زور سے کھینچ کر نکال لیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ شاید تم لوگ تیر نکالنے کے لئے جمع ہوئے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نے تیر نکال بھی لیا۔ آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ! مجھے خبر بھی نہیں ہوئی (مثنوی شریف)

حضرت عبداللہ بن عباس کی نماز

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں موتیا کا پانی اُتر آیا۔ طبیب نے کہا کہ آپ کی آنکھوں کا آپریشن کر کے علاج کر سکتا ہوں مگر چند دنوں آپ نماز نہیں پڑھ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے عمر بھر اندھا رہنا گوارا ہے۔ مگر ایک وقت کی نماز چھوڑنا مجھے گوارا نہیں ہو سکتا۔

منقول ہے کہ آپ اذان کی آواز ہی سُن کر زار زار رونے لگتے تھے۔ اور پھر نماز میں تو اس قدر روتے تھے کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔

حضرت ابو عبیدہ کی نماز

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح مشہور صحابی ہیں یہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کبھی کوئی وسوسہ یا دنیاوی خیال ان کو نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے نماز پڑھائی۔ اور نماز کے بعد فرمایا کہ آج نماز میں شیطان نے مجھ پر بہت بڑا حملہ کیا۔ اس نے میرے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ میں پوری جماعت میں سب سے افضل ہوں۔ کیونکہ سب لوگوں نے مجھے امام

بنایا ہے۔ لہذا اے مسلمانو! میں اعلان کرتا ہوں کہ آج سے آئندہ اب میں کبھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔

امام زین العابدین کی نماز

خاندانِ اہل بیت کے چشم و چراغ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ روزانہ بلاناغہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ وضو فرماتے تو خوفِ الٰہی سے آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا تھا اور آپ کے جسم مقدس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ مکان میں آگ لگ گئی مگر آپ نماز میں مشغول رہے۔ لوگوں نے آگ بجھا کر عرض کیا حضور آپ کا مکان جلتا رہا اور آپ نماز پڑھتے رہے؟ ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ میں جہنم کی آگ کے خیال میں اس قدر محو ہو گیا تھا کہ مجھے اس دنیا میں آگ کی خبر بھی نہیں ہوئی۔

حاتم بلخی کی نماز

حضرات! حاتم بلخی جن کا کبارِ اولیاء میں شمار ہے اور یہ حاتم زاہد کے لقب سے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ عصام محدث نے ان سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو میرا یہ حال ہوتا ہے کہ گویا کعبہ معظمہ میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اور میرا پاؤں پل صراط پر ہے اور جنت میری داہنی جانب اور دوزخ میرے بائیں طرف ہے۔ اور موت کا فرشتہ میرے سر پر ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے۔ اس کے بعد نماز شروع کرتا ہوں۔ اور انتہائی خضوع اور خشوع

کے ساتھ رکوع وسجود کرتا ہوں اور اس طرح نماز پڑھکر خدا کی رحمت سے قبولیت کی امید بھی رکھتا ہوں۔ اور اس خوف سے روتا بھی ہوں کہ کہیں میری نماز میرے منہ پر نہ ماردی جائے۔ یہ سُن کر عصام محدث رونے لگے اور کہا کہ اے حاتم بلخی! تم تیس برس سے اس طرح نماز پڑھتے ہو۔ افسوس! کہ تمام عمر میں مجھے ایک نماز بھی ایسی نصیب نہیں ہوئی۔

حاتم بلخی عمر بھر نماز باجماعت کے پابند رہے۔ ایک مرتبہ ساری زندگی میں ان کی ایک وقت کی جماعت چھوٹ گئی تو آپ رنج وغم سے نڈھال ہو گئے۔ دو ایک احباب تعزیت کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر آج میرا بیٹا مر گیا ہوتا۔ تو آدھا بلخ تعزیت کے لیے میرے پاس آتا مگر میری جماعت فوت ہو گئی۔ تو دو ایک آدمی تعزیت کے لئے آئے۔ افسوس لوگوں کی نظر میں دین کی مصیبت دنیا کی مصبت سے ہلکی نظر آنے لگی۔

ذوالنون مصری کی نماز

ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصری کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی اس کا بیان ہے کہ جب آپ نے "اللہ اکبر" کہا تو ان پر جلالِ ربانی کا ایسا غلبہ ہوا کہ گویا ان کی روح پرواز کر گئی۔ اور میرے قلب پر ان کی تکبیر کا یہ اثر ہوا کہ میرا دل خدا کی ہیبت سے لرز اُٹھا۔

محمد بن نصر مروزی کی نماز

حضرات! محمد بن نصر مروزی اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالمِ حدیث تھے۔ ان کا لقب فقیہ ہے۔ ان کی نماز کا یہ حال تھا۔ کہ ایک

مرتبہ نماز کی حالت میں ان کی پیشانی پر ایک بھڑ بیٹھ گئی - اور اس نے اس قدر ڈنک مارا کہ ان کے چہرے پر خون بہہ نکلا - مگر یہ سکونِ اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور ذرا بھی حرکت نہیں کی (اولیا، رجال الحدیث)

عبدالرحمٰن بن نُعم بجلی کی نماز

عبدالرحمٰنؒ بن نُعم بَجلی تابعی محدث ہیں - انتہائی عبادت گزار اور پرہیز گار عالِم باعمل تھے - حجاج بن یوسف ظالم ان کی حق گوئی پر ان کا دشمن ہو گیا اور ان کو گرفتار کر کے ایک اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا - اور پندرہ دن تک دروازے کو مقفل رکھا - پھر حجاج نے حکم دیا کہ تالا کھول کر ان کی لاش کو دفن کر دو - غالباً لاش سڑ چکی ہو گی - مگر جب تالا کھولا گیا - تو یہ نظر آیا کہ آپ نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ اطمینان سے نماز پڑھ رہے ہیں - حجاج ظالم آپ کی یہ کرامت دیکھ کر دنگ رہ گیا اور پھر اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اُس نے آپ کو رہا کر دیا - (اولیا، رجال الحدیث)

مُعلّٰی بن منصور کی نماز

حضرات! مُعلّٰی بن منصور رازی جو امام ابو یوسف و امام محمد کے شاگرد رشید اور حنفیوں کے مایۂ ناز مُحدث ہیں نماز میں ان کا خشوع حدِ کرامت کو پہنچا ہوا تھا - ایک مرتبہ عین نماز کی حالت میں بھڑوں کا چھتہ ان کے سر پر گرا - مگر یہ نہایت اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے - نماز کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ بھڑوں نے ان کے سر میں اس قدر ڈنک مارا تھا کہ سر میں کافی ورم ہو گیا تھا - (اولیا، رجال الحدیث)

منصور بن مُعتمر کی نماز

منصور بن معتمر کوفی دور تابعین کے جلیل القدر محدث ہیں۔ سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ اگر تم منصور بن معتمر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو یہ سمجھتے کہ ابھی ان کا انتقال ہو جائے گا۔ داڑھی سینے سے لگی ہوئی خضوع وخشوع کا پیکر بنے ہوئے رات بھر نماز میں مشغول رہتے جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے پڑوسی کی ایک چھوٹی لڑکی نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اے باپ ہمارے پڑوسی کی چھت پر جو ایک ستون تھا وہ کب گر گیا؟ بچی کے سوال کی وجہ یہ تھی کہ منصور بن معتمر دن میں کبھی چھت پر نہیں چڑھتے تھے۔ صرف رات میں چھت پر کھڑے ہو کر ساری رات نماز پڑھتے تھے۔ تو وہ بچی یہ سمجھتی تھی کہ یہ کوئی ستون ہے آپ کی باکرامت عبادت کا اس سے اندازہ لگالو کہ آپ نے ساٹھ برس تک روزانہ دن میں روزہ رکھا۔ اور ہر رات نفل نمازوں میں گزاری! (اولیاء رجال الحدیث) اللہ اکبر ؎

یہ جذب الٰہی کے پھندے کہاں ہیں\
یہ اللہ کے پاک بندے کہاں ہیں

برادران ملت! میں کہاں تک سلف صالحین کی نمازوں کے خضوع وخشوع کا حال آپ کو سناؤں؟ بس رنج وقلق تو یہی ہے کہ ہم لوگوں نے سلف صالحین کے طریقوں پر چلنا چھوڑ دیا۔ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں تو وہی مثل صادق آتی ہے کہ سر سجدے میں اور دل دغا بازی میں ہوا کرتا ہے۔ میں تو اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ ہماری نمازوں کو نماز کہنا درحقیقت نماز کی توہین ہے

مجھے آج کل کے نئے نمازیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے جو نماز پڑھ کر اکڑتے پھرتے ہیں کہ ہم نمازی ہیں۔ کسی شاعر نے کتنی عبرت آموز بات کہی ہے ؎

نہیں ہے جوشِ بلالی و حیدری تجھ میں
ستم ہے اپنی نمازوں پہ گر تو ناز کرے

خودی کو چھوڑ کے محو نمازیوں ہو جا
کہ خود نماز ہی تیری ادا پہ ناز کرے

برادرانِ ملت! مجھے اس موقع پر حضرت مرزا مظہر جانجاں نقشبندی دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قطعہ یاد آگیا۔ غور فرمایئے کہ ان اللہ والے مقدس اولیاء پر خضوع و خشوع اور خوف و خشیتِ خداوندی کا کتنا غلبہ تھا، حضرت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

بر نماز در روزہ و بر سوز و ساز خود مناز
یار بے پرواست ہرگز بر نیاز خود مناز

انفعالِ جرم بہتر از غرورِ طاعت است
مظہر! اے دور از حقیقت! بر نماز خود مناز

یعنی اپنی نماز و روزہ، اور اپنے سوز و ساز پر ناز مت کرو۔ کیونکہ یارِ حقیقی یعنی خداوند قدوس بے پرواہ ہے لہذا تم اپنے نیاز پر بھی ناز مت کرو۔ گناہ کرکے انسان اپنے جرم پر نادم و شرمندہ ہو جائے یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ انسان کوئی عبادت کرکے غرور کرے۔ اے مظہر! اے حقیقت سے دور! تو اپنی نماز پر کبھی ناز مت کر!

اللہ اکبر۔ مسلمانو! دیکھ لو۔ یہ ہیں خضوع وخشوع کے پیکر، اور تواضع کے مجسمے کہ شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کی تمام منازل طے کر چکے ہیں مگر اپنے کو حقیقت سے دور بتاتے ہوئے اپنے نفس کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ خبردار! ہرگز ہرگز کبھی تم اپنی نماز اور روزے پر غرور اور گھمنڈ نہ کرنا۔ کیونکہ خداوند عالم کی ذاتِ بے نیاز کو تمہارے عجز و نیاز کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ لہٰذا تم اپنی نماز، اپنے نیاز، اپنے سوز و ساز پر کبھی ناز نہ کرنا۔ اگر تم سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور تم اپنے جرم پر شرمندہ ہو کر اشکِ ندامت بہاتے ہوئے خداوند کریم کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کر لو تو تم اس عبادت گزار سے لاکھوں درجے بہتر ہو جو عبادت کر کے اپنی عبادت پر غرور سے اکڑتا پھرتا ہے۔

محترم بزرگو اور بھائیو! آج کل یہ مرض بہت پھیلا ہوا ہے۔ خصوصًا آج کل کے تبلیغی نمازیوں میں تو اس کی وبا پھیل چکی ہے۔ جس زمانے میں ایں گجرات کے دیہاتوں کا دورہ کر رہا تھا۔ تو اکثر جگہ یہ سننے میں آیا کہ کچھ لوگ مسجدوں میں لوگوں کو کلمہ پڑھا کر یہ وعظ سنایا کرتے تھے کہ بھائیو! تم لوگ حضرت غوث پاک کی بزرگی بہت دنوں سے سنتے آرہے ہو۔ مگر کیا رکھا ہے؟ غوث پاک میں تم لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پڑھو اور تبلیغ کے چلے میں نکلتے رہو۔ تو تم بھی غوث پاک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس تبلیغ کا دیہاتوں پر یہ اثر پڑا کہ بزرگانِ دین کی عظمت ان کے دلوں سے نکل گئی اور جس نے چار انگل داڑھی رکھ لی۔ اور پانچوں وقت نماز پڑھنے لگا وہ اپنے آپ کو ولی سمجھنے

لگا کہ میں اب حضرت غوث پاک سے زیادہ جو بھر چھوٹا ہوں۔

نماز کے بعد وحی کا انتظار

چنانچہ آپ لوگوں نے سُنا ہو گا کہ ایک ایسا سر پھرا نمازی تھا جو ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر آسمان کی طرف آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بھائی! تم ہر دو رکعت کے بعد اوپر گھُور گھُور کر کیوں دیکھتے ہو؟ تو وہ کہنے لگا کہ اجی! بات یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو یہی پانچ وقتوں کی نماز پڑھتے تھے تو ان پر حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن کی وحی لایا کرتے تھے۔ تو اب میں نے بھی جمعے کے دن سے نماز پڑھنی شروع کر دی ہے۔ لہٰذا انتظار کرتا ہوں کہ پورا قرآن تو نہیں مگر دو ایک سورت تو لیکر حضرت جبرئیل میرے پاس بھی آتے ہی ہوں گے۔ اسی لئے سر اُٹھا کر اوپر دیکھا کرتا ہوں۔

سُن لیا آپ نے ان نئے نمازیوں کا غرور؟ دو رکعت نماز پڑھی اور وحی کا انتظار کرنے لگے۔ ہمارے یوپی کی مثل نئے نمازی اور پھلوڑی کی تسبیح تو آپ نے سُنی ہو گی مگر یہ آپ نے نہیں سُنا ہو گا کہ نئے نمازی اور وحی کا انتظار۔ اسی کو کہتے ہیں کہ سوئیں بھاڑ میں اور خواب دیکھیں عرشِ معلّٰی کا

مسلمانو! سنو۔ پنج وقتہ باجماعت نمازیں پڑھو۔ اور انتہائی اخلاص اور خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھو۔ مگر نمازیں پڑھکر خدا سے ڈرو اور رو رو کر اور گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگو کہ وہ اپنے

م سے تمہاری نمازوں کو قبول فرمالے۔ اور ہرگز ہرگز اپنی نمازوں پر
غرور اور گھمنڈ مت رکھو بلکہ ہر وقت خدا سے ڈرتے رہو کہ کہیں تمہاری
نمازیں تمہارے منہ پر نہ ماردی جائیں۔

مسلمانو! کون نہیں جانتا کہ شیطان کی لاکھوں برس کی عبادت
ایک غرور و تکبر کی وجہ سے اُس کے مُنہ پر ماردی گئی۔ اور ابد الآباد تک
کے لئے وہ مردود بارگاہِ الٰہی ہوگیا کسی نے خوب کہا ہے ؎

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے پر
ہزاروں سال گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

خداوند کریم اپنے مقبول و محبوب بندوں کے طفیل میں ہم سب مسلمانوں
کو اخلاص اور خضوع و خشوع کے ساتھ نماز باجماعت کی توفیق عطا فرمائے
اور غرور و تکبر سے محفوظ رکھے آمین۔ یارب العالمین ؕ

وما علینا الا البلاغ

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ط وصلی اللہ
تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

آٹھواں باب

شہداء کربلا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ الذی اکرم الشہداءَ بالحیوۃِ الطیبۃِ والباقیات الصالحاتِ ؕ بقولہٖ تعالیٰ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ وَاَکْرَمُ الصَّلٰوۃِ وَالسَّلَامِ علیٰ سید الکائناتِ وصاحبِ الشفاعاتِ ؕ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ الذین ھم شہداءُ محبتہٖ باحسنِ الطاعاتِ ؕ ونالُوْا بشہادۃِ رسالتہٖ جنانَ الخُلدِ واعلی الدرجاتِ ؕ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ؕ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؕ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ قف وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ○ (البقرۃ)

از فرش تا عرش سما بَلَغَ العُلےٰ بِکَمَالِہٖ

از فوق تا تحت الثریٰ کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

خَیْرُ الْبَشَر خَیْرُ الْوَرٰی حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

حضرت محمد مصطفیٰ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

برادران ملت! پڑھیے بہ آواز بلند درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَ سَلِّمْ۔

حضرات گرامی! میں آج فضائل اہل بیت اور "شہدائے کربلا" کے عنوان پر تقریر کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے پہلے "شہداء کربلا" کے میر کارواں امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک منقبت پیش کرتا ہوں۔ بغور سماعت فرمائیے!

کیوں خدائی ہو نہ جان و دل سے قربانِ حسین
بوسہ گاہِ مصطفےٰ ہے شہ رگ جانِ حسین

آج تک ہیں غیر قومیں بھی ثنا خوانِ حسین
اللہ۔ اللہ! کیا عظیم الشان ہے شانِ حسین

کام آئے بہرِ حق سب نونہالانِ حسین
ہو گیا نذرِ خزاں سارا گلستانِ حسین

مرحبا۔ یہ حق پرستی، یہ صداقت پروری
حضرتِ حُر ہو گئے مقتل میں قربانِ حسین

جان دی۔ لیکن دیا ہر گز نہ دستِ حق پرست
اللہ اللہ! کس قدر محکم تھا ایمانِ حسین

رَن میں آتے تھے نظر کشتوں کے پشتے ہر طرف
وار جب اعدا پہ کرتے تھے جوانانِ حسین

کوئی خطرہ ہی نہیں شاغل کو روزِ حشر کا

تا ابد محفوظ ہے وہ زیرِ دامانِ حسین

حضراتِ گرامی! میری انگوٹھی میں جو ایک نگینہ ہے یہ پہلے پتھر کا ایک ٹکڑا تھا جس کی کوئی زیادہ قدر و قیمت نہیں تھی۔ مگر یہ سیکڑوں بار کاٹا گیا تراشا گیا۔ گڑھا گیا۔ غرض بڑے بڑے ابتلاء اور امتحان کی منزلوں سے گزرا تو اس کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی۔ اور خداوندِ عالم نے اس کو یہ بلند مرتبہ بخشا کہ یہ انگوٹھی کا نہایت ہی حسین نگینہ بن گیا۔ اسی طرح یہ میری چھڑی پہلے ایک درخت کی شاخ تھی۔ نہ اس میں کوئی خاص جاذبیت تھی۔ نہ کوئی بڑی قدر و قیمت۔ مگر اس کو کلہاڑی سے کاٹا گیا پھر اس پر آرہ چلایا گیا اور بسولے سے اس کو بار بار چھیلا گیا۔ پھر اس کے سینے پر سیکڑوں مرتبہ رندا چلایا گیا اور تیز دھار والے اوزاروں اور ہتھیاروں سے تراش خراش کر اس میں نقش و نگار بنائے گئے۔ غرض سیکڑوں ہزاروں زخم کھانے کے بعد اور طرح طرح کے مصائب و آلام کی گردش اور قسم قسم کے ابتلاء اور امتحان کی آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد اس کو یہ جلیل القدر مرتبہ ملا کہ یہ ایک عالمِ دین کے ہاتھ کا عصا ہے اور اس کی قدر و منزلت کا یہ عالم ہے کہ میں اس کو ہاتھ میں لیکر منبرِ رسول پر وعظ بیان کرتا ہوں اور اس کا سہارا لیکر جامع مسجد کے منبر پر خطبہ پڑھتا ہوں۔

اسی طرح "سنگِ سُرمہ" پتھر کا ایک معمولی ٹکڑا ہوتا ہے مگر جب وہ سیکڑوں بار کوٹا۔ اور ہزاروں بار پیسا جاتا ہے۔ اور بار بار کھرل میں رگڑا جاتا ہے۔ غرض بڑی بڑی مصیبتوں اور بڑے بڑے ہوشربا اور روح فرسا امتحان سے دوچار ہوتا ہے۔ تو اس پتھر کے ٹکڑے کو اتنا بلند رتبہ نصیب ہو جاتا ہے۔

کہ لوگ اس کو اپنی آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں۔ اور انتہائی محبت اور پیار کے ساتھ لوگ اس کو سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں بٹھاتے ہیں! اسی طرح گیہوں کا جو دانہ مکان کے اندر سائے میں نہایت آرام اور چین کے ساتھ کسی برتن میں پڑا رہتا ہے۔ وہ یا تو گل سڑ کر فنا ہو جاتا ہے۔ یا کسی جاندار کی غذا بن کر نجاست کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن گیہوں کا وہ دانہ جو زمین میں بو دیا جاتا ہے اور وہ زمین کی گرمی، سورج کی تپش، اور بارش کی زحمت، طرح طرح کی تکلیفوں کے امتحان میں جھنجھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے۔ تو اس کو یہ مرتبہ ملتا ہے کہ وہ ایک سرسبز و شاداب اور حسین پودا بن کر اُگتا ہے اور وہ فرشِ زمین کے لیے زینت، اور انسانوں کے لیے ذریعۂ زندگی اور سامانِ معاش بن جاتا ہے۔ اور وہ انسانوں کے لیے اتنا محبوب اور جاذبِ نظر ہو جاتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اُس کا خادم بن کر کبھی اس کو پانی سے سیراب کرتا ہے اور کبھی اس کے اردگرد کی گھاسوں کو اکھاڑ کر اس کے صحن کی صفائی کرتا ہے۔ اور دن رات پہرہ دار بن کر اس کی حفاظت کرتا ہے۔

برادرانِ ملت! ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ قانونِ فطرت اور دستورِ قدرت یہی ہے کہ اکثر جب بھی کسی کو کبھی کوئی بلند مرتبہ ملتا ہے تو وہ ضرور پہلے ابتلاء و آزمائش کے کٹھن امتحان کے دور سے گزرتا ہے اور بغیر مصائب و آلام کی مشقتوں کو جھیلے اور برداشت کیے ہوئے کسی کو کبھی کوئی رتبہ اور مرتبہ نہیں ملا کرتا۔ یہی وہ مضمون ہے جس کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا   سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

اور یہی وجہ ہے کہ کسی عارف باللہ نے جب عبادت و ریاضت کی آزمائشوں کے امتحانِ فنا میں ثابت قدم رہنے کے بعد جس وقت اس کو نعمتِ بقا کی معراجِ ترقی نصیب ہوئی تو اُس نے تمام عالمِ انسانیت کو یہ درس دیا کہ ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

برادرانِ ملت! عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ "اَلْعَطَایَا عَلٰی قَدْرِ الْبَلَایَا" یعنی جتنا بڑا امتحان ۔ اتنا ہی بڑا انعام!

یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ" یعنی سب سے زیادہ سخت اور بڑا امتحان حضراتِ انبیاء علیہم السلام کا ہوا کرتا ہے۔ پھر ان کے بعد جو جس درجے کا بلند مرتبہ ہوگا اسی قدر سخت اور بڑا اس کا امتحان ہوگا۔ کیوں نہ ہو؟ کہ ؎

منزلِ عشق میں تسلیم و رضا مشکل ہے
جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

برادرانِ ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرتِ حق جلّ مجدہٗ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط یعنی ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ

مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ اور (اے محبوب) خوشخبری سنا دو ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے۔ تو وہ یہ کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ قف وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُہْتَدُوْنَ ۝ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں۔ اور رحمت، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (البقرہ)

تو عزیزانِ گرامی! اب غور فرمائیے کہ چونکہ میرے آقا حضور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "اہل بیت" کا مرتبہ نہایت افضل و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے اور خداوند قدوس ان نفوسِ قدسیہ کو بڑے بڑے اعزاز و اکرام کی سلطنتوں کا تاجدار بنانے والا ہے۔ اس لیے قانونِ قدرت کا یہی تقاضا ہے کہ ان پاک جانوں کو بھی ضرور ابتلاء و امتحان کی منزلوں سے گزرنا ہوگا۔ اور پھر جتنا بڑا امتحان ہوگا اُتنے ہی بڑے انعام کے یہ مستحق اور حقدار ٹھہریں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضراتِ اہل بیتِ نبوت کے مقدس شہزادوں کو میدان کربلا میں خوف، بھوک، پیاس، اور نقصانِ جان و مال، کے ایسے ایسے مصائب کرب و بلا کے ہوشربا امتحان سے گزرنا پڑا۔ کہ اگر ہمالیہ کا پہاڑ بھی ہوتا تو اس کا دامنِ صبر تار تار ہو جاتا۔ مگر واہ رے! ان شہزادگانِ خاندانِ نبوت کا عزم و استقلال کہ ان مصائب و آلام کے کوہ شکن ہجوم میں بھی صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹے رہے۔ اور اس عظیم الشان امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ اور خداوند عالم نے ان کو "شہادتِ کبریٰ" کا انمول انعام عطا فرما کر اعزاز و اکرام کی اس بلند

منزل پر پہنچا دیا کہ آسمانوں کی بلند رفعتیں اور آفتاب و ماہتاب کی عرش نما طلعتیں ان کے قدموں کی گرد راہ کو جھک جھک کر سلام کرتی ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ کہ یہ وہ نونہالانِ گلشن نبوت ہیں کہ جن کے خون کے قطرے قطرے میں علی و نبی کا خون شامل ہے اور یہ سب کے سب محبوب خدا کے پیارے، مولیٰ علی کے دلارے، اور فاطمہ زہرا کی آنکھوں کے تارے ہیں!

فضائلِ اہلبیت

حضرات محترم! اللہ اکبر! اہل بیت نبوت کے مراتب علیا اور ان کے درجات کبریٰ کا ذکر آگیا۔ تو کچھ ذرا اس کا بیان بھی سن لیجئے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ "اہل بیت" کے منازلِ درجات اور ان کے فضائل و کمالات کا کیا کہنا؟ خداوندِ قدوس جل و علا ارشاد فرماتا ہے کہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝ (احزاب) یعنی اے نبی کے گھر والو! بس خدا یہی چاہتا ہے کہ پلیدی کو تم سے دور فرما دے اور تمھیں خوب پاک اور ستھرا کر دے۔

حضرات! مسلم شریف کی روایت ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ تو صبح کو ایک منقش کملی اوڑھ کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے اور حضرت حسن اور حضرت حسین اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو اپنی کالی کالی رحمت والی کملی میں داخل فرما لیا۔ پھر اپنے دست رحمت کو خداوند قدوس کی بارگاہِ عظمت میں اٹھا کر یہ دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ وَخَاصَّتِیْ اَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا ۝ یعنی خداوندا! یہ میرے اہل بیت اور میرے مخصوصین ہیں۔ تو ان سے پلیدی کو

دور فرمادے اور انھیں خوب پاک اور ستھرا کردے۔ رحمتِ عالم کی یہ پیاری دعا سن کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ وَاَنَا مِنْهُمْ یعنی میں بھی ان میں سے ہوں تو ارشاد فرمایا کہ اِنَّكِ عَلٰی خَیْرٍ بے شک تم بہتری پر ہو۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور نے حضرت ام المومنین کے جواب میں فرمایا "بَلٰی" یعنی کیوں نہیں؟ اور ان کو بھی اپنی مقدس کملی میں داخل فرمالیا۔

آیتِ مُباہلہ

حضرات! اسی طرح جب نجران کے عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لیے مدینہ آئے تو آپ نے اپنے دلائل نبوت سے اس پر آفتاب کی طرح حق کو ظاہر فرما دیا۔ مگر پھر بھی وہ لوگ اپنی معاندانہ روش سے برابر جھگڑتے رہے۔ تو حضرت حق جل جلالہٗ نے "مباہلہ" کی آیت نازل فرمائی اور حکم فرمایا کہ اے محبوب! فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ ٥ یعنی جو تم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کریں جبکہ تمہارے پاس اس کا علم آچکا ہے۔ تو اے محبوب اُن سے فرما دو۔ کہ آؤ۔ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم گڑگڑا کر دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

حضرات! جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو میدان میں نکل کر مباہلہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ جب صبح

کو نصرانیوں کا گروہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی گود میں امام حسین ہیں اور دستِ اقدس میں امام حسن کا ہاتھ ہے اور حضرت علی و حضرت فاطمہ حضور کے پیچھے ہیں اور حضور ان سب سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب "آمین" کہنا۔ نجران کے سب سے بڑے پادری "عبد المسیح" نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا کہ اے جماعت نصاریٰ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کسی پہاڑ کو ہٹا دینے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے پہاڑ کو ہٹا دے گا۔ لہٰذا ہرگز ہرگز ان سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ تم سب ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ نجران کے نصرانیوں نے "جزیہ" دینا منظور کیا۔ مگر "مباہلہ" کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کہ نجران والوں پر عذاب بہت ہی قریب آچکا تھا اگر وہ لوگ مجھ سے "مباہلہ" کرتے تو بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیے جاتے۔ اور قہرِ الٰہی کی آگ سے جنگل جل جاتے اور وہاں کے چرند و پرند تک نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال کے اندر تمام روئے زمین کے نصاریٰ ہلاک و برباد ہو جاتے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ "مباہلہ" کے لیے یہ بات ٹھہری تھی۔ کہ اے عیسائیو! تم اپنے بیٹوں کو لیکر میدان میں نکلو اور ہم اپنے بیٹوں کو، تم اپنی عورتوں کو لیکر آؤ اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم خود آؤ اور ہم خود آئیں۔ اس موقع پر جناب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ نبوت [illegible]

فرمایا وہ حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں حضرات؛ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما قیامت تک "ابن رسول اللہ" کہلاتے رہیں گے کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان دونوں کو اپنا "بیٹا" فرمایا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص جنتی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب "مباہلہ" کے لیے ان مقدس جانوں کو ساتھ لیکر حضور گھر سے باہر نکلے تو یہ فرمایا کہ "اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ" (مشکوٰۃ ص۵۶۸) اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں؛

خطبۂ غدیر خم حضرات؛ زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے "غدیر خم" کے تالاب کے پاس جو ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ اہم اعلان فرمایا کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ یعنی میں جس کا مولیٰ ہوں "علی" اس کے مولیٰ ہیں۔ اسی خطبۂ مبارکہ کا ایک نہایت ہی اہم جزو یہ بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اَنَا تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اے لوگو! میں تمہارے اندر دو بھاری چیزوں چھوڑ رہا ہوں اَحَدُھُمَا کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ الْھُدٰی وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاسْتَمْسِکُوْا بِہٖ" ان دونوں میں سے ایک تو "کتاب اور (قرآن) ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ لہٰذا تم لوگ اللہ کی کتاب کو لو اور مضبوطی کے ساتھ اس پر عامل رہو ثُمَّ قَالَ وَاَھْلُ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ (مشکوٰۃ ص۵۶۸) پھر یہ ارشاد فرمایا

کہ دوسری بھاری چیز جو میں تم میں چھوڑ کر جارہا ہوں وہ میرے اہل بیت ہیں۔ اور میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں تم سے میرے اہل بیت کا حق ادا کرنے میں بال برابر کوتاہی نہ ہونے پائے۔

حجۃ الوداع کا خطبہ حضرات! اسی طرح "حجۃ الوداع" کا خطبہ جس میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کے مجمع میں آپ نے اپنے انتہائی اہم فرامین کا اعلان فرمایا۔ اس خطبہ میں بھی یہ ارشاد فرمایا کہ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ (مشکوٰۃ ص۵۶۹) یعنی اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان وہ چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ کون کون چیزیں ہیں؟ سن لو! وہ اللہ کی کتاب ہے اور میری اولاد ہے جو میرے اہل بیت ہیں۔

حضرات! رحمتِ عالم کے یہ مقدس خطبات، حدیثیں، اور قرآن مجید کی مقدس آیت ہمیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کر رہی ہیں کہ اہلِ بیت نبوت کا مقام عظمت نہایت ہی ارفع و اعلیٰ ہے اور آفتابِ نبوت کے ان چاند تاروں اور فاطمہ زہرا کے ان پیاروں اور دُلاروں سے محبت اور حُسنِ عقیدت رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسی لیے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انتہائی جوشِ محبت اور جذبۂ عقیدت کے ساتھ

امام شافعی کے دو شعر اہل بیت نبوت کو مخاطب کر کے اُن کی بارگاہِ عزت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض فرماتے

ہیں کہ ؎

یَا اَھْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ حُبُّکُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللّٰہِ فِی الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَہٗ

یعنی اے رسول اللہ کے اہل بیت! تمہاری محبت خدا کی طرف سے فرض ہے۔ اور خداوند قدوس نے یہ حکم قرآن میں نازل فرمایا ہے!

اسی طرح ایک مرتبہ خارجیوں نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ پر محض اتنی سی بات پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی کہ آپ اہل بیت نبوت سے انتہائی والہانہ محبت رکھتے تھے۔ تو اس وقت آپ نے خم ٹھونک کر انتہائی عزم محکم کے ساتھ خارجیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ ؎

لَوْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّیْ "رَافِضِیْ"

یعنی اگر آلِ رسول کی محبت ہی کا نام تمہارے نزدیک رافضی ہونا ہے۔ تو تمام دنیا کے جن وانسان گواہ ہو جائیں کہ اس معنی میں یقیناً میں "رافضی" ہوں!

برادران ملت! ہم سنیوں کے مسلم الثبوت پیشوا اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہ العزیز کے بھائی مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک قصیدہ میں کتنی شاندار اہل بیت کی مدح وثنا فرمائی ہے۔ اس قصیدہ کے چند اشعار پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیے ؎

کس زباں سے ہو بیانِ مدح وشانِ اہلبیت
مدح گوئے مصطفےٰ ہے مدح خوانِ اہل بیت

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیان
"آیۂ تطہیر" سے ظاہر ہے شانِ اہل بیت

اِن کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں، قدر و شانِ اہل بیت

رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حُسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہل بیت

کس مزے کی لذتیں ہیں آبِ تیغ یار میں
خاک و خوں میں لوٹتے ہیں تشنگانِ اہلِ بیت

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلِ بیت

سر شہیدانِ محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اونچی کی خدانے قدر و شانِ اہل بیت

گھر لٹانا، سر کٹانا کوئی تجھ سے سیکھ لے
جانِ عالم ہو فدا! اے خاندانِ اہل بیت

اہل بیتِ پاک سے گستاخیاں بے باکیاں؟
لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ! دشمنانِ اہل بیت

بے ادب گستاخ فرقے کو سنا دے اے حسنؔ
اس طرح کہتے ہیں "سُنّی" داستانِ اہل بیت

حضرات گرامی! آپ سن چکے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار

حضرت علی، فاطمہ، حسن حسین رضی اللہ عنہم کو اپنا اہل بیت فرمایا۔ سبحان اللہ! خاندانِ نبوت کے ان نونہالوں کی عظمتِ شان کا کیا کہنا! حضرت مولائے کائنات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ" یعنی حضرت علی مجھ سے ہیں اور میں حضرت علی سے ہوں۔ سبحان اللہ! مطلب یہ ہے کہ میرا گوشت ان کا گوشت ہے اور میرا خون ان کا خون ہے اللہ اکبر! یہ ہے مولائے کائنات کا بارگاہِ نبوت میں وہ کمالِ قرب کہ جس کی ندرت و لطافت کو وہی سمجھ سکتا ہے کہ جس کو خداوند قدوس نے ایمانی نگاہِ محبت اور عرفانی فہم و فراست سے نوازا ہے! اللہ اللہ! "مِنْ تبعیضیہ" لاکر عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ فرمایا کہ علی میرے بدن کا جزو ہیں اور میں علی کے بدن کا جزو ہوں۔ اللہ اکبر! رحمتِ عالم کا کمالِ کرم تو دیکھو کہ علی کو اپنے بدن کا ٹکڑا اور اپنے کو علی کے بدن کا ٹکڑا فرمایا۔ اور اعلان فرمادیا کہ میرا دوست علی کا دوست، اور علی کا دوست میرا دوست ہے۔ اور میرا دشمن علی کا دشمن اور علی کا دشمن میرا دشمن ہے۔ برادرانِ ملت! نبی و علی کا وہی معاملہ ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

حضرت علی

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یعنی میں "تو" ہو گیا۔ "تو" میں" ہو گیا۔ میں تیرا بدن ہو گیا اور تو میری جان ہو گیا۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں دوسری چیز ہوں اور تو دوسری چیز ہے!

حضرت فاطمہ

حضرات! اسی طرح حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے

فضائل کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟ یہ نور نبوت کا وہ ٹکڑا ہیں جن کے بارے میں صاف صاف فرما دیا کہ۔ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّي مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِي" یعنی فاطمہ میری بیٹی تو میرے بدن کی ایک بوٹی ہے۔ جس نے اس کا دل دکھایا اُس نے مجھے دُکھ پہنچا کر ایذا دی۔

حضراتِ حسنین کریمین

اسی طرح حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مراتب و درجات کا یہ عالم ہے کہ رحمت عالم کبھی ان دونوں کو اپنے سینۂ نبوت سے چمٹا کر، کبھی دوش انور پر بٹھا کر یہ دعا فرماتے تھے کہ هٰذَانِ اِبْنَایَ وَ اِبْنَا بِنْتِي اَللّٰهُمَّ اِنِّي اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا (مشکوٰۃ صفحہ) یعنی یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔ لہٰذا تو بھی ان دونوں سے محبت فرما۔ اور تو اُن لوگوں سے بھی محبت فرما جو ان دونوں سے محبت رکھیں!

حضرت اَنس بن مالک راوی ہیں کہ فَيَشُمُّهُمَا وَ يَضُمُّهُمَا (ترمذی ج ۲ صفحہ ۲۱۲) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں شہزادوں کو سونگھتے تھے اور اپنے سینے سے چمٹا یا کرتے تھے۔ سبحان اللہ! دنیا میں سب لوگ تو اپنے پیارے بچوں کو چومتے ہیں۔ مگر حضور اپنے ان دُلاروں کو سونگھا کرتے تھے۔ کیوں نہ ہو؟ کہ رحمت عالم نے ان پیاروں کے بارے میں بار بار یہ فرمایا کہ "هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا" یعنی حسن و حسین دونوں میرے پھول ہیں جو خدا نے مجھے دنیا میں عطا فرمائے ہیں۔ اور یہ ظاہر بات ہے پھول سونگھے

جاتے ہیں۔ پھول چومے نہیں جاتے۔ اس لئے حضور حسن و حسین اپنے دونوں پھولوں کو سونگھا کرتے تھے۔ سبحان اللہ کیا خوب فرمایا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے

کیا بات! رضاؔ اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن پھول

اچھی سواری پیارا سوار

حضرات! ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن کو کمالِ محبت سے اپنے دوشِ نبوت پر سوار کرکے چل رہے تھے تو کسی صحابی نے یہ منظر دیکھ کر عرض کیا کہ نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یَا غُلَامُ۔ اے بچے تیری سواری کتنی اچھی ہے؟ سبحان اللہ! تو سرکارِ دوجہاں نے فوراً ارشاد فرمایا کہ وَنِعْمَ الرَّاکِبُ ھُوَ یعنی اے میرے صحابی! تو نے یہ تو دیکھ لیا کہ سواری کتنی اچھی ہے؟ مگر یہ بھی تو دیکھ! کہ سوار کتنا پیارا ہے؟ (مشکوٰۃ ص۵۷۱)

حضرت امام حسن کی شہادت

میرے بزرگو اور بھائیو! "ریحانۃ الرسول" اور "خاتم الخلفاء" حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ۱۵ ررمضان ۳ھ کی شب میں مدینہ طیبہ کے اندر تولد ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد چند ماہ چند روز مسندِ خلافت پر رونق افروز رہے۔ پھر آپ نے تختِ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمادیا۔ اس کے بعد کسی خبیث نے آپ کو زہر کھلادیا۔ زہر کے اثر سے آپ کو اسہالِ کبدی لاحق ہوا اور آنتوں کے ٹکڑے کٹ کٹ کر اسہال میں خارج ہونے لگے۔ اس سلسلے میں چالیس روز سخت تکلیف رہی اور ۵ ر

ربیع الاول ۴۹ھ میں آپ نے اس دار ناپائدار سے مدینہ منورہ میں دار آخرت کی طرف رحلت فرمائی اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون) اور جنۃ البقیع" میں اپنی والدۂ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں جگر گوشۂ رسول فرزند بتول مدفون ہوئے! قریب وفات جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ اُس کو قتل کرو گے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بیشک! تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص پر میرا گمان ہے اگر واقعی وہی میرا قاتل ہے تو خداوند قہار وجبار منتقم حقیقی ہے وہی اُس سے میرے خون کا انتقام لے گا۔ اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے کوئی بے گناہ مارا جائے۔ بہر حال کسی کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ کا قاتل کون ہے؟ بعض مورخین نے یہ لکھ دیا ہے کہ جعدہ بنت اشعث بن قیس آپ کی زوجہ نے یزید پلید کے حکم سے آپ کو زہر دیا اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ اسی لالچ میں اُس نے حضرت امام کو زہر دیا۔ لیکن اس روایت کی کوئی صحیح سند موجود نہیں ہے اس لیے بغیر کسی صحیح سند کے کسی مسلمان پر اتہام کے قتل کا الزام لگانا بھلا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ حضرات! اہل بیت کو قاتل کا علم تھا نہیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے دریافت کرنے پر بھی قاتل کا نام نہیں بتایا اور حضرات حسنین کے صاحبزادوں نے اپنی آخری عمر تک "جعدہ" سے کوئی شرعی مواخذہ بھی نہیں فرمایا۔ تو پھر "جعدہ" کو قاتل ٹھہرانے والا کون ہے؟ اس لیے تعجب نہیں کہ یہ خارجیوں کا ایک بدترین تبرا ہو کہ وہ حضرت امام کی بیوی کو غیر کے ساتھ سازباز کرنے کی تہمت لگا رہے ہیں۔ (نعوذ باللّٰہ) واللّٰہ تعالیٰ اعلم!

زمینِ کربلا کا خونی منظر

حضرت امام حسین اور اُن کے رفقاء کی شہادت

حضرات گرامی! سید الشہداء حضرت امام حسین شہید کربلا کی ولادت باسعادت ۵ شعبان سنہ ۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی کنیت "ابو عبداللہ" اور نام نامی "حسین" اور لقب "سبط رسول" اور "ریحانۃ الرسول" ہے!

اللہ اکبر! جگر گوشۂ رسول، فرزند بتول، راکب دوش پیمبر اور کربلا کے غازیوں کے سرتاج امام عالی مقام، شہید کربلا، حضرت امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان کس زبان کی طاقت ہے کہ کما حقہ بیان کر سکے۔

حضرات! مجھے اس وقت ایک "نظم" کے چند بند یاد آ گئے جس کو میں حسینی سرکار میں بطور نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوں بغور سنیے! ؎

جو دہکتی ریت کے بستر پہ سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے دُنیا کو دھویا وہ حسین

جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے بھی کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دو بالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

شیر کے مانند جو مقتل میں آیا وہ حسین
جو بہتر زخم کھا کر مسکرایا وہ حسین

راہِ حق میں جس نے اپنا سر کٹایا وہ حسین
کربلا میں جس نے اپنا گھر لٹایا وہ حسین

زیرِ خنجر جس کا سجدہ عظمتِ اسلام ہے
جس کا ہر تیور رسولِ پاک کا پیغام ہے

اللہ اللہ! راکبِ دوشِ پیمبر وہ حسین
فاطمہ کا نورِ دیدہ جانِ حیدر وہ حسین
عظمت و اخلاص و قربانی کا پیکر وہ حسین
کربلا کے غازیوں کا میرِ لشکر وہ حسین

پرچمِ حق تا ابد جس کا سلامی ہو گیا
زندۂ جاوید، جس کا نام نامی ہو گیا

دین کی خاطر تھی جس کی زندگانی وہ حسین
کٹ گئی اسلام میں جس کی جوانی وہ حسین
خلد میں کی حق نے جس کی میہمانی وہ حسین
مل گئی جس کو حیاتِ جاودانی وہ حسین

نامِ نامی جس کا لوحِ دہر پر مرقوم ہے
ذرّے سے تا عرش جس کی عظمتوں کی دھوم ہے

واقعاتِ شہادت

حضراتِ محترم! رجب ۶۰ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بمقام دمشق لقوہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ آپ نے بوقتِ وفات یہ وصیت فرمائی کہ میرے پاس حضورِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ تبرکات ہیں جن کو میں نے اپنی زندگی بھر اپنی جان سے زیادہ عزیز تر سمجھ کر اپنے خزانہ میں محفوظ رکھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ازارِ مبارک[۱]، چادرِ اقدس[۲]، قمیصِ انور[۳]، موئے مبارک[۴] اور ناخن مبارک کے تراشے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور رحمتِ عالم کے تہبند شریف اور مقدس پیرہن کا کفن دیا جائے اور میرے اعضائے سجدہ اور آنکھوں میں موئے مبارک اور تراشہائے ناخنِ منور رکھ کر قبر میں لٹا کر ارحم الراحمین کے سپرد

کردیا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو دفن کیا!

یزید پلید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کا ناخلف اور انتہائی شقی اور بدنصیب بیٹا "یزید" تختِ سلطنت پر فرعونِ زمانہ بن کر بیٹھا اور اس نے اپنی بیعت لینے کے لیے اطرافِ سلطنت میں ہر طرف فرمان اور قاصد روانہ کیے۔

حضرات! یزید کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ معاذ اللہ! یزید بن معاویہ اموی وہ بدترین شخص ہے جس کی پیشانی پر اہل بیت نبوت کے خونِ ناحق کا قیامت تک نہ مٹنے والا سیاہ داغ ہے۔ یہی وہ بدنصیب اور شقی القلب ظالم ہے جس پر قیامت تک تمام دنیائے اسلام تحقیر و ملامت کے پتھر برساتی رہے گی۔ یہ ننگِ خاندانِ بنی امیہ ۲۵ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں میسون بنت بحدل کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ انتہائی بدشکل موٹا بھدا، پورے بدن پر بال، انتہائی بدخلق، بدمزاج، فاسق و فاجر، شرابی و بدکردار، ظالم و غدار اور انتہائی بے ادب و گستاخ تھا۔ محرمات کے ساتھ نکاح اور سود وغیرہ منہیات شرعیہ کو اس بے دین نے علانیہ رواج دیا۔ حضرت عبداللہ بن حنظلۃ الغسیل نے فرمایا کہ واللہ! ہم نے یزید پر اس وقت خروج کیا۔ جب ہم کو یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں یزید کی بداعمالیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے ہمارے اوپر آسمان سے عذاب کے پتھر نہ برسنے لگیں (واقدی) اسی طرح ایک مرتبہ کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دربار میں یزید کو امیر المومنین کہدیا۔ تو آپ نے اس کو بیس درہ مار کر سزا دی کہ یزید جیسے بدترین شخص کو "امیر المومنین" کہنا جرمِ عظیم ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ص۱۳۲) حضرت ابو ہریرہ جو اُن صحابہ میں

شمار کیے جاتے ہیں جو رحمت عالم کے راز دار اور صاحب اسرار ہیں۔ آپ نے ۵۹ھ میں یہ دعا مانگی کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ رَاسِ السِّتِّیْنَ وَاِمَارَةِ الصِّبْیَانِ یعنی یا اللہ! میں ۶۰ھ کی شروعات اور لڑکوں کی حکومت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ ۶۰ھ میں یزید کی حکومت ہوگی اور یہ بڑے فتنوں کا وقت ہوگا۔ اس لئے آپ نے اس سے پناہ مانگی۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوگئی اور ۵۹ھ ہی میں آپ کی وفات ہوگئی۔ (تاریخ الخلفاء)

بہرکیف یزید پلید تختِ سلطنت پر قابض ہونے کے بعد اُس نے ہر طرف اپنی بیعت کے لیے حکم نامے اور قاصد بھیجے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عُقبہ کو یزید نے یہ فرمان بھیجا کہ تم میرا یہ فرمان دیکھتے ہی سب خاص و عام اور عمائدِ مدینہ سے میری بیعت لو۔ اور خاص کر حضرات امام حسین اور عبدالرحمن بن ابوبکر اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو تو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ دینا۔ اور سب سے پہلے ان لوگوں سے بیعت لینا۔ چنانچہ یزید کا فرمان ملتے ہی ولید بن عقبہ نے حضرت امام حسین کو اپنے دارالامارۃ (گورنمنٹ ہاؤس) میں بلایا اور یزید کا فرمان سنا کر آپ سے بیعت کا طالب ہوا۔ امام عالی مقام نے صاف صاف فرمادیا کہ یزید اپنے فسق و فجور اور ظلم و عُدوان کی وجہ سے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ اس لیے میں ہرگز ہرگز کبھی بھی اُس کی بیعت نہیں کرسکتا۔ سچ ہے ؎

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جس وقت امام عالی مقام نے یزید کی بیعت سے انکار فرما دیا۔ تو ولید بن عقبہ نے آپ کو بہت نرمی کے ساتھ سمجھایا اور اس کے خطرناک انجام کی طرف توجہ دلائی۔ مگر جب آپ نے پورے عزم محکم کے ساتھ بیعت سے انکار فرما دیا۔ تو ولید بن عُقبہ نے آپ کو پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا اور عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! آپ اس معاملہ میں جلد بازی کے ساتھ کوئی فیصلہ نہ فرمائیں بلکہ اس وقت آپ اپنے دولت خانہ پر تشریف لیجائیں اور اطمینان سے سوچ بچار کر کوئی فیصلہ فرمائیں اور کل اسی طرح پھر یہاں قدم رنجہ فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا!

حضرات! امام عالی مقام کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ بیعت کے انکار سے یزید نابکار انتہائی مشتعل ہوگا اور میری جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جائے گا لیکن فرزندِ رسول سے بھلا یہ کب ممکن تھا؟ کہ تقویٰ اور دیانت کو ٹھکرا کر محض اپنی جان بچانے کے لیے ایک فاسقِ نابکار اور فاجرِ بدکار کو خلافت کا حقدار تسلیم کرلیں اور مسلمانوں کی تباہی اور دین و ملت کی بربادی کا کچھ خیال نہ کریں۔ مسلمانو! اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر امام عالی مقام یزید کی بیعت فرما لیتے تو یقیناً یزید اس کو آپ کا ایک احسان عظیم سمجھ کر آپ کی انتہائی قدر و منزلت کرتا اور فرطِ عقیدت سے آپ کے قدم دھو دھو کر پیتا اور بنی امیہ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کی مقدس جوتیوں پر ڈال دیتا۔ آپ کو بے شمار مال و دولت بھی دیتا۔ بلکہ کسی صوبے کی گورنری اور حکومت بھی پیش کر دیتا۔ مگر امام برحق کی حق پرست نگاہوں کے سامنے آفتاب بن کر یہ حقیقت چمک رہی تھی۔ کہ اگر میں یزید کی بیعت کر لیتا

ہوں تو نظامِ اسلام درہم برہم ہو کر ملت اسلامیہ میں ایسا عظیم فساد برپا ہو جائے گا جس کا دور کرنا ناممکن اور محال ہو جائے گا۔ دین مٹ جائے گا اور پرچم اسلام کی دھجیاں پارہ پارہ ہو کر فضائے آسمان میں بکھر جائیں گی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آپ یزید کی بیعت فرما لیتے تو آپ کی بیعت یزید کی ہر بدکاری کے جواز کے لیے سند بن جاتی اور تمام مسلمان یہ سمجھ لیتے کہ یزید کا ہر عمل اسلام کے مطابق ہے۔ کیونکہ ہر شخص یہی کہتا کہ اگر یزید اسلام کے خلاف عمل کرتا تو بانی اسلام کے نورِ نظر اور اور ملتِ اسلام کے عظیم رہبر امام عالی مقام ہرگز کبھی اس کی بیعت نہ فرماتے۔

برادرانِ اسلام! یہی وہ واحد سبب تھا کہ جگر گوشۂ رسول و فرزندِ بتول نے بڑے بڑے آلام و مصائب کو برداشت فرمایا۔ بلکہ اپنے پھولے پھلے گلشن کو اپنی نظروں کے سامنے ظلم و عدوان کی خزاں سے ویران و برباد ہوتے دیکھا۔ بلکہ اپنے خون کا آخری قطرہ اور اپنی زندگی کی آخری سانس خدا کی راہ میں قربان کر کے ملت اسلامیہ کی ڈوبتی اور ڈگمگاتی کشتی کو گمراہیوں کے طوفان سے نکال کر ساحلِ نجات پر پہنچا دیا اور قیامت تک کے لیے اسلام کا پرچم سربلند ہو گیا۔

حضرات گرامی! یزید نے تمام اہل مدینہ میں سب سے پہلے امام عالی مقام ہی سے بیعت کا مطالبہ اس لئے کیا کہ اس کو یہ معلوم تھا کہ اگر حضرت امام بیعت فرما لیں گے تو پھر روئے زمین میں کسی کو میری بیعت سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ مگر حضرت امام عالی مقام کی استقامت اور انکار بیعت سے اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا اور یزید مارے غیظ و غضب کے آگ بگولہ ہو گیا۔ اور یہاں تک اپنی خباثت پر اتر آیا کہ اس نے حاکم مدینہ ولید کو یہ فرمان بھیجا کہ اگر امام حسین

میری بیعت سے انکار کریں تو اُن کا سر کاٹ کر میرے یہاں روانہ کر دے۔ جب اس مضمون کے چند خطوط متواتر ولید کے پاس پہنچے تو ولید نے مجبور ہو کر امام عالی مقام کو یزید پلید کے اس ناپاک منصوبہ سے آگاہ کیا۔ آپ نے مخلصین صحابہ سے مشورہ کیا تو لوگوں نے آپ کو یہ صلاح دی کہ ایسے ماحول میں آپ کا مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلا جانا زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ آپ نے اور حضرت عبداللہ بن زُبیر نے مکہ مکرمہ کی روانگی کا عزم فرمالیا۔ سامان باندھے جانے لگے۔ اونٹوں پر کجاوے کس ڈالے گئے اور اہل بیتِ نبوت کا یہ مقدس قافلہ مدینۃ الرسول کی جدائی کے صدمہ سے روتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل پڑا اور امام عالی مقام اپنے نانا جان کے روضۂ اقدس پر آخری سلام کے لیے حاضر ہوئے۔

برادرانِ ملت! اس روح فرسا منظر کے تصور سے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں صدمات کا ایک ایسا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے کہ بدن کے رونگٹے رونگٹے میں اضطراب و بے قراری، اور آنکھوں میں گریہ وزاری اور اشکباری کا ایک طوفانی سیلاب امنڈ پڑتا ہے کہ اللہ اللہ! کیا آفتاب و ماہتاب کی آنکھیں کبھی وہ منحوس دن بھی دیکھیں گی؟ کہ رسول کی آغوشِ نبوت کا پالا حضرت علی اور حضرت بی بی فاطمہ کی آنکھوں کا اجالا۔ حسین سید اعلیٰ اس طرح مدینہ سے نکالا جائے گا؟ مسلمانو! آہ۔ آہ ایک وہ دن تھا کہ ان کے نانا جان نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا تھا تو اہل مدینہ کے بوڑھے اور جوان جھوم جھوم کر یہ استقبالیہ نظم گاتے تھے کہ ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاعِ

اور مدینہ کی ننھی ننھی بچیاں فرطِ مسرت میں اپنی باریک اور سریلی آواز سے یہ نغمہ گاتی تھیں کہ ؎

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

یعنی ہم بنی نجار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں ہیں۔ واہ رے ! ہمارے اچھے دن ! کہ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہو جائیں گے۔ ہر طرف فرح و سرور کا بول بالا اور مدینہ میں اجالا ہی اجالا تھا۔ اور آج وہ دن ہے کہ اہل مدینہ کا ہر چھوٹا بڑا اپنے پیارے رسول کی یادگار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مدینہ سے رخصت ہوتا دیکھ کر بے قرار اور رنج و غم سے اشکبار ہے اور مدینہ کے ہر گھر میں رنج و غم کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا ہے۔ افسوس ! ؎

مرا دردے است اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر آہے کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

یعنی اس تصور جانکاہ سے میرے دل میں ایسا درد ہے کہ اگر بیان کروں تو زبان جل جائے گی۔ اور اگر آہ کھینچتا ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ میری ہڈیوں کا مغز جل کر خاک ہو جائے گا !

روضۂ منورہ پر امام کا آخری سلام

بہرحال برادرانِ ملت! حضرت امام عالی مقام اپنے کاشانۂ اقدس سے نکل کر اپنے نانا جان کے آخری سلام کے لیے حاضر ہو رہے ہیں ؎

مزارِ مصطفیٰ پر شام ہوتے ہی امام آئے
اجازت کی غرض سے آخری کرنے سلام آئے

کہا رو کر سلام اے تاجدارِ عالمِ امکاں
سلام اے سرورِ عالم سلام اے سرورِ ذیشاں

ذرا دیکھو تو چہرے سے اٹھا کر گوشۂ داماں
حسین ابن علی پر تنگ ہے طیبہ کی اب گلیاں

یزیدی دور ہے اسلام ہے سرکار خطرے میں
نواسہ آپ کا اس وقت ہے دشمن کے نرغے میں

حضرات گرامی! ۴ر شعبان ۶۰ھ کو جمعہ کی رات میں مدینہ منورہ سے آپ مکہ مکرمہ کے لیے اپنے اہل وعیال اور خدام کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ جب آپ کی سواری چلی تو راہ میں جو لوگ ملتے حیرت سے سوال کرتے کہ یا ابن رسول اللہ! مدینہ چھوڑ کر کہاں کی تیاری ہے؟ آپ یہ سن کر فراقِ رسول میں زار و زار روتے اور اپنے دلِ بے قرار کا حالِ زار سنا کر دوسروں کو بھی رلاتے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو تمام باشندگانِ حرم، بوڑھے اور جوان خوشی میں یہ ترانہ پڑھتے ہوئے استقبال کے لیے دوڑ پڑے کہ ؎

جن سے روشن ہے مدینہ وہ قمر آتے ہیں
جن کا معدن ہے نجف میں وہ گہر آتے ہیں

حضرتِ سرورِ عالم کے پسر آتے ہیں
سیدہ فاطمہ کے لختِ جگر آتے ہیں

پھر آپ مکہ مکرمہ پہنچ کر بقیہ شعبان، اور رمضان وشوال و ذیقعدہ نہایت ہی امن وامان کے ساتھ رہے اور اہل مکہ آپ کے فیوض وبرکات سے مالا مال ہو کر

مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے۔ سعید بن عاص جو یزید کی جانب سے مکہ مکرمہ کا گورنر تھا اُس نے بھی آپ کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں کی۔ لیکن اس نے مکہ مکرمہ میں آپ کی تشریف آوری اور اہل مکہ کی آپ کے ساتھ بے پناہ عقیدت کی اطلاع یزید کے پاس روانہ کر دی جس سے یزید اور بھی زیادہ برہم ہو گیا۔

کوفیوں کی ڈیڑھ سو عرضیاں

برادران اسلام! یزید کی انتہائی کوششوں کے باوجود صرف اہل شام نے یزید کی بیعت کی اہل عراق خصوصاً کوفہ والے تو حضرت امیر معاویہ کے زمانے ہی میں حضرت امام حسین کی خدمت میں درخواستیں بھیج رہے تھے اور آپ کی تشریف آوری اور آپ کی بیعت کے لیے انتہائی مشتاق و تمنائی تھے۔ مگر امام عالی مقام ہمیشہ انکار فرماتے رہے۔ اب حضرت امیر معاویہ کی وفات اور یزید کی تخت نشینی کے بعد اہل عراق کا اشتیاق اور بھی زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ اہل عراق کی تمام جماعتوں کے سرداروں اور سربراہوں نے آپ کی خدمت میں خطوط اور عرضیاں لکھیں اور تقریباً ڈیڑھ سو خطوط اور التجا نامے اس مضمون کے آپ کی خدمت میں بھیجے گئے کہ اے ابن رسول اللہ! ہم شیعان علی ہیں اور آپ کے والد بزرگوار شیر خدا دلدل سوار کے انتہائی فرماں بردار و جاں نثار ہیں اور آپ کے ہوتے ہوئے ہم یزید پلید جیسے فاسق و بدکار کے مظالم میں گرفتار ہیں۔ ہم یزید کی گمراہیوں اور اس کی غیر شرعی حکومت سے بیزار اور آپ کی بیعت و اطاعت کے لیے بے قرار ہیں۔ آپ جلد سے جلد کوفہ تشریف لاکر ہمیں یزید کی ظالمانہ سلطنت کے ظلم و استبداد سے نجات دلائیں اور اپنے نانا جان کی امت کو ایک گمراہ اور ظالم و فاسق کی بیعت و اطاعت سے بچالیں۔

ہم چشم براہ ہو کر آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور عہد و اقرار کرتے ہیں کہ ہم اپنی جان و مال کے ساتھ آپ کے وفادار و جان نثار رہیں گے۔ آپ فرزند رسول اور جگر بندِ علی و بتول ہیں۔ امت کی ہدایت و دستگیری آپ کا منصب ہے۔ لہٰذا تشریف لا کر ہماری ہدایت و دستگیری فرمائیے!

اس طرح کی درخواستوں اور التجا ناموں کے تسلسل نے امام عالی مقام کے سامنے ایک بہت ہی اہم اور قابل توجہ مسئلہ پیدا کر دیا۔ جس سے اغماض و اعراض کرنا ممکن نہ تھا!

امام کیوں کوفہ گئے؟

اور وہ مسئلہ یہ تھا کہ اگر کوئی قوم کسی ظالم و فاسق کی بیعت پر راضی نہ ہو اور وہ کسی ایسے شخص سے بیعت کی درخواست کرے جو ہر اعتبار سے اہل اور بیعت و اطاعت کا حقدار ہو اور وہ شخص اس قوم کی استدعا اور درخواست کو ٹھکرا دے۔ تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ شخص اس قوم کو کسی ظالم و فاسق کے حوالہ کرنا چاہتا ہے۔ اب غور فرمائیے کہ امام جو ہر طرح امیر المومنین ہونے کے اہل اور مستحق تھے اگر اس وقت کوفیوں کی ان درخواستوں کو قبول نہ فرماتے تو قیامت کے دن دربارِ خداوندی میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا امام کے پاس کیا جواب ہوتا؟ کہ یا اللہ! ہم نے بہر چند امام سے بیعت کی درخواست کی لیکن امامِ برحق نے ہماری عرضیوں کو ٹھکرا دیا۔ اس لئے ہمیں یزید کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنی پڑی۔

حضرات! یہ ایک ایسا مسئلہ امام کے سامنے درپیش ہو گیا کہ اس مسئلہ کا بجز اس کے کوئی حل ہی نہیں تھا کہ امام عالی مقام کوفیوں کی درخواست منظور فرما کر کوفہ تشریف

لیجائیں۔ چنانچہ جب بڑے بڑے اصحاب کبار مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن عمر حضرت جابر، حضرت ابو سعید، حضرت ابو واقد لیثی وغیرہم رضی اللہ عنہم نے آپ کو کوفہ کے سفر سے منع فرمایا تو آپ نے اُن کے سامنے یہی مسئلہ پیش فرمایا کہ آخر اہل کوفہ کی استدعا کو رد کرنے کے لیے میرے پاس "عذر شرعی" کیا ہے؟ الغرض! برادران ملت! حضرت امام کے سامنے ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ آن پڑا تھا۔ ایک طرف جلیل القدر صحابہ کا اصرار تھا کہ آپ ہرگز کوفہ تشریف نہ لیجائیں اور دوسری طرف کوفیوں کی درخواست رد کرنے کے لیے آپ کے پاس کوئی عذر شرعی نہیں تھا اس لیے آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلے حضرت مسلم بن عقیل کو بھیجا جائے اگر کوفیوں نے بدعہدی و بے وفائی کی تو عذر شرعی مل جائے گا۔ اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کو تسلی و اطمینان دلایا جا سکے گا!

حضرت مسلم کی روانگی

چنانچہ امام عالی مقام نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کے نام یہ فرمانِ والاشان تحریر فرمایا کہ اے اہل کوفہ! میں تمہارے بے پناہ اصرار سے متاثر ہو کر حضرت مسلم بن عقیل کو اپنا نائب بنا کر روانہ کرتا ہوں۔ اگر تم لوگوں نے اپنے قول پر ثابت قدم رہ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور انہوں نے مجھ کو تمہاری وفاداری و جاں نثاری کی اطلاع دے دی، تو فوراً ہی میں بھی کوفہ کا عزم سفر کر لوں گا۔ چنانچہ حضرت مسلم اپنے دو بچوں محمد اور ابراہیم کو ہمراہ لیکر کوفہ روانہ ہو گئے اور کوفہ پہنچکر مختار بن عُبید کے مکان پر قیام فرمایا اور اس میں شبہ نہیں کہ کوفیوں نے آپ کا بہت ہی شاندار استقبال کیا اور بے پناہ جذبۂ عقیدت و جوش محبت کا اظہار کیا

یہاں تک کہ چالیس ہزار کوفیوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ اور ان لوگوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لشکر سیلاب کی طرح بڑھ کر یزید کی سلطنت کو غارت و برباد کر دے گا اور یزید کو جان بچانے کے لیے کوئی راہ نہیں ملے گی۔ چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل نے کوفہ اور اہل عراق کی عقیدت و بیعت سے مطمئن ہو کر امام عالی مقام کی خدمت میں یہ عریضہ لکھ کر بھیجدیا کہ چالیس ہزار کے لشکر جرار نے میرے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کی جاں نثاری و وفاداری کا عہد کر لیا ہے لہٰذا جلد از جلد آپ کوفہ تشریف لائیں تاکہ جلد سے جلد خدا کے بندوں کو ظالم یزید کے شر سے نجات دلائی جائے اور آپ کی خلافت حقہ کا پرچم سربلند کر کے خدا کی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیا جائے۔

کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر صحابی رضی اللہ عنہ باوجودیکہ یزید کے گورنر تھے مگر چونکہ اہل بیت کے محب تھے اس لیے انھوں نے معمولی طور پر اہل کوفہ کو حضرت مسلم کی بیعت سے منع کر کے ضابطہ کی کارروائی پوری کر دی اور اس معاملہ میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں فرمائی اور اس طرح خاموش ہو کر بیٹھ رہے کہ یزید کو بھی ان واقعات کی اطلاع نہیں دی مگر یزید کے خاص جاسوس مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید بن عقبہ نے یزید کو یہ اطلاع کر دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ تشریف لائے ہیں اور ہزاروں آدمی ان کے ہاتھ پر امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے ہیں لیکن کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر نے کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی ہے یزید یہ خط پڑھ کر غیظ و غضب میں جل بھن گیا۔ اور فوراً کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کی معزولی کا فرمان لکھا اور بصرہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر

بنا کر بھیجدیا۔ عبیداللہ بن زیاد انتہائی ظالم اور بلا کا فریبی و مکار تھا۔ اس نے اپنی فوج کو تو قادسیہ میں چھوڑا۔ اور خود حجازی لباس پہن کر چند آدمیوں کے ہمراہ خاموشی کے ساتھ رات کی تاریکی میں کوفہ پہنچا۔ اور اپنے دارالامارۃ (گورنمنٹ ہاؤس) میں داخل ہوگیا۔ اور رات بھر یزید کے گرگوں سے پوری رپورٹ سن کر۔ صبح کو ابن زیاد نے کوفہ کے تمام رؤسا اور عمائدین کو انتہائی فریب اور چالاکی سے قلعہ کے اندر بلا کر قلعہ کا پھاٹک بند کرلیا اور اُنھیں حکومت کا فرمان پڑھ کر سنایا اور خوب خوب ڈرایا دھمکایا۔ پھر اُس نے محمد بن اشعث کو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ حضرت مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ اُس وقت حضرت مسلم ہانی بن عُروہ کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ محمد بن اشعث نے ہانی بن عروہ کو فوراً گرفتار کر کے قلعہ میں بھیجدیا۔ اس وقت حضرت مسلم بن عقیل نے اپنے متوسلین کو پکارا۔ تو دم زدن میں چالیس ہزار کا لشکر آپ کے سامنے حاضر ہوگیا۔ اور ابن زیاد کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ اگر حضرت مسلم بن عقیل حملہ کا حکم فرمادیتے تو چند منٹوں میں قلعہ فتح ہوجاتا اور ابن زیاد گرفتار ہوکر پابزنجیر آپ کا قیدی بن جاتا اور یہی لشکر طوفان کی طرح بڑھ کر یزید کے تخت و تاج کو بھی اپنے قدموں کا فٹ بال بنا کر یزیدی سلطنت کا نام و نشان مٹادیتا۔ مگر برادران ملت! سچی بات اور واقعی حقیقت تو یہی ہے کہ ؎

لاکھ تدبیر کرے بندہ تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

حضرت مسلم بن عقیل نے قلعہ کا محاصرہ تو کرلیا مگر لشکر کو حملہ کا حکم نہیں دیا اور

ایک رحم دل اور عادل بادشاہ کی طرح آپ مصالحت کی گفتگو کا انتظار فرمانے لگے ابن زیاد جو انتہائی مکار و کیاد تھا اُس نے اس وقفہ سے پورا فائدہ اٹھالیا۔ چنانچہ اتنی دیر میں اُس نے کوفہ کے رؤسا اور عمائدین کو مجبور کر دیا کہ وہ قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر اپنے عزیزوں اور زیر اثر لوگوں کو حضرت مسلم بن عقیل کی نصرت و حمایت سے علٰحدہ کر دیں۔ یہ رؤسا اور عمائد پہلے ہی سے قلعہ کے اندر قید تھے۔ ابن زیاد نے ان لوگوں کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے مسلم بن عقیل کی جماعت کو نہ منتشر کیا تو میں تم لوگوں کو اسی قلعہ کے اندر انتہائی بیدردی کے ساتھ ذبح کر ڈالوں گا۔ اور پھر یزید شامیوں کا لشکر جرار بھیجکر تمھارے بچے بچے کو قتل اور تمھاری بستیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالے گا!

کوفیوں کی بے وفائی

حضرات! ابن زیاد کی یہ دھمکی سن کر عراق کے سرداروں اور سورماؤں کا حال پتلا ہو گیا۔ اور سب کے سب لرزہ براندام ہو کر ہانپتے کانپتے قلعہ کی فصیل پر آئے اور رو رو کر اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور رفاقتی برادروں سے کہنے لگے کہ للہ! ہم پر رحم کرو اور حضرت مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دو۔ دیکھ لو! ہم اس وقت ابن زیاد کی قید میں ہیں۔ اگر تم لوگوں نے اس قلعہ کو فتح بھی کر لیا تو تمھارے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ابن زیاد ہمارے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ پھر یزید خاموش نہیں بیٹھا رہے گا بلکہ اس کا لشکر تمھیں روند ڈالے گا۔ اور تمھارے ایک ایک بچے کو قتل کر کے تمھارا نام و نشان مٹا دے گا۔ لہٰذا اپنے انجام پر نظر ڈالو۔ ہمارے حال پر رحم کرو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ!

حضرات! افسوس! کہ ابھی ابھی جو لشکر جناب مسلم بن عقیل کے چشم و ابرو کے اشارے پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ وہ اپنے سرداروں کی اتنی ہی تقریر سُن کر منتشر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ جب حضرت مسلم بن عقیل نے مغرب کی نماز شروع کی تو صرف پانچسو آدمی رہ گئے تھے جو آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہوے لیکن جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ بھی فرار ہو چکے تھے اور آپ کے ننھے ننھے دو بچوں کے سوا ایک آدمی بھی آپ کے ساتھ نہ تھا کوفہ کی مسجد، غربت و مسافرت کا عالم، کوئی حال پوچھنے والا نہیں۔ حیران ہیں کہ کدھر جائیں؟ کہاں قیام کریں؟ چھوٹے چھوٹے بچوں کو کہاں کھلائیں؟ کہاں سلائیں؟ افسوس کہ کوفہ کے اتنے بڑے شہر میں بنی ہاشم کے اتنے بڑے معزز مہمان کے لیے کوئی اپنا دروازہ تک کھولنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس بیکسی و بے بسی کے عالم میں جبکہ نہ کوئی یار و مددگار ہے نہ مونس و غمخوار۔ بار بار آپ کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی یاد آتی تھی اور یہ سوچ سوچ کر صدمات سے آپ کے سینے میں دل پاش پاش ہو جاتا تھا کہ ہائے۔ افسوس! میں نے امام عالی مقام کو یہ خط لکھ دیا ہے کہ چالیس ہزار جاں نثاروں کا لشکر تیار ہے۔ آپ فوراً کوفہ تشریف لائیے یقیناً جگر گوشۂ رسول، فرزند بتول میرا خط پڑھ کر مع اہل و عیال کوفہ کے لیے روانہ ہو چکے ہوں گے اور یہاں کوفیوں کی بدعہدی کا یہ حال ہے کہ اناج کا ایک دانہ اور پانی کا ایک قطرہ دینا تو بڑی بات ہے کوئی بات کرنے والا نہیں اور میرے ہاتھ پر اپنی جان و مال فدا کرنے کا عہد اور بیعت کرنے والے ہی اب ابن زیاد کے ساتھ ساز باز کر کے میرے قتل کا

منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ہائے گلشنِ زہرا کا سب سے حسین پھول حسین فرزندِ رسول بے خبری میں کوفہ پہنچ کر ان غداروں کے نرغے میں کیسے کیسے مظالم کی بادِ صرصر کا نشانہ بنے گا۔ یہ سوچ سوچ کر دل زخمی اور جگر گھائل ہو رہا تھا۔ اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں آپ کو پیاس لگی۔ سامنے ایک مکان نظر آیا جہاں "طوعہ" نامی ایک عورت کھڑی تھی۔ آپ نے اُس سے پانی مانگا۔ اُس نیک بندی نے آپ کو پہچانا اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے گھر میں بٹھا کر پانی پلایا۔ اتنے میں عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ کے کوتوال "عمر بن حریث" اور "محمد بن اشعث" کو آپ کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ ان گستاخوں کی بے ادبی پر آپ کو ہاشمی جلال آ گیا اور اپنی تلوار لے کر ان ظالموں کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور آپ کے شیرانہ حملوں سے بہت سے سپاہی زخمی ہوئے اور بعض مارے بھی گئے یہ دیکھ کر کہ ہاشمی جوان کی شمشیر بے نیام قہر الٰہی کا پیغام بن کر سیکڑوں کوفیوں کو لقمۂ اجل بنا ڈالے گی اور فوج کا یہ چھوٹا سا دستہ ہرگز ہرگز کبھی حضرت مسلم کو گرفتار نہ کر سکے گا تو فریب کا پتلا محمد بن اشعث یہ چال چل گیا کہ امن و صلح کا اعلان کر دیا اور دست بستہ عرض کرنے لگا کہ جنگ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ہم آپ سے جنگ کے لیے نہیں آئے ہیں ہم تو صرف اس لیے حاضرِ خدمت ہوئے ہیں کہ آپ گورنمنٹ ہاؤس میں تشریف لے چلیں اور عبید اللہ بن زیاد سے گفتگو کر کے معاملہ طے فرما لیں۔ حضرت مسلم نے جواب دیا کہ میں بھی جنگ نہیں چاہتا۔ اس وقت تو میں کیا جنگ کروں گا؟ جب چالیس ہزار کا لشکر میرے ساتھ تھا۔ اُس وقت بھی میں نے لڑنے کا ارادہ نہیں کیا اور گفتگوئے مصالحت کا انتظار کرتا رہا۔ میں خود خونریزی کو پسند نہیں کرتا اور

میں نخوشی ابن زیاد سے گفتگو کر کے اتمام حجت کے لیے تیار ہوں۔

حضرت مسلم کی شہادت

چنانچہ یہ دونوں مکار حضرت مسلم بن عقیل اور ان کے دونوں فرزندوں کو انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ لیکر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابن زیاد بد نہاد نے پہلے ہی سے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ ننگی تلواریں کھینچ کھڑے رہو اور جو نہی حضرت مسلم قلعہ کے دروازے میں داخل ہوں فوراً انھیں دھوکے سے قتل کر ڈالو۔ چنانچہ بہت سے شقی دروازے کے دونوں جانب ننگی شمشیریں لیے کھڑے تھے اور جیسے ہی حضرت مسلم بن عقیل قلعہ کے پھاٹک میں داخل ہوئے سفاکوں نے اچانک آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ آپ اس وقت رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ؕ کی آیت تلاوت فرمارہے تھے۔ اور قبل اس کے کہ آپ اپنی تلوار کو نیام سے نکال کر حملہ فرمائیں کسی بد نصیب نے ایسی تلوار ماری کہ آپ شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ پھر آپ کے دونوں صاحب زادوں کو بھی ظالموں نے اپنی تیغ ستم سے شہید کر دیا اور آپ کے مہربان میزبان ہانی بن عروہ کو بھی قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا اور ان سب شہداء کرام کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھرا کر خوب خوب اپنی بے حیائی و شقاوت اور سنگدلی و مہمان کشی کا مظاہرہ کیا۔

برادران ملت! کوفہ والوں کی اس بد عہدی، دغا بازی اور بے وفائی پر قیامت تک آنے والی نسل انسانی نفرت و ملامت کرتی رہے گی کہ ایسے معزز و محترم مہمان کو جسے بڑی بڑی تمناؤں اور التجاؤں کے ساتھ ڈیڑھ سو عرضیاں

بھیج کر بلایا۔ اور پھر اُس کے ہاتھ پر بیعت کرکے اس کی نصرت وحمایت کا عہدِ محکم کیا اور پھر اسی طرح اُسے بیکسی و بے بسی کے عالم میں خونخوار دشمنوں کے حوالہ کردیا۔ کہ وہ اور اُس کے ننھے ننھے بچے ان کوفیوں کے سامنے تہ تیغ کردیئے گئے اور بے حیا و بے غیرت قوم ان مظلوموں کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوچہ و بازار میں پھرائے کا تماشہ دیکھتی رہی!

حضرات گرامی! حضرت مسلم بن عقیل اور اُن کے فرزندوں کی شہادت ۳ ذوالحجہ ۶۰ھ کو ہوئی اور یہی وہ تاریخ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مسلم کا خط پڑھ کر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے کوفہ کو روانہ ہوتے ہیں۔ اور امامِ عالی مقام کو کچھ بھی پتہ نہیں ہے کہ وہاں حضرت مسلم پر خط تحریر کرنے کے بعد کیا گزری؟

حضرتِ امام کوفہ روانہ ہوئے

حضرات گرامی! میں عرض کرچکا کہ حضرت مسلم کا خط ملاحظہ فرمالینے کے بعد کوفیوں کی دعوت قبول فرمالینے میں تشویش وتردد کی کوئی بات ہی نہ تھی اور چالیس ہزار انسانوں کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوجانے اور بیعت کرلینے کے بعد کسی قسم کے خوف وہراس کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اور کوفہ کے "شیعانِ علی" کے غدر اور بے وفائی کا بظاہر کوئی شبہہ تک نہ تھا اس لیے حضرتِ امام نے سفر کوفہ کا عزم فرمالیا اور ۳ ذوالحجہ ۶۰ھ کو اپنے اہل وعیال اور عزیزوں اور رفیقوں، اور غلاموں کو ساتھ لیکر کل بیاسی آدمیوں کے قافلہ سالار بن کر آپ مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ اس مقدس قافلہ میں بہتر یا بہتر سوار اور باقی پیادہ پا تھے۔

حضرات! اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت مسلم کے خط سے پورا پورا اطمینان ہوچکا تھا مگر پھر بھی اکابر صحابہ آپ کو اصرار کے ساتھ اس سفر سے روک رہے تھے۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، حضرت ابو سعید خدری حضرت ابو واقد لیثی تو آپ کو اس سفر سے روکنے کے لیے انتہائی اصرار بلیغ کررہے تھے اور یہ سب کے سب آخر تک یہی کوشش کرتے رہے کہ آپ کوفہ نہ تشریف لے جائیں۔ لیکن حضرت امام عالی مقام ان مخلص صحابہ کی استدعا قبول فرمانے سے مجبور تھے۔ کیوں کہ آپ کو یہ خیال تھا کہ چالیس ہزار عقیدت مندوں کی مخلصانہ التجاؤں کو جو دین کی حمایت و پاسداری کے جذبات سے بھری ہوئی ہیں ٹھکرا دینا اہل بیت نبوت کے بلند اخلاق کے شایانِ شان نہیں ہے۔ پھر حضرت مسلم بن عقیل کے دعوت نامہ کو رد کرنا اور اُن کی پرخلوص استدعا کو بے التفاتی کی نظر سے دیکھنا کبھی ہرگز ہرگز امام عالی مقام کو گوارا نہیں ہوسکتا تھا اس لیے حضرت امام نے حضرات صحابۂ کرام کی استدعا کو قبول فرمانے سے معذرت فرمادی اور صحابۂ کرام نے روتے ہوئے آپ کو رخصت فرمایا۔ برادرانِ ملت! حقیقت یہ ہے کہ صحابۂ کرام کو کوفیوں کی بدعہدی کا تجربہ تھا۔ اس لیے وہ اُن کی طرف سے ہرگز مطمئن نہ تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک فرمایا کہ اے امام! اگر آپ کسی کی بات نہیں مانتے اور کوفہ کے سفر پر آپ کو اصرار ہی ہے تو کم سے کم میری اتنی ہی عرضداشت قبول فرمالیجئے کہ عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لیجائیے۔ مگر آپ اس پر بھی راضی نہیں ہوئے۔ برادرانِ ملت! اصل بات تو یہ ہے کہ تقدیر کا لکھا ہو مٹنے والا نہیں۔ بہت ہی سچ کہا ہے کسی شاعر نے کہ ؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو ‎ ‎ سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

امام عالی مقام کی تقدیر میں تو غربت و مسافرت اور انتہائی بیکسی کے عالم میں میدان کربلا کے اندر شہادت لکھی ہوئی تھی۔ اس لیے بھلا آپ کوفہ کیوں نہ تشریف لیجاتے؟ آپ کو تو شہادت کی کشش کھینچے لیے جارہی تھی اور حضرتِ امام کا اس وقت وہی حال تھا جو کسی نے کہا ہے کہ ؎

عشق کھینچے لیے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں
دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں

برادرانِ اسلام! بہر حال حضرت امام اپنے بیاسی انسانوں کے مختصر قافلہ کے ساتھ کوفہ روانہ ہو گئے۔ اس مقدس قافلہ میں اہلِ بیت نبوت کے کون کون شہزادے تھے؟ میں چاہتا ہوں کہ ان کی فہرست بھی آپ کو سنادوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ خاندانِ نبوت کے کیسے کیسے روشن ستارے کربلا کی زمین میں غروب ہوئے اور کیسے کیسے انمول لعل و گہر اس دشتِ کربلا میں مدفون ہوئے!

کربلا جانے والے اہلبیت

میرے بزرگو اور بھائیو! اس سفر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تین فرزند ہمراہ تھے حضرت علی اوسط جن کا لقب زین العابدین ہے یہ حضرت شہر بانو کے بطن سے تھے ان کی عمر اس وقت بائیس سال کی تھی اور بیمار تھے۔ امام عالی مقام کے دوسرے صاحبزادے علی اکبر جو لیلیٰ بنت ابی مُرّہ کے شکم سے تھے ان کی عمر اٹھارہ برس کی تھی یہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام عالی مقام کے تیسرے فرزند علی اصغر جن کی والدہ بنی قُضاعہ میں سے تھیں یہ شیر خوار بچے تھے۔ حضرت امام کی ایک صاحبزادی حضرت سکینہ بھی ساتھ تھیں جن کی عمر سات برس کی تھی اور ان کی والدہ کا نام رَباب بنت امرأالقیس تھا۔ حضرت امام کی دو بیویاں ساتھ تھیں ایک حضرت شہر بانو دوسری حضرت علی اصغر کی والدہ۔ ان کے

علاوہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے چار نوجوان فرزند حضرت قاسم بن حسن حضرت عبداللہ بن حسن، حضرت عمر بن حسن، حضرت ابوبکر بن حسن بھی امام عالی مقام کے ہمراہ تھے۔ اور یہ سب کربلا میں شہید ہوئے اور حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پانچ فرزند حضرت عباس بن علی، حضرت عثمان بن علی، حضرت عبداللہ بن علی، حضرت محمد بن علی، حضرت جعفر بن علی بھی ہمراہ تھے اور سب جام شہادت سے سیراب ہوئے اور حضرت عقیل بن ابی طالب کی اولاد میں حضرت مسلم بن عقیل تو اپنے دو فرزندوں محمد اور ابراہیم کے ساتھ کوفہ ہی میں شہید ہو چکے تھے۔ لیکن تین فرزند حضرت عبداللہ بن عقیل، حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل، حضرت جعفر بن عقیل، برادران مسلم بن عقیل کربلا میں حاضر ہو کر شہید ہوئے۔ اسی طرح حضرتِ امام کے دو بھانجے حضرت محمد بن عبداللہ اور حضرت عون بن عبداللہ جو امام عالی مقام کی حقیقی بہن حضرت زینب بنت علی کے صاحبزادگان ہیں کربلا میں یہ دونوں بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ عورتوں میں سے حضرت امام کی بہن حضرت زینب اور دوسرے شہدائے اہل بیت کی بیویاں بھی ہمراہ تھیں۔ اہل بیت میں سے سترہ حضرات امام عالی مقام کے ساتھ رتبۂ شہادت سے مشرف ہوئے اور حضرت امام زین العابدین (بیمار) اور دوسرے کمسن شاہزادگان مثلاً عمر بن حسن اور محمد بن عمر بن علی قیدی بنائے گئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (سوانح کربلا)

برادران اسلام! حضرت امام عالی مقام بہت تیزی کے ساتھ سفر فرما رہے تھے جب آپ ایک مشہور منزل "ذات عرق" پر پہنچے تو "بشیر بن غالب اسدی" سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ حضرت امام نے اُن سے کوفہ کا حال دریافت فرمایا۔

تو اُنھوں نے یہ جواب دیا کہ "اہل کوفہ کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں مگر اُن کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں" اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور آگے بڑھے تو مشہور شاعر "فرزدق" سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے بھی یہی جواب دیا۔ بہرحال حضرت امام نے اپنا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ "بطنُ الرمۃ" کے مقام پر "عبید اللہ بن مطیع" سے ملاقات ہوئی یہ اہل بیت کے بہت ہی جان نثار اور شیدائی تھے۔ اُنھوں نے حضرت امام کو انتہائی اصرار کے ساتھ اس سفر سے منع کیا اور عرض کیا کہ آپ اہل کوفہ پر ہرگز ہرگز اعتماد نہ فرمائیں۔ کوفہ میں ابتک یزید کا گورنر موجود ہے اور وہاں آپ کا تشریف لیجانا خطرہ سے خالی نہیں ہے مگر امام عالی مقام نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو مکہ مکرمہ میں حضرات صحابۂ کرام کو دیا تھا اور یہ فرما کر آپ آگے بڑھ گئے کہ لَنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا یعنی ہمیں وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرما دی ہے۔

حضرت مسلم کی شہادت کی خبر

الغرض حضرت امام منزل بہ منزل سفر فرماتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ اور ابتک کوفہ میں امام مسلم کی شہادت، اور وہاں کے انقلابی حالات سے بالکل ہی بے خبر تھے کہ ایکدم ناگہاں منزلِ "ثعلبیہ" پر "بکر اسدی" سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آرہے تھے۔ انھوں نے قدمبوس ہوکر کوفہ کے تازہ ترین حالات سے حضرت امام کو آگاہ کیا اور حضرت مسلم اور اُن کے فرزندوں کی شہادت کے عبرت خیز اور دردناک حالات کو مفصل طور پر بیان کیا۔ حضرت امام کوفیوں کی غداری اور عہد شکنی کی داستان سن کر حیران رہ گئے۔ اور شدتِ غم سے دل مسوس کر بے چین و بے قرار ہو گئے۔ اتنے میں حضرتِ مسلم شہید کی

ایک چھوٹی بچی جو اس سفر میں ساتھ تھیں حضرتِ امام کے سامنے آ گئیں۔ حضرتِ امام نے انہیں انتہائی محبت و شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اور اُن کے سر پر دستِ شفقت پھیرنے لگے اور بے اختیار آنسوؤں کی دھار آپ کے مقدس رخسار پر جاری ہو گئیں۔ وہ شاہزادی ان قرائن سے تاڑ گئیں اور عرض کرنے لگیں کہ چچا جان! آج تو آپ میرے سر پر اس طرح ہاتھ پھرا رہے ہیں جس طرح یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے۔ میں آپ کو پروردگار کی قسم دلاتی ہوں سچ سچ بتائیے؟ کیا میرے بابا جان شہید تو نہیں ہو گئے؟ بچی کے اس سوال پر حضرتِ امام کا دامنِ صبر تار تار ہو گیا اور آپ بے اختیار شدتِ غم سے بے قرار ہو کر زار زار رونے لگے اور تمام اہلِ بیتِ نبوت آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ نے حضرت مسلم اور ان کے فرزندوں کی شہادت اور کوفیوں کی بد عہدی کا سارا حال سنایا۔ یہ سُن کر بعض لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! للہ آپ اپنے اور اپنے اہل بیت پر رحم فرمائیں اور یہیں سے واپس تشریف لے چلیں۔ چنانچہ حضرت امام نے واپسی کا ارادہ فرما لیا مگر حضرت مسلم کے بھائیوں نے رو رو کر عرض کیا کہ اے امام! اب بھائی کی ایسی دردناک اور مظلومانہ شہادت کے بعد ہم لوگ زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ واللہ! ہم تو ضرور کوفہ جائیں گے اور اپنے بھائی اور بھتیجوں کے خونِ ناحق کا بدلہ لیں گے یا خود بھی شہید ہو کر خلدِ بریں میں اپنے بچھڑے ہوئے بھائی سے جا ملیں گے۔ یہ سُن کر امام عالی مقام نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ اگر تم لوگوں کی یہی خوشی ہے تو چلو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ جو تمہارا حال ہو گا وہ میرا حال بھی ہو گا۔ کیونکہ تمہارے بعد میری زندگی بے لطف اور میرا جینا وبال ہو گا۔ چنانچہ قافلہ آگے چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب کوفہ دو منزل باقی رہ گیا تو ناگہاں یہ نظر آیا کہ کوفہ کا ایک

حُر اور ایک ہزار سوار

مشہور بہادر اور جنگ جو شہسوار حُر بن یزید ریاحی ایک ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ آپ کا راستہ روک کر کھڑا ہوا ہے، حُر نے حضرتِ امام کو سلام کیا اور یہ عرض کیا کہ اے فرزند رسول! مجھے کوفہ کے یزیدی گورنر عبید اللہ بن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لئے بھیجا ہے اور اور ساتھ ہی ساتھ اُس نے یہ معذرت بھی پیش کی کہ خدا گواہ ہے کہ میں بادلِ ناخواستہ آیا ہوں اور مجھے آپ کی مقدس جناب میں بال برابر جراءت و گستاخی بھی انتہائی ناگوار ہے لیکن میں اس ظالم کے حکم سے مجبور و لاچار ہوں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ اے حُر! میں اس شہر میں خود بخود نہیں آیا ہوں۔ بلکہ اہل کوفہ نے مجھے ڈیڑھ سو خطوط لکھکر بلایا ہے اور یہ خطوط اکثر ان ہی لوگوں کے دستخط اور مہر سے لکھے گئے ہیں جو اسی وقت تمہارے اس لشکر میں میری گرفتاری کے لیے آئے ہیں۔ حر نے قسم کھا کر کہا کہ واللہ! مجھ کو اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے کہ آپ کے پاس کب خطوط بھیجے گئے؟ اور کن کن لوگوں نے خطوط بھیجے؟ اور میں نہ آپ کو چھوڑ سکتا ہوں! اور نہ واپس لوٹ سکتا ہوں۔

یہ سن کر حضرت امام نے خطوط کا تھیلا الٹ دیا اور فرمایا کہ دیکھ لو! یہ خطوط کا انبار ہے ان کو پڑھ لو۔ ان کی مہریں دیکھ لو۔ پھر آپ نے نام لے لے کر پکارا کہ اے شبث بن ربعی اے قیس بن اشعث! اے زید بن حارث! سچ سچ بولو! کیا تم لوگوں نے عرضیاں لکھ لکھ کر اور قسمیں دے دے کر مجھے نہیں بلایا ہے؟ امام کی پکار سن کر یہ سب بے حیا اور نابکار شرم سے گردنیں جھکائے کھڑے رہے اور کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کے بعد حضرت امام نے اتمام حجت کے لیے یہ بھی فرمایا کہ بہرحال اے کوفیو! اگر تم لوگ اپنے عہد پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر میں قدم رکھوں۔ ورنہ میں اس کے لیے بھی تیار

ہوں کہ میں یہیں سے اپنے وطن کو واپس چلا جاؤں!

حضرات! ابھی حُر سے حضرت امام کی گفتگو جاری ہی تھی کہ ایک دم نہایت ہی تیزی کے ساتھ ایک سانڈنی سوار آیا اور عبید اللہ بن زیاد کا یہ خط حُر کو دیا کہ جس مقام پر تمھیں میرا یہ خط ملے۔ تم حضرت امام کو اُسی مقام پر روک لو۔ نہ اُنھیں کوفہ شہر میں داخل ہونے دو نہ وطن واپس لوٹنے دو۔ خط پڑھ کر حر نے عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! دیکھ لیجئے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے عبید اللہ بن زیاد کا کس قدر اصرار ہے؟ اس لیے اب میں بالکل ہی مجبور و لاچار ہوں کہ میں آپ کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتا۔ حر نے یہ کہا لیکن شدتِ غم سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آواز بھرّانے لگی!

برادرانِ ملت! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حُر کے دل میں اہلِ بیت کی بے پناہ عظمت تھی چنانچہ وہ نمازوں میں برابر حضرت امام ہی کی اقتدا کرتا رہا۔ لیکن وہ ابن زیاد بدنہاد کے ظلم و استبداد سے لاچار اور مجبور تھا اور اس کو یہ بھی ڈر تھا کہ اگر بال برابر بھی وہ حضرت امام کے ساتھ کوئی رعایت کرتا۔ تو ایک ہزار لشکر کی موجودگی میں یہ راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا اور اگر ابن زیاد کو پتہ چل جاتا تو وہ حُر اور اُس کے پورے خاندان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا اسی خوف سے حُر اپنی بات پر اڑا رہا۔ یہاں تک جگر گوشۂ رسول فرزند بتول کو کوفہ کی راہ سے ہٹ کر کربلا کی اُس بے آب و گیاہ سرزمین میں اترنا پڑا۔ جہاں سر چھپانے کو درخت کا ایک پتّہ اور پیاس بجھانے کو پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں تھا!

حضرت امام کربلا میں

حضرات! ۲ محرم ۶۱ھ کی تاریخ اسلامی تاریخ میں وہ

ناقابل فراموش تاریخ ہے کہ اسی تاریخ میں ابن رسول اللہ نے اپنے اہل بیت کے ایک مختصر سے قافلہ کے ساتھ کربلا میں نزول فرمایا۔ حضرت امام نے اس مقام کا نام دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس میدان کا نام کربلا ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی حضرت امام کا ماتھا ٹھنکا۔ کیونکہ بچپن ہی سے آپ کی شہادت کی شہرت تھی اور حضرت امام کو خوب معلوم تھا کہ کربلا کا میدان ہی وہ خوفناک بیابان ہے جہاں اہل بیت نبوت کا مقدس خون نہایت بیدردی کے ساتھ بہایا جائے گا اور اس بیابان کا ریگزار شہدائے اہل بیت کے خون سے رنگین ولالہ زار بنایا جائے گا۔

برادرانِ ملت! ابھی حضرتِ امام کربلا کے میدان میں اطمینان سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے۔ اور آپ کا سارا سامان یونہی بے ترتیب اِدھر اُدھر پڑا ہوا تھا کہ ایک دم کوفہ سے عبیداللہ بن زیاد کا قاصد یہ خط لیکر پہنچتا ہے کہ "آپ یزید کی بیعت کیجئے یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیے" حضرت امام نے یہ خط پڑھ کر حقارت کے ساتھ زمین پر ڈال دیا اور فرمایا کہ "میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں ہے"

برادران اسلام! کیا ستم ہے؟ کہ ڈیڑھ سو خطوط بھیجکر آپ کو بلایا تو اس لیے گیا ہے کہ اہل کوفہ و عراق آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کریں گے لیکن جب وہ معزز مہمان سفر کی مشقتیں برداشت کرکے تشریف لاتے ہیں تو اُن کا حق مہمانی اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ زہر میں بجھائے ہوئے نیزے، اور چمکتی ہوئی برہنہ تلواریں دکھا کر انھیں یزید پلید جیسے عیب مجسم کی بیعت پر مجبور کیا جارہا ہے جس کی بیعت کسی طرح امام کے لیے جائز ہی نہیں تھی۔ اللہ اکبر! ان کوفیانِ پُر دغا، اور دشمنان بے حیا کو ذرا بھی غیرت

نہیں آئی کہ جس مہمانِ مکرم کو ہزاروں تمناؤں اور التجاؤں کے ساتھ بلایا ہے اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ مسلمانو! غالبًا دنیا میں ایسے عظیم الشان مہمان کے ساتھ اتنے بڑے ظلم و عدوان کا بدترین سلوک نہ کبھی ہوا ہے نہ آئندہ کبھی ہوگا جو فاطمہ کے لعل اور علی کے نونہال کے ساتھ کوفیانِ بدخصال نے روا رکھا۔ حضرتِ امام کو ان غداروں کی بدعہدی پر انتہائی حیرت تھی۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ "میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں ہے۔"

حضرات! ابن زیاد حضرت امام کا جواب سن کر اور زیادہ آتشِ غیظ و غضب میں جل کر کباب ہوگیا اور انتہائی طیش میں آکر لشکروں کو تیاری کا حکم دے دیا اور عمر بن سعد کو اس لشکرِ جرار کا سپہ سالار بنا کر زمینِ کربلا کی طرف مارچ کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔

ابن سعد حضرات! ابنِ سعد ایک جنتی صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیٹا تھا اور وہ اہل بیت کی عظمت و جلالت سے خوب واقف تھا اس لیے وہ اس فوج کی سپہ سالاری سے پہلوتہی کرنے لگا۔ بلکہ صاف انکار کر دیا۔ کہ میں فرزند رسول کے خون ناحق سے اپنے دامن کو داغدار نہیں کر سکتا۔ مگر ابن زیاد نے اس کو مجبور کر دیا کہ یا تو وہ ایران کی گورنری سے دست بردار ہو جائے یا حضرت امام سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائے!

حضرات گرامی! حرصِ دنیا، اور حکومت کی طمع وہ بری بلا ہے کہ جب یہ عفریت بن کر کسی کے سر پر سوار ہوتی ہے تو وہ کتنا ہی بڑا استقامت کا پہاڑ کیوں نہ ہو۔ مگر اس کے قدم کو متزلزل ہی کر دیتی ہے۔ چنانچہ ابن سعد ایران کی گورنری کے لالچ میں باوجود

ناگوار سمجھنے کے حیدر کرار کے گوہر آبدار، جوانانِ جنت کے سردار، حسینِ نامدار کا گلا کاٹنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اور پانچ ہزار پیادہ و سوار کی فوج جفا کار کا سپہ سالار بن کر کربلا کے میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہو گیا اور ساتویں محرم منگل کے دن کربلا میں پہنچکر دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ کیا اور اپنا فوجی مرکز قائم کیا۔ اور پانچ سو مسلح سواروں کا دریائے فرات کے کنارے پہرہ بٹھا دیا کہ خبردار خبردار! پانی کا ایک قطرہ بھی ساقی کوثر کے فرزند اور اہل بیت کے خیمۂ اطہر کے اندر پہنچنے نہ پائے۔

اور ابن زیاد بدنہاد برابر کوفہ سے فوجیں روانہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ابن زیاد کے پاس بائیس ہزار پیادہ و سوار جمع ہو گئے (سوانحِ کربلا)

برادرانِ اسلام! کتنی حیرت کا مقام ہے؟ کہ حضرت امام کے ساتھ کل بیاسی انسانوں کا قافلہ ہے۔ ان میں عورتیں بھی ہیں اور بچے بھی۔ بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی۔ ان ہی بیاسی مسافروں میں عابد بیمار بھی ہیں اور اصغر شیر خوار بھی۔ یہ لوگ جنگ کے ارادے سے بھی نہیں آئے ہیں اور ان لوگوں کے پاس سامانِ جنگ اور کافی ہتھیار بھی نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے مقابلہ کے لیے بائیس ہزار کا لشکر تیار کر کے بھیجا جاتا ہے۔ مگر اس پر بھی کوفہ کے بڑے بڑے دلاوروں، اور جنگ آزما بہادروں کے دل لرز رہے ہیں اور وہ خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو رہے ہیں۔

برادرانِ ملت! کیوں نہ ہو؟ ان روباہ صفت کوفیوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ہم آج کس سے جنگ کرنے کے لیے آئے ہیں؟ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آج فاتحِ خیبر، علی حیدر، اسد اللہ الغالب، علی بن ابی طالب کی کچھار کے شیرانِ حق سے مقابلہ ہے۔ اور انھیں اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ ؎

علی کا گھر بھی وہ گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ
جہاں پیدا ہوا شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

اہلبیت پر پانی بند

حضرات! ان دنیا کے کتوں کو اچھی طرح تجربہ تھا کہ ہم ان خدا کے شیروں کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان ظالموں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ پہلے ان شیر خدا کے شیروں پر پانی بند کر کے انھیں پیاس کی شدت سے نڈھال کر دیا جائے اور جب یہ بالکل ہی مضمحل اور جاں بلب ہو جائیں تو ان سے جنگ شروع کی جائے اسی لیے ابن سعد نے حکم دے دیا کہ دریائے فرات کا ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا پانی یہود و نصاریٰ نوش کر سکتے ہیں کفار و مشرکین اس سے سیراب ہو سکتے ہیں۔ کتے اور خنزیر بھی پی سکتے ہیں مگر ساقیِ کوثر کے نونہال اور فاطمہ کے لال کو اس کا ایک قطرہ بھی نہ دیا جائے۔

اللہ اکبر! ؎

تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت سے تڑپے بے زبانِ اہلبیت

برادرانِ ملت! کیا تاریخ اسلام کا یہ قیامت نما سانحہ کبھی بھی نسلِ انسانی فراموش کر سکتی ہے؟ کہ دریا کے کنارے ساقیِ کوثر کے پیارے فاطمہ زہرا کی آنکھوں کے تارے پانی کے ایک ایک قطرے کے لیے ترستے اور تڑپتے تھے۔ اللہ اللہ! کتنا ہوشربا اور روح فرسا وہ منظر ہو گا؟ کہ گلشن فاطمہ کا سب سے ننھا پودا۔ دودھ پیتا بچہ "علی اصغر" ماں کی گود میں بھوک پیاس سے تڑپ رہا ہے تین دن کی بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے۔ بھوکا پیاسا بچہ بار بار ماں کے سینے

یں منہ لگاتا ہے۔ مگر جب اُسے دودھ کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں ہوتا۔ تو وہ کبھی بلک بلک کر زار زار روتا ہے۔ اور کبھی بسور بسور کر منہ بگاڑتا ہے، کبھی حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنی ماں کا اداس چہرہ دیکھتا ہے۔ کبھی ماں کی گود میں مچل مچل کر اپنی سوکھی زبان اپنے خشک ہونٹوں پر پھیرتا ہے۔ بے زبان بچہ بول نہیں سکتا مگر حیران ہے کہ میری ماں کے سینے میں جو رحمت کے دو چشمے تھے وہ آج کیوں خشک ہو گئے؟ میں پہلے اسی سینے سے منہ لگاتا تھا تو میرا منہ دودھ سے بھر جاتا تھا۔ مگر آج کیا ہو گیا کہ ان دودھ کے چشموں سے مجھے ایک قطرہ بھی دودھ نہیں مل رہا ہے؟ اللہ اللہ! ریگستانی میدان، چلچلاتی ہوئی دھوپ، گرم گرم ریت، جھلستی ہوئی لُو کے تھپیڑے، علی اصغر شیر خوار کے تپتے تپتے نرم و نازک گلابی ہونٹ جن کی نزاکت پر گلاب کی ننھی ننھی پنکھڑیاں قربان ہوتی تھیں۔ آج اس قیامت نما گرمی کی شدت اور پیاس کی طپش سے خشک ہو کر کالے پڑ گئے ہیں۔ اور یہ نور کی تصویر پیاس کی شدت سے جاں بلب ہے۔ مامتا کی ماری دکھیاری ماں جو خود بھی بھوک پیاس سے مضمحل تھی اپنے اس نورِ نظر کی بے قراری اور گریہ وزاری کو دیکھ کر اور بھی زیادہ بے تاب ہو جاتی تھی، سادو بار بادشاہ کے سینے میں صدمات سے شیشۂ دل پاش پاش ہو جاتا تھا مگر صبر و شکر کے سوا ان استقامت کے مجسمہ کی زبان پر کوئی دوسرا لفظ نہیں آتا تھا۔ اللہ اللہ! ؎

وہ جلتی ریت کی گرمی وہ دھوپ اور پیاس کی شدت
کریں یاں صبر و تحمل، مگر کو ترا ایسے ہوتے ہیں۔

حضرت امام کی استقامت

الغرض دوسری محرم سے دسویں محرم تک اسی طرح اہل بیت کا یہ مظلوم قافلہ کربلا میں

مقیم رہا۔ اور روزانہ ابن زیاد کا قاصد یہی پیغام لاتا رہا کہ اے امام! اگر آپ اپنا پاک ہاتھ یزید کے ناپاک ہاتھ پر رکھ کر اُس کی بیعت فرمالیں تو یہ بائیس ہزار کا لشکر جو آپ کے خون کا پیاسا کھڑا ہے آپ کے قدم دھو دھو کر پیے گا اور یزید آپ کی مقدس جوتیوں کو اپنا تاج بنا کر اپنے خزانوں کی کنجیاں آپ کے قدموں پر ڈال دے گا۔ آپ کو عزت و دولت ملے گی۔ کسی صوبے کی گورنری اور حکومت بھی ملے گی۔ اور اے امام! اگر آپ نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ تو آپ اور آپ کے اہل بیت کے مقدس خون سے کربلا کی زمین رنگین بنا دی جائے گی۔ آپ کے ننھے ننھے بچے قتل کر دیئے جائیں گے اور آپ کی گود کے پالے نونہالوں کو آپ کی نظروں کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا۔ اور پھر ان شہیدوں کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر ان کی ہڈیوں کو چکنا چور کر دیا جائے گا۔ اور ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوفہ اور دمشق کے بازاروں میں پھرایا جائے گا اور ان کی لاشیں کربلا کی زمین میں بے گور و کفن پڑی رہیں گی۔ کوفہ کے غنڈے آپ کے خیمہ کو لوٹ کر جلا دیں گے اور اہل بیت کی شہزادیوں اور حضرت فاطمہ زہرا کی ان عفت مآب بیٹیوں کو جنہیں آفتاب و ماہتاب کی نگاہیں بھی احترام کے سبب اچھی طرح نہیں دیکھ سکتی تھیں بے پردہ اونٹوں پر بٹھا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک چلنے پر مجبور کیا جائے گا۔

الغرض حضرت امام کو اس قدر لالچ دلائی گئی اور حرص و طمع کے ایسے ایسے سنہرے اور دلکش مناظر امام کے سامنے پیش کیے گئے کہ اگر ہمالیہ بھی ہوتا تو اُس کے پائے استقامت میں لغزش آجاتی اور اس قدر ڈرایا گیا اور ایسی ایسی خوفناک دھمکیوں

سے مرعوب کیا گیا کہ اگر ستم بھی ہوتا تو اُس کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ مارے دہشت کے ان ظالموں کے سامنے سرِ نیاز جھکا دیتا۔ مگر برادرانِ ملت! فرزند فاطمہ زہرا جن کے خون کے قطرے قطرے میں رسولِ خدا کا خون شامل تھا۔ وہ ان آفات و مصائب کے ہجوم میں بھی عزم و استقلال کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے اور نقصانِ مال و جان کے بڑے بڑے طوفان میں بھی اُن کے پائے استقامت کو لغزش و جنبش نہیں ہوئی۔ اور آپ ہمیشہ یہی جواب دیتے رہے کہ اے کوفیو اور یزیدیو! میں اس وقت ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہوا ہوں کہ جہاں سے دو راستے نکلتے ہیں۔ ایک راستہ تو یہ ہے کہ میں یزید کی بیعت کر لوں۔ تو یہ صحیح ہے کہ مجھے عزت و دولت اور کسی صوبے کی گورنری ضرور ملے گی اور یزید میرا ممنونِ احسان ہو کر مجھ پر جان و مال سے قربان ہو جائے گا لیکن اس کا انجام یہ ہو گا کہ میرا پاک ہاتھ یزید کے ناپاک ہاتھ پر پہنچتے ہی دینِ محمدی کا پرچم سرنگوں ہو جائے گا۔ اور اسلام کا وہ درخت جس کو میرے نانا جان نے صحابہ کے خون سے سینچ سینچ کر ہرا بھرا کیا ہے۔ ایک دم اُس کی شاخیں اور ٹہنیاں بددینیوں کی باد صرصر سے تاخت و تاراج ہو جائیں گی اور عظمتِ اسلام فنا اور شوکتِ دین مٹ جائے گی اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں یزید کی بیعت نہ کروں تو یہ بالکل صحیح ہے کہ میں اور میرے اہل بیت انتہائی بیدردی کے ساتھ قتل کر دیئے جائیں گے اور پھر ان شہیدوں کی مقدس لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند کر، ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوچہ و بازار میں گشت کرایا جائے گا اور اہل بیت اطہار کو بے پناہ مصائب اور نقصانِ مال و جان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پرچمِ اسلام

کی عظمت کا نشان بلند سے بلند تر ہو جائے گا اور شہدائے کربلا کے خون سے سیراب ہو کر اسلام کا ہرا بھرا درخت اس قدر سرسبز و شاداب ہو جائے گا کہ قیامت تک الحاد و بے دینی کی کوئی خزاں اس کے موسم بہار کو نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکے گی! لہٰذا اے یزیدیو! میرا آخری فیصلہ یہی ہے کہ ہم خود بہتّر زخم کھا کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑیں گے مگر ہم کسی حال میں بھی اسلام کے پرچم عظمت کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ ہم خود کٹ جائیں گے مگر ہم قرآن کا ایک نقطہ بھی کٹنے نہیں دیں گے ہم خود مٹ جائیں گے مگر فرمانِ مصطفیٰ کا ایک زیر و زبر بھی مٹنے نہیں دیں گے اور آخری دم تک ہمارا یہی نعرہ اور اعلان رہے گا کہ ؎

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر نہ ہوگا یہ ہم سے ہرگز نبی کا جاہ و جلال دیں گے

چنانچہ کربلا کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ فاطمہ کے لال نے دنیا کی دولت و حکومت پر ٹھوکر مار کر راہِ حق میں آنے والی تمام مصیبتوں کا خوشدلی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اپنا گلا کٹانا، اور گھر لٹانا گوارا کر لیا مگر یزید پلید کی بیعت کر کے اسلام کے دامنِ تقدس کو داغدار کرنا منظور نہیں فرمایا۔ سبحان اللہ ؎

گھر لٹانا سر کٹانا کوئی تجھ سے سیکھ لے
جانِ عالم ہو فدا۔ اے خاندانِ اہلِ بیت

برادرانِ ملت! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت امام نے اس جنگ کو ٹالنے کی انتہائی جدوجہد فرمائی لیکن جفاکار و ستمگار قوم نے مصالحت کی کوئی بات ہی منظور نہیں

کی۔ اور حضرت امام کو یقین ہو گیا کہ اب اس جنگ کو دفع کرنے کا کوئی طریقہ باقی ہی نہیں رہ گیا۔ کیونکہ یہ لوگ نہ شہر کوفہ میں داخل ہونے دیتے ہیں نہ یزید کے پاس لیجانے پر رضامند ہوتے ہیں۔ نہ وطن جانے دیتے ہیں۔ نہ ملک چھوڑنے پر ان کو تسلی ہوتی ہے اس وقت مجبوراً حضرتِ امام نے اپنے خیمہ کے گرد ایک خندق کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ خندق کھودی گئی اور صرف ایک راستہ رکھا گیا جہاں سے نکل کر دشمنوں سے مقابلہ کیا جائے اور خندق میں آگ جلا دی گئی۔ اکہ اہل خیمہ دشمنوں کی یلغار سے محفوظ رہیں

دسویں محرم کا قیامت نما دن

حضرات! دسویں محرم ۶۱ھ جمعہ کا پُرآشوب دن آگیا اور دنیا سے سفر کرنے والے غریب الوطن مسافروں نے اپنی زندگی کی آخری نمازِ فجر ادا کر لی۔ اِدھر سورج طلوع ہوا۔ اُدھر ابن سعد نے اپنے بائیس ہزار لشکر کو ان غریبانِ بے وطن کا خون بہانے کے لیے میدان میں لاکر جنگ کا نقارہ بجا دیا اور خود پہلا تیر چلا کر جنگ کی ابتدا کر دی اور یہ اعلان کر دیا کہ اے اہل شام و عراق! گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے ہی جگر گوشۂ رسول و فرزند بتول پر چلایا ہے!

حضرت امام یہ منظر دیکھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر اتمامِ حجت کے لیے میدانِ کارزار میں تشریف لائے اور خون ناحق کا عذاب سنا کر، اور اپنے حسب و نسب اور فضائل کا بیان کر کے ستمگاروں کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش فرمائی۔ لیکن حضرت امام کا خطبہ ابھی تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ ستم شعاروں نے شور و غل مچانا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ اے امام! ہم آپ کے فضائل سے اچھی طرح واقف ہیں لیکن اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے۔ اس وقت تو جنگ کے لیے آپ کسی کو میدان میں بھیجئے۔

کربلا میں حسینی کرامات

حضرات! ظالموں کا یہ گستاخانہ جواب سنکر حضرت امام اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اتنے میں یزیدی لشکر کا ایک بے باک مالک بن عُروہ گھوڑا کدا کر سامنے آ گیا اور اُس نے جب خیمہ کے گرد آگ دیکھی تو انتہائی بے ادبی کے ساتھ یہ کہا کہ "اے حسین! تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگا لی؟" حضرت امام نے فرمایا کہ "کَذَبْتَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ" اے دشمنِ خدا تو جھوٹا ہے۔ کیا تیرا یہ گمان ہے کہ میں جہنم میں جاؤں گا؟ امام کے جاں نثاروں میں سے حضرت مسلم بن عوسجہ نے انتہائی طیش میں آ کر اس بدزبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت طلب کی۔ مگر حضرت امام نے فرمایا کہ نہیں نہیں! ہماری طرف سے ہرگز کوئی جنگ کی ابتدا نہ کرے تاکہ ہمارے خونِ ناحق کا پورا پورا وبال ان ہی ظالموں کی گردن پر رہے۔ لیکن حضرت امام نے مجروح دل سے یہ دعا مانگی کہ خداوندا! تو اس بدنصیب کو نارِ دوزخ سے پہلے ہی آگ کے عذاب میں مبتلا کر۔ چنانچہ فوراً ہی مالک بن عروہ کا گھوڑا پھسلا اور یہ اس طرح گرا کہ گھوڑے کی رکاب میں اس کا پاؤں الجھ گیا اور گھوڑا اس کو گھسیٹتے ہوئے خندق کی طرف لیکر بھاگا اور یہ خندق کی آگ میں گر کر خاک کا ڈھیر ہو گیا!

اسی طرح ایک اور دریدہ دہن نے یہ کہدیا کہ "اے حسین! تم کو رسولِ خدا سے کیا نسبت؟" اس لفظ سے حضرت امام کا جگر شق ہو گیا۔ اور آپ نے جنابِ باری میں عرض کیا کہ الٰہی تو فوراً اس بے باک کو اپنے قہر میں گرفتار کر۔ چنانچہ ایک دم اس خبیث کو بیت الخلاء کی حاجت ہو گئی اور یہ ننگا ہو کر ایک جھاڑی میں قضائے حاجت کے لیے بیٹھا۔ اچانک ایک سیاہ زہریلے بچھو نے اس کو ڈنک مارا اور یہ درد

سے ملبلاتا ہوا نجاست میں لت پت ہو کر بھاگا اور لشکر کے سامنے تڑپ تڑپ کر ذلت و رسوائی کی موت مر گیا!

اسی طرح ایک بد لگام مُزنی نے نہایت گستاخی کے ساتھ یہ کہا کہ "اے حسین دیکھ لو دریائے فرات موجیں مار رہا ہے مگر تم کو اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا اور تم پیاسے مر جاؤ گے" حضرت امام نے اس کے لیے یہ دعا فرمائی کہ "اَللّٰھُمَّ اَمِتْہُ عَطْشَانًا" یعنی اے اللہ! اسکو پیاسا مار۔ چنانچہ ایک دم مزنی کا گھوڑا بھاگ نکلا۔ اور یہ اس کو پکڑنے کے لیے دوڑا تو اس پر پیاس کا انتہائی غلبہ ہوا۔ مگر جب پانی پیتا تھا تو ایک قطرہ بھی حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا یہاں تک کہ پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر مر گیا!

حضرات گرامی! چاہئے تو یہ تھا کہ امام عالی مقام کی ان ایمان افروز کرامتوں کو دیکھ کر ظالموں کے سینوں میں دل لرز جاتا۔ اور وہ اس سے عبرت پکڑ کر امام کے خونِ ناحق سے باز آجاتے۔ مگر یہ شرارت کے مجسمے جن کے سروں پر حرص دنیا عفریت بن کر مسلط ہو چکی تھی ان عبرت آموز کرامات سے کوئی سبق نہ لے سکے بلکہ اور زیادہ گستاخی و بے باکی کے شیطانِ مجسم بن کر رجز گاتے ہوئے ہتھیار چمکا چمکا کر حضرت امام سے لڑنے کے لیے میدانِ جنگ میں نکل آئے۔

لیکن حضرت امام اور ان کے جاں نثار ساتھی بھی ان کی کثرت اور شیطانی طاقت سے نہ ڈرے نہ جھجکے۔ بلکہ سب کے سب خوف و ہراس سے بے نیاز ہو کر جذبۂ شہادت سے سرشار، اور خدا کی راہ میں اپنا سر کٹانے کے لیے بے قرار تھے۔ چنانچہ خاندانِ اہل بیت کے جوانوں اور حیدر کرار کی کچھار کے شیروں نے انتہائی دلیری کے ساتھ آگے بڑھ کر

اس طرح دادِ شجاعت دینے کا عزم کر لیا کہ ؎

عشرتِ قتل گہ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عُریاں ہونا

مگر قرب و جوار کے وہ جاں نثار جو اس حادثہ کی خبر پا کر حاضرِ دربار ہو گئے تھے وہ حضرت امام کے قدموں پر گر کر مچل گئے اور عرض کیا کہ اے ابنِ رسول اللہ! یہ غیر ممکن ہے کہ جب تک ہم میں سے ایک جاں نثار بھی باقی ہے اہلِ بیتِ نبوت کا خون زمین پر گر پڑے۔ اس لیے پہلے ہم اپنا سر آپ کے قدموں پر قربان کریں گے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ان وفا شعاروں نے میدانِ جنگ میں نکل کر ایسی شجاعت و جاں بازی کا مظاہرہ کیا کہ دشمنوں کے دلوں پر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے یہ تمام جاں نثار راہِ خدا میں اپنی جانیں قربان کر کے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

حضرات! ان وفادار جاں نثاروں کے نام اور ان کی جاں بازیوں اور سرفروشیوں کے تذکرے تاریخ کی کتابوں میں اس طرح نقشِ وفا بن کر چمک رہے ہیں کہ قیامت تک گردشِ لیل و نہار ان کو محو نہیں کر سکتی اگر میں ان جاں بازوں کا ذکر شروع کر دوں تو تقریر بہت ہی طویل ہو جائے گی لیکن بہر حال پھر بھی ان میں سے چند باوفاؤں کا ذکر سن لیجئے!

عبداللہ کلبی

حضرات: لشکرِ اعداء میں سے سب سے پہلے جو دو شقی القلب حضرت امام سے لڑنے کے لیے نکلے وہ دونوں عبید اللہ بن زیاد کے غلام تھے۔ ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام سالم تھا۔ یہ دونوں بدنصیب اپنی صفوں سے نکل کر مبارز طلب کرنے لگے۔ ان دونوں کی صورت دیکھ کر حضرت عبد اللہ کلبی جوشِ

جہاد میں آپے سے باہر ہو گئے اور حضرت امام سے اجازت لیکر ان دونوں کے مقابلہ کے لئے نکل پڑے۔ یسار نے بڑھ کر آپ پر تلوار کا وار کیا۔ مگر آپ نے ایک دم کمالِ ہنرمندی سے ایسا پینترا بدلا کہ دشمن کا وار خالی گیا اور پھر پلٹ کر شمشیر آبدار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ خبیث خون میں لت پت ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ سالم اپنے ساتھی کو اس طرح قتل ہوتا دیکھ کر غصہ میں سرخ ہو گیا اور جھلا کر آپ پر تلوار سے حملہ کیا۔ آپ نے اُس کے اس وار کو بائیں ہاتھ پر روکا تو آپ کی انگلیاں اڑ گئیں۔ مگر آپ نے بھی جھپٹ کر اُس کو ایسی شمشیر ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ عبداللہ کلبی اپنی بیوی کے ساتھ جاں نثاری کے لیے آئے تھے اُن کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ میرے شوہر کی انگلیوں سے خون کے فوارے جاری ہیں تو وہ بھی جوشِ جہاد میں بے خود ہو گئیں اور خیمہ کی ایک چوب ہاتھ میں لیکر میدان میں نکل پڑیں اور اپنے شوہر کو جوش دلاتے ہوئے کہنے لگیں کہ شاباش میرے پیارے شوہر! شاباش میں تیرے قربان! میرے سرتاج تم جلدی جلدی ان یزیدی طاغوتوں کو موت کے گھاٹ اتار کر آلِ نبی پر قربان ہو جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ شہادت کی تمنا میں میدانِ جنگ کے اندر نکل پڑی ہوں۔ یہ کہکر دشمنوں کی طرف دوڑ پڑیں۔ لیکن امام نے فرمایا کہ اے بی بی! تم آگے نہ بڑھو تم عورت ہو میں ہرگز ہرگز تمھیں میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا فرمانِ شاہی سن کر یہ بی بی صاحبہ مجبوراً واپس آگئیں مگر حضرت عبداللہ کلبی آخری دم تک انتہائی جاں بازی اور سرفروشی کے ساتھ لڑتے رہے اور بہت سے یزیدیوں کو موت کی آغوش میں سلا کر خود بھی عروسِ شہادت سے ہم آغوش ہو گئے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

مسلم بن عوسجہ

اسی طرح مسلم بن عوسجہ جو حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد، اور اہل بیت کے انتہائی وفادار جاں نثار تھے اور جوشِ جہاد اور جذبۂ شہادت سے سرشار تھے۔ حضرت امام کے قدموں کا بوسہ لیکر میدانِ کارزار میں نکلے۔ تو ایک انتہائی مغرور پہلوان آپ سے جنگ کے لیے تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا اور آپ پر تلوار سے قاتلانہ وار کیا۔ لیکن آپ نے اُس کے وار کو رد کر کے اس کے سینے میں اس طرح نیزہ مارا کہ پشت سے پار ہو گیا اور اس کو نیزہ کی نوک پر اُٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹکا کہ اس کے سر کا بھیجا پاش پاش ہو کر بکھر گیا۔ پھر آگے پیچھے کئی جنگ آزما شہسوار فیلِ مست کی طرح آپ سے ٹکرائے۔ مگر جب آپ کی برّاق تلوار کا ہاتھ بڑھا۔ تو آپ نے سب کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ اور آپ کی ہیبت و شجاعت سے دشمنوں کی فوج زیر و زبر ہونے لگی اور پورے لشکر میں تہلکہ مچ گیا۔ آخر ابن سعد نے اپنی فوج کو للکارا کہ۔ اے بزدلو! تمھیں شرم نہیں آتی؟ کہ ایک آدمی کو تم لوگ قتل نہیں کر سکتے۔ مجبوراً اُس نے فوج کے ایک دستہ کو حکم دیا کہ تم لوگ چاروں طرف سے یلغار کر کے اس کو محاصرہ میں لے لو اور پھر سب کے سب یکبارگی حملہ کر کے اس کا سر کاٹ لو۔ چنانچہ روباہ صفت کوفیوں نے اس شیرِ حق کو نرغے میں لے لیا۔ اور تیر و تلوار اور نیزوں کی مار سے اس شہسوار کو گھوڑے سے گرا دیا۔ آپ کو گھوڑے سے گرتا ہوا دیکھ کر حضرت امام اور حبیب بن مظاہر فوراً دوڑ پڑے اور سرہانے کھڑے ہو کر پکارا کہ مسلم بن عوسجہ! شہادت مبارک! اے مجاہد جاں باز! گھبراؤ نہیں۔ تمہارے بہت سے ساتھی جنت میں پہنچ چکے ہیں اور ہم بھی بہت جلد تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ مسلم بن عوسجہ میں ذرا سی جان باقی تھی۔ امام کی آواز سُن کر آپ نے آنکھیں کھول دیں

اور جب دیکھا کہ ابن رسول اللہ سرھانے کھڑے ہیں تو لبوں پر مسکراہٹ کے آثار نمودار ہوئے اور ایک دم روح پرواز کر گئی! ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلبِ او

سبحان اللہ، سبحان اللہ! اس جوشِ جہاد پر قربان جائیے اور اس ذوقِ شہادت کی لذت کا کیا کہنا؟ ؎

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

وہب بن عبداللہ

حضرات! اسی طرح حضرت وہب بن عبداللہ کلبی کی مجاہدانہ سرفروشی کی داستان بھی قیامت تک فراموش نہیں کی جا سکتی یہ قبیلۂ بنی کلب کے بہت ہی حسین اور خوبصورت نوجوان تھے۔ اور ان کی شادی کو ابھی صرف سترہ روز ہی ہوئے تھے ان کی ماں نے کہا کہ بیٹا! آج میرے رسول کا پیارا نواسہ اور حضرت خاتونِ جنت بی بی فاطمہ کا نورِ نظر بے یار و مددگار دشمنوں کے نرغے میں گرفتار اور رنج و غم کا شکار ہے۔ اے بیٹا! اس لیے میری تمنا ہے کہ تیرا وہ خون جو میرے دودھ سے بنا ہے آج اس کا ایک ایک قطرہ راہِ حق میں بہا کر تو اپنی جان اہل بیت پر قربان کر کے میری مغفرت کا سامان کر دے۔ چنانچہ وہب بن عبداللہ اپنی والدہ اور اپنی نئی نویلی دلہن کو ساتھ لیکر کربلا میں آئے اور حضرت امام سے اجازت لیکر گھوڑے پر سوار ہوئے اور کوندتی ہوئی بجلی کی طرح میدانِ جنگ میں پہنچ گئے اور مجاہدانہ لہجے میں جھوم جھوم کر رجز کا یہ شعر پڑھنے لگے ؎

حُسَیْنٌ اَمِیْرٌ وَّ نِعْمَ الْاَمِیْر
لَہٗ لَمْعَۃٌ کَالسِّرَاجِ الْمُنِیْر

یعنی اے یزیدیو! سن لو۔ میرا اعلان ہے کہ یزید "امیر المومنین" نہیں ہے۔ بلکہ "امیر المومنین" حسین ہیں اور وہ بہترین امیر المومنین ہیں۔ ان کی چمک دمک روشن چراغ کی طرح منور ہے۔ یزیدی فوج کے بڑے بڑے سورما اور جنگجو بہادر آپ کے مقابلہ کے لیے آئے مگر جو بھی سامنے آیا۔ آپ نے تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔ اور بہت سے ظالموں کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنی ماں اور بیوی کے پاس آئے۔ یہ دونوں جناب وہب بن عبداللہ کی مجاہدانہ جاں بازیوں کا نظارہ دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ آپ نے عرض کیا کہ اے میری مقدس ماں! اب تو آپ مجھ سے خوش ہو گئیں؟ ماں نے دل کھول کر دعائیں دیں۔ اور کہا کہ بیٹا! میں تجھ سے خوش تو ہو گئی۔ لیکن میرے لال! میری خوشی کی معراج تو جب ہو گی کہ میدانِ جہاد میں دشمنوں کی ضرب سے تیرا جسم چھلنی ہو جائے اور تو سرخ پوش دولہا بن کر عروسِ شہادت کی آغوش میں جنتی مہمان، اور میرے لیے رسولِ عربی کی شفاعت کا سامان بن جائے۔ پھر وہب بن عبداللہ نے اپنی روتی ہوئی نئی نویلی دلہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ اتنے میں دشمن کی صفوں میں سے حکم بن طفیل ایک نامی گرامی شامی پہلوان مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا نکلا اور "ھل من مبارز" کہہ کر جناب وہب کو جنگ کی دعوت دینے لگا۔ حضرت وہب اُس کی آواز سُن کر فوراً ہی گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنی مقدس ماں اور پیاری دلہن کو آخری سلام کر کے شیر نر کی طرح میدان جنگ کی طرف بڑھے اور حکم بن طفیل کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ حکم بن طفیل اپنے انتہائی غرور کے نشہ میں سرشار تھا اتراتا ہوا آگے بڑھا اور انتہائی

لاپروائی کے ساتھ جناب وہب پر تلوار کا وار کیا۔ مگر جناب وہب نے انتہائی پھرتی اور چابکدستی کے ساتھ اس کو نیزہ مار کر نیزہ کی انی پر اٹھا لیا۔ اور اس زور سے زمین پر ٹپکا کہ اُس کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر اشقیاء کے لشکر پر ایسی ہیبت اور سراسیمگی چھا گئی کہ یزیدی لشکر کا دل بادل دہل گیا۔ چنانچہ حضرت وہب نیزہ ہلا ہلا کر بار بار یزیدی سورماؤں کو للکارتے اور جنگ کی دعوت دیتے تھے۔ مگر ان بزدلوں میں سے کسی کی تاب اور ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آپ کے مقابلہ کے لیے میدان میں نکلتا۔

اِدھر جناب وہب شوقِ شہادت میں اس قدر وارفتہ ہو رہے تھے کہ دم بھر کے لیے قرار نہیں تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ کوئی بھی میرے مقابلہ کے لیے میدان میں نہیں نکلتا تو آپ خود ہی دشمنوں کو للکارتے ہوئے بھوکے شیر کی طرح دشمنوں پر حملہ آور ہو گئے اور اس زور کا مجاہدانہ حملہ کیا کہ دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے قلبِ لشکر تک پہنچ گئے اور اپنے نیزے کی مار سے بڑے بڑے بہادروں کو چھید کر چھلنی بنا ڈالا۔ یہاں تک کہ آپ کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ پھر آپ نے پھر کر میان سے تلوار نکالی اور اپنی شمشیر آبدار کی مار سے بہت سے ظالموں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا آپ جوشِ جہاد میں انتہائی جانبازی کے ساتھ تلوار چلا رہے تھے کہ اچانک کسی خبیث نے نشانہ باندھ کر آپ کے گھوڑے کی پیشانی پر ایسا تیر مارا کہ گھوڑا نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا اور آپ پیادہ پا ہو گئے۔ اتنے میں ابن سعد نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اس کا محاصرہ کر لو۔ چنانچہ ہر طرف سے اشقیا نے دھاوا کر کے اس بہادر مجاہد کو گھیر لیا۔ اور چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے اور اس طرح نیزہ و تلوار سے لگاتار حملہ کرنے لگے کہ آپ لاچار ہو کر زمین پر گر پڑے اور ایک شقی نے آگے بڑھ کر آپ کا سر کاٹ لیا

اور حضرت امام کے سامنے پھینکدیا۔ وہب کی ماں نے دوڑ کر اپنے بیٹے کے سر کو اپنی گود میں اٹھالیا اور انتہائی پیار اور محبت کے ساتھ پیشانی چوم کر اپنے کلیجے سے لگالیا شیر دل ماں بار بار اپنے مجاہد اور شہید بیٹے کے سر کو بوسہ دیتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ اے میرے سپوت بیٹے! اے میرے بہادر بیٹے! خدا گواہ ہے کہ آج تو نے میرے دودھ کا حق ادا کر دیا۔ اے بیٹا! تجھے مبارک ہو۔ خدا علیم ہے کہ آج تیری ماں تجھ سے خوش ہو گئی۔ پھر ماں نے اپنے بیٹے کا سر دلہن کی گود میں رکھ دیا اور کہا کہ بیٹی! تجھے مبارک ہو کہ جب میدانِ محشر میں خدا کا منادی تجھے ایک شہید کی بیوہ کہکر پکارے گا۔ تو اُس وقت تیرا سر فخر سے اونچا ہو جائے گا کہ تو اس مجاہدِ جاں باز کی رفیق زندگی ہے جو تیرے بستر عروسی سے اٹھ کر آیا اور خدا کی راہ میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر اور اپنے خون میں نہا کر سرخ پوش دولھا بن کر شہادت کی دلہن سے ہم آغوش ہو گیا۔ دلہن نے والہانہ جوشِ محبت کے ساتھ اپنے سرتاج کے سر کو اپنے سینے سے چمٹالیا۔ مگر اُس کے گورے گورے گال اور کالے کالے حسین بال کو خاک و خون میں لت پت دیکھ کر اُس کا کلیجہ پھٹ گیا۔ اور شدتِ غم سے اس کا حال اس قدر نڈھال ہو گیا کہ گرم گرم آنسوؤں کی دھار اُس کے رخسار پر بہنے لگی۔ اور باوجود ضبط کے ایک چیخ نکل گئی اور زبانِ حال سے اُس نے شوہر کے کٹے ہوئے سر سے یہ کہا کہ ؎

رفتی و مرا خبر نہ کردی　　　　بر بیکسی ما نظر نہ کردی

پھر ایک سرد آہ کے ساتھ اس کا طائرِ روح پرواز کر کے اپنے دولھا کے ساتھ ہم آغوش ہو گیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

حضرت حُر کی جاں بازی

حضرات گرامی! کربلا کے اُن جان نثارانِ اہل بیت میں جنھوں نے دنیا کی دولت و عزت کو ٹھوکر مار کر اپنی عزیز جانوں کو حضرت امام کے قدموں پر قربان کر کے دونوں جہاں میں سرخروئی حاصل کی اُن میں حُر بن یزید ریاحی کا نام نامی بھی قیامت تک فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حُر یزیدی لشکر میں ایک دستہ کے سپہ سالار کی حیثیت سے کھڑے تھے۔ مگر جس وقت ابن سعد نے اپنے لشکروں کو حضرت امام کی طرف یلغار کا حکم دیا تو ایک دم حُر کے چہرے پر انتہائی پریشانی اور بے قراری کے آثار نمودار ہو گئے چہرہ زرد ہو گیا اور خوف و ہراس سے قدم ڈگمگانے لگے۔ حضرت حر کے بھائی جناب مُصعب بن یزید نے جب بھائی کا یہ حال دیکھا تو حیران ہو کر کہا کہ بھائی جان! آپ تو میدانِ کارزار کے بہت پرانے تجربہ کار شہسوار ہیں۔ میدان جنگ آپ کے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔ آپ نے تو اس سے پہلے بڑے بڑے خونی مناظر دیکھے ہیں۔ مگر آج آپ کا کیا حال ہے؟ کہ آپ پر اس قدر وحشت و دہشت سوار ہے کہ آپ انتہائی پریشان و بے قرار نظر آرہے ہیں۔ حُر نے کہا کہ میرے پیارے بھائی! میں وہ بہادر نہیں کہ میدانِ جنگ دیکھ کر گھبرا جاؤں۔ میں تو ضرب و حرب کو بچوں کا کھیل سمجھتا ہوں۔ لیکن آج کی جنگ خدا گواہ ہے کہ یہ اللہ و رسول سے جنگ اور اپنی عاقبت سے لڑائی ہے اس لیے اس جنگ کے تصور ہی سے میرے سینے میں دل لرز رہا ہے۔ اور میرے جسم کا رونگٹا رونگٹا لرزہ براندام ہو رہا ہے۔ بھائی مصعب! میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ایک طرف جنت کے خوش رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں اور ایک طرف آتشِ جہنم شعلہ زن ہے۔ اور میں اس وقت جنت و جہنم کے درمیان میں کھڑا ہوں!

حضرت حُر نے بھائی کو یہ جواب دے کر ابن سعد کو پکارا اور کہا کہ کیا واقعی تو ابنِ رسول اللہ کو قتل کر ڈالے گا؟ ابن سعد نے کہا کہ ہاں بیشک! صرف امام حسین ہی کو نہیں بلکہ میں تو گلشن نبوت کے ایک ایک پھول کو مسل ڈالوں گا۔ اور اہل بیت کے ایک ایک بچے کو ذبح کر کے دم لوں گا۔ حضرت حُر نے کہا کہ کیا تجھے حضرت امام کی پیش کی ہوئی مصالحت کی شرطیں منظور نہیں؟ ابن سعد نے جھلا کر کہا کہ بالکل نہیں۔ اب تو حضرت امام سے جنگ کے سوا کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔ ابن سعد کا یہ شرارت آمیز جواب سُن کر حضرتِ حُر کے دل میں ایک دم حقانیت کے سیکڑوں چراغ روشن ہو گئے اور آپ نے تڑپ کر فرمایا کہ اے مردود! تو کل قیامت کے دن خدا کے سامنے کیا جواب دے گا؟ اور رسولِ خدا کو کیا منہ دکھائے گا؟ خدا کی قسم اگر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں جب بھی میں ابنِ رسول اللہ اور نورِ چشم حیدر کرار پر تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ حُر نے یہ کہا اور ایک دم گھوڑا اڑا کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور قدمبوس ہو کر عرض کرنے لگا کہ اے جگر گوشۂ رسول اور فرزند بتول! میں وہی روسیاہ ہوں جس نے آپ کا راستہ روکا تھا۔ مگر خدا کی قسم مجھے یہ وہم بھی نہیں تھا کہ یہاں تک نوبت پہنچے گی اور یہ بدبخت اشقیا آپ کا سر کاٹنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن بہر حال میں اب تائب ہو کر بارگاہ عالی میں حاضر ہو گیا ہوں۔ للہ! حضور والا میرے جرموں کو اپنے دامنِ عفو و کرم میں چھپا کر اب مجھے اہل بیت پر جان قربان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ حضرت امام نے حر کو اپنے قدموں سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور یہ بشارت دی کہ میں نے تیری خطا معاف کر دی اور میری دعا ہے کہ خداوند ستار و غفار بھی تیری توبہ کو قبول فرمائے۔ حُر حضرت امام کی

زبان سے یہ مژدۂ جانفزا سُن کر باغ باغ ہوگیا اور جنگ کی اجازت پاکر میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوا اور گھوڑا چمکا کر بجلی کی طرح دشمنانِ اہلِ بیت کی صفوں پر قہرِ الٰہی بن کر جھپٹا حر کے بھائی مصعب نے یہ دیکھا کہ میرا بھائی نعمتِ دارین سے سرفراز، اور دولتِ کونین سے مالامال ہوگیا، تو اس کے دل میں بھی حقانیت کا ولولہ اور حق شناسی و حق پرستی کا جذبہ و جوش پیدا ہوگیا اور وہ بھی گھوڑا دوڑا کر بھائی کی طرف بڑھا۔ یزیدیوں نے یہ سمجھا کہ بھائی سے لڑنے کے لیے جارہا ہے لیکن اُن کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے یہ دیکھا کہ مُصعب جناب حر سے یہ کہنے لگا کہ میرے بھائی! خدا تیرا بھلا کرے کہ تو میرے لیے خضرِ راہ بن گیا اور تو نے بہت بڑی ہلاکت سے مجھے نجات دلائی۔ میرے بھائی! میں بھی تیرے ساتھ اہلِ بیت کی عظمت پر اپنی جان قربان کرکے دونوں جہانوں کی سلطنتِ عزت کا سلطان بننے کی تمنا رکھتا ہوں۔ حر نے خوش ہوکر اپنے بھائی مصعب کو گلے سے لگا لیا اور دونوں بھائی یزیدی لشکر کے سامنے سینہ تان کر جوشِ جہاد میں بھرے ہوئے کھڑے ہوگئے اور پہلے حر نے میدان میں نکل کر رجز کا یہ شعر پڑھا ؎

أَنَا الْحُرُّ وَأَنَا مُقْرِيُ الضَّيْفِ
أَضْرِبُ فِيْ أَعْنَاقِكُمْ بِالسَّيْفِ

ابن سعد اپنے لشکر کے ایک سپہ سالار، یعنی حر کی شیرانہ گرجدار آواز سن کر گھبرا گیا اور اس نے بہت کچھ سوچ بچار کرکے ایک بہت ہی نامی پہلوان یعنی شیطان صفت صفوان کو بھیجا کہ حر کو سمجھا بجھا کر میرے پاس لے آ اور اگر وہ نہ مانے تو اُس کا سر کاٹ لے۔ چنانچہ صفوان چلا اور حر کے پاس آکر کہنے لگا کہ اے حر! ہم تیری عقل

وہ دانائی پر ناز کرتے تھے۔ مگر آج ہم تیری نادانی پر ماتم کرتے ہیں کہ تو نے اِس لشکرِ جرار سے نکل کر اور یزید کے گرانقدر انعام و اکرام کو ٹھکرا کر اُن چند بیکس مسافروں کا ساتھ دیا ہے جن کے توشہ دانوں میں روٹی کا ایک ٹکڑا اور جن کی مشکوں میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ افسوس! تیری عقل کہاں ماری گئی؟

حر نے تڑپ کر جواب دیا کہ مردود! میں نادانی نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ تم لوگ اپنی حماقت اور نادانی کا ماتم کرو کہ تم لوگوں نے طاہر کو چھوڑ کر نجس کو قبول کیا اور دنیائے فانی کے چند درہم و دینار کے بدلے عالمِ باقی کی انمول اور لازوال نعمتوں کو بیچ ڈالا، اے ظالمو! تم میں سے کون نہیں جانتا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین کو اپنا پھول فرمایا ہے مگر تم لوگ گلشنِ رسالت کے اس پھول کو مسل کر پامال کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے میں گلشنِ نبوت کے اس پھول پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ میں یزید کے انعام و اکرام کے خزانوں کو ٹھوکر مارتا ہوں۔ مجھے تو نعلینِ مصطفےٰ کو اپنے سر کا تاج بنانے کی تمنا ہے۔ تم دریائے فرات کے پانی پر ناز کرتے ہو مگر میں ساقیِ کوثر کے مقدس ہاتھوں سے کوثر و سلسبیل کا جام پینے کا امیدوار ہوں" صفوان" نے بہت کچھ چرب زبانی سے کام لیا۔ مگر اُس نے جب دیکھ لیا کہ حضرت حُر کا سینہ اہل بیت کی محبت کا سفینہ بن چکا ہے اور کوئی حرص اور لالچ اس کے قدم کو جادۂ مستقیم سے برگشتہ نہیں کر سکتی۔ تو اُس نے دھوکے سے جنابِ حُر کے سینے میں ایک تیر مار دیا۔ جناب حُر تیر کھا کر زخمی شیر کی طرح صفوان پر نیزہ سے حملہ آور ہوئے اور نیزہ کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ اس کے سینے

یں مارا کہ نیزہ سینہ کو چھیدتا ہوا پشت کے پار ہوگیا اور اس کو گھوڑے کی زین سے
نیزے پر اُٹھا کر اس زور سے زمین پر ٹپکا کہ اُس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ فوراً ہی
مرگیا۔ صفوان کے تین بھائی جو بہت ہی نامور جنگجو تھے اپنے بھائی کو یوں قتل ہوتا
دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے اور پہلے دو بھائی حُر کے مقابلے پر آئے اور دونوں نے حُر پر
بہ یک وقت حملہ کر دیا مگر حُر نے شمشیر آبدار کی مجاہدانہ مار سے دونوں کا سر اُڑا دیا۔ تیسرا
بھائی بھاگ نکلا لیکن حُر نے گھوڑا جھکا کر اُس کا تعاقب کیا اور بھاگتے ہوئے
اُس کی پیٹھ میں ایسا نیزہ مارا کہ سینے سے پار ہو گیا اور وہ غش کھا کر گھوڑے
سے گر پڑا اور حر نے شمشیر کی ایک ضرب سے اُس کا بھی کام تمام کر دیا۔ صفوان اور
اُس کے تینوں بھائیوں کو قتل کر کے جناب حُر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو کر
عرض کرنے لگے کہ اے ابنِ رسول اللہ! کیا اب آپ مجھ سے راضی ہو گئے ؟
حضرت امام نے فرمایا کہ "نَعَمْ اَنْتَ حُرٌّ" ہاں۔ بے شک میں تجھ سے خوش ہوں
اور تجھے یہ خوش خبری دیتا ہوں کہ تو جہنم سے آزاد ہے۔ جناب حُر یہ بشارت سُن کر
فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھے اور پھر میدان میں آ کر انتہائی جاں بازی سے لڑنے لگے
اور بہت سے ظالموں کو قتل کر کے پھر امام کے سامنے آئے اور سوکھی زبان دکھا کر
عرض کرنے لگے کہ اے امام! اب تشنہ کامی حد سے بڑھ چکی ہے اور پیاس کی شدت
ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔ امام عالی مقام نے فرمایا کہ حر! میرے عزیز حر! ذرا
دیر اور صبر کرو اور راہِ حق میں اپنا سر کٹا کر حضور ساقیٔ کوثر کے مقدس ہاتھوں سے
جامِ کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ! حُر یہ خوش خبری سُن کر پھر میدانِ جنگ میں جامِ
شہادت کی تمنا میں سرفروشانہ جنگ کرنے لگے اور لشکر اعداء پر آپ کی شجاعت

کا ایسا سکہ بیٹھ گیا کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ گئے لیکن ابن سعد نے جب اپنے لشکریوں کو ڈانٹا کہ تم لوگ ایک سپاہی کو قتل نہیں کر سکتے ؟ تو بہت سے سفاکوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور آپ پر اس قدر تیر برسانے لگے کہ آپ کا گھوڑا زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑا ۔ اور آپ پیدل ہو کر ایک جم غفیر سے تنہا لڑنے لگے ۔ چاروں طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے اور بہت سے پیادے اور سوار نیزہ و تلوار سے آپ پر وار کر رہے ہیں ۔ مگر آپ عزم و استقامت کا کوہِ گراں بار بنے ہوئے میدان میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ ایک سفاک ظالم نے آپ پر ایسا نیزہ چلایا کہ آپ اس کے کاری زخم کی تاب نہ لا سکے ۔ اور ایک جاں نثار و فادار کی طرح دادِ شجاعت دے کر جگر گوشۂ رسول و فرزند بتول کی نصرت و حمایت میں اپنی جان قربان کر کے شہادت سے سرفراز ہو گئے ۔ امام عالی مقام حر کو میدانِ جنگ سے اٹھا کر لائے اور اپنے زانوے اقدس پر اُن کا سر رکھ کر اپنے دامنِ اطہر سے ان کے چہرے کے گرد و غبار کو صاف کرنے لگے ۔ حُر میں ابھی ذرا سی جان باقی تھی آنکھیں کھول دیں اور جب یہ دیکھا کہ میرا سر فرزندِ رسول کی گود میں ہے تو اپنے مقدر کی خوش بختی پر ناز کرتے ہوئے فردوسِ بریں کو روانہ ہو گئے ۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت امام حُر کی وفاداری اور جاں نثاری کو یاد کر کے روتے تھے اور یوں فرماتے جاتے تھے کہ ؎

وَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بْنُ رِيَاحِيْ	صَبُوْرٌ عِنْدَ مُشْتَبَكِ الرِّمَاحِ
یعنی حر بن یزید ریاحی بہت ہی اچھا حُر ہے ۔	جو نیزوں کے گھمگھٹے میں بھی صابر رہا

وَنِعْمَ الْحُرُّ اِذْ نَادٰی حُسَیْنًا ۔۔۔ وَجَادَ بِنَفْسِهٖ عِنْدَ الصَّبَاحِ

اور حر کتنا اچھا ہے؟ کہ اُس نے حسین کو پکارا ۔۔۔ اور صبح کے وقت اس نے اپنی جان کی سخاوت کردی

حُر کی شہادت کے بعد اُن کے بھائی مُصعب اور حُر کے فرزند علی بن حر، اور حُر کے غلام نمرہ یہ تینوں بھی انتہائی جان بازی کے ساتھ یزیدی لشکر سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت سے سیراب ہو گئے!

الغرض اسی طرح اہل بیت کے تمام رفقاء و جاں نثاران نوبت بہ نوبت میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے کر اپنی جانیں قربان کر چکے اور بچاس سے زیادہ جاں نثارانِ اہلبیت شہید ہو چکے۔ اب صرف خاندانِ اہلبیت باقی رہ گئے ہیں اور دشمنانِ خونخوار انھیں کے خون کے پیاسے ہیں اور جوانانِ اہل بیت بھی گو مٹھی بھر ہیں، مگر یزیدیوں کے لشکرِ جرار کے سامنے عزم و استقامت کا ناقابلِ تسخیر پہاڑ بن کر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ہر جوان شوقِ شہادت میں امام کی نصرت و حمایت کے لیے پروانہ وار نثار ہونے پر تیار ہے۔ نہ کسی کا حوصلہ پست ہے نہ کوئی جنگ سے فرار کا خواستگار ہے۔ ہر ایک کی یہی تمنا، اور ہر ایک کا یہی اصرار تھا کہ پہلے جاں نثاری کا ان کو موقع دیا جائے۔

چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیتِ نبوت کے نوجوانوں نے خاکِ کربلا کے صفحات پر اپنے خون سے شجاعت اور جاں نثاری کے جو نقوش بنائے ہیں۔ قیامت تک گردشِ لیل و نہار اُس کو مٹا نہیں سکتی۔ خاندانِ اسد اللہ الغالب کے شیرانِ حق نے اپنے مجاہدانہ حملوں سے کربلا کی زمین کو زیر و زبر کر دیا اور ان کی اسد اللہی تلوار کی ضرب سے بڑے بڑے بہادروں کے سینوں میں دل لرزنے لگے۔ ہاشمی جوانوں نے

کربلا کی تشنہ زمین کو دشمنوں کے خون سے سیراب کر دیا۔ ان کی تیغِ بے نیام دشمنوں کے لیے موت کا پیغام، اور ان کے نیزہ و سنان ظالموں کے حق میں قضا کا فرمان تھے۔ جدھر رخ کرتے دشمنوں کی صفیں درہم برہم ہو جاتیں اور یہ قلبِ لشکر تک پہنچ کر اس طرح دشمنوں کا قتلِ عام کرتے تھے۔ کہ گویا سوار مقتولوں کے سمندر میں تیر رہا ہے اسی طرح ہر ہاشمی جوان اپنی جاں بازی اور شجاعت کے جوہر دکھا کر اور سیکڑوں بدباطنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر امام عالی مقام پر اپنی جان قربان کر کے شہید ہوتا رہا۔ یزیدی یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے انھیں مار ڈالا اور یہ لوگ مر گئے۔ لیکن زمینِ کربلا کا ذرہ ذرہ اور ساری خدائی پکار رہی تھی اور خود خدا یہ اعلان فرماتا رہا تھا کہ "بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ" یعنی کبھی کوئی اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لائے کہ یہ لوگ مر گئے۔ یہ مردہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ لوگ "زندہ" ہیں سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا کسی نے ؎

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

حضراتِ گرامی! یوں تو خاندانِ اہلِ بیت کے ہر ایک جوان نے اس حق و باطل کے عظیم معرکہ میں انتہائی جذبۂ ایمانی و جوشِ اسلامی کے ساتھ اپنی قیمتی جان کو قربان کر کے دونوں جہاں کی سرخروئی حاصل کی اور ایسی سرفروشی و جاں بازی کے ساتھ دشمنانِ دین کا مقابلہ کیا کہ کربلا کی زمین کا ذرہ ذرہ تحسین و آفرین کا نعرہ بلند کرنے لگا۔ مگر میں اس وقت چند شہدائے اہلِ بیت کی شہادتوں کے تفصیلی مناظر کی بھی چند جھلکیاں آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں۔ تاکہ

آپ بھی اس کو سن کر اپنی اسلامی رگوں کے قطراتِ خون میں جذبۂ ایمانی کی حرارت محسوس کرنے لگیں!

حضرتِ قاسم

حضرات! آپ نے جناب قاسم بن حسن کا نام نامی سنا ہوگا۔ یہ اہل بیت کے بہت سے جوانوں کی شہادت کے بعد حضرتِ امام سے جنگ کی اجازت طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ یہ حضرت امام کے حقیقی بھتیجے یعنی حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزندار جمند، اور حضرت امام عالی مقام کی دختر نیک اختر بی بی سکینہ سے ان کی نسبت بھی طے ہو چکی ہے۔ بوٹا سا قد، نوجوانی کا عالم، سبزہ آغاز، ایک پیکرِ حسن وجمال ہے۔ جو حضرت امام سے گردن کٹانے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ امام عالی مقام نے محبت بھری نظروں سے بھتیجے، اور ہونے والے داماد کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا۔ قلب میں ایک ٹھیس لگی اور دل کے جذبات آنسو بن کر پلکوں پر نمودار ہو گئے۔ فرمایا کہ بیٹا قاسم! تم میرے مرحوم بھائی کی نشانی اور یادگار ہو۔ بھائی مرحوم مجھے داغِ مفارقت دے گئے۔ اب اُن کی یاد آنے پر تمھیں کو دیکھ کر میں تسلی حاصل کرتا ہوں۔ بھلا مجھے کب اور کس طرح یہ گوارا ہو سکتا ہے؟ کہ تم میرے سامنے خاک وخون میں تڑپتے ہوئے گلا کٹاؤ اور میں دیکھتا رہوں۔ بیٹا! میں اس صدمۂ جانکاہ کو برداشت کرنے کی تاب وطاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے میں تمھیں جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا لیکن جناب قاسم کی بیقراری اور گریہ وزاری دیکھ کر اور اُن کے اصرار سے مجبور ہو کر بالآخر حضرت امام نے اُنھیں میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دیدی۔ حضرت قاسم شوقِ شہادت میں اس قدر وارفتہ تھے کہ اجازت پاتے

ہی خوشی سے اچھل پڑے۔ اور جلدی جلدی جنگی لباس پہن کر اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر پہلے خیمہ میں تشریف لے گئے اور سب اہلِ خیمہ کو آخری سلام کر کے حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ماں کی ماری ماں، جان چھڑکنے والی پھوپھی اور دُلھن بننے کی آس لگانے والی منگیتر بی بی سکینہ نے دنیا سے سفر کرنے والے مسافر کا آخری دیدار کیا اور جوشِ غم سے سب کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کہ اب چند منٹوں میں یہ نور کی تصویر خاک و خون میں مل جانے والی ہے۔

جب امام عالی مقام کو آخری سلام کرتے روانہ ہونے لگے تو حضرت امام نے آگے بڑھ کر نہایت گرم جوشی کے ساتھ بھتیجے کو اپنے سینے سے لگا لیا اور دعائیں دے کر وداع فرمایا۔ جناب قاسم حضرت امام سے رخصت ہو کر جوشِ جہاد میں بھرے ہوئے گھوڑا دوڑا کر اشقیاء کی صفوں کے سامنے پہنچ گئے اور رجز کے چند اشعار پڑھ کر فرمایا کہ اے یزیدیو! اب جس کے سر پر موت سوار ہو وہ میرے سامنے آئے اور میری شمشیر آبدار کی اسد اللّٰہی مار سے اپنے خون میں نہائے۔ شہزادے کی اس ہاشمی للکار سے گروہِ اشقیاء پر ایسی ہیبت سوار ہو گئی کہ باوجود بار بار کی پکار اور للکار کے کسی میں یہ جرأت و ہمت نہیں ہوئی کہ آپ کے سامنے آتا ابن سعد نے جب یہ دیکھا کہ یزیدی لشکر میں سے کوئی بھی حضرت قاسم کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلتا تو اُس نے ارزق شامی سپہ سالار کو پکارا جو یزید کی طرف سے سالانہ دس ہزار دینار تنخواہ پاتا تھا۔ جب ارزق شامی ابن سعد کے پاس پہنچا۔ تو ابن سعد نے کہا کہ اے ارزق! دیکھ! بڑی دیر سے یہ نوجوان مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے۔ مگر ہمارے لشکر میں سے کسی کی بھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اس کے چیلنج کا جواب دے سکے۔

اس لیے اب میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو ایک ہزار سوار لیکر اس کے مقابلہ کے لیے میدان میں نکل پڑ۔ ازرق نے غضبناک ہو کر کہا کہ اے ابن سعد! تجھے شرم نہیں آتی؟ کہ تو مجھ جیسے نامی گرامی پہلوان کو جس کی ہیبت سے مصر و شام کی زمین ہل رہی ہو ایک، ایسے کمسن لڑکے سے لڑنے کے لیے بھیج رہا ہے۔ جس کے منہ سے ماں کے دودھ کی بو آرہی ہے۔ اے ابن سعد! سارا مصر و شام جانتا ہے کہ میں اکیلا ایک ہزار بہادرانِ نامدار کا مقابلہ کرتا ہوں کیا آج میں ایک بچے کے مقابلہ میں جاکر اپنی ناک کٹادوں؟ اگر میں نے اس بچے کو قتل کر دیا جب بھی میں بدنام ہو جاؤں گا کہ میں نے ایک بچے سے جنگ کی۔ خدا کی قسم! اگر تو میرے جسم کے پرزے پرزے اڑادے گا جب بھی میں ایک بچے کے خون سے اپنی تلوار کو آلودہ نہیں کروں گا۔ ابن سعد! نے کہا کہ اے ازرق! ارے تو کس گھمنڈ میں ہے؟ تو ان کی کمسنی اور نازک بدنی کو مت دیکھ۔ افسوس! تو انھیں پہچانتا نہیں کہ یہ کون ہیں؟ ارے یہ شیر دلیر حضرت امام حسن مجتبیٰ کے فرزند ارجمند اور فاتح خیبر علی حیدر کے پوتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر یہ بھوکے پیاسے نہ ہوتے تو یہ اکیلے ہی قہرِ الٰہی کی بجلی بن کر ہمارے پورے لشکر کے خرمنِ زندگی کو خاکستر بنا ڈالتے۔ جب ابن سعد نے لگاتار اصرار سے ازرق شامی کو مجبور کر دیا۔ تو اُس نے کہا کہ اے ابن سعد! خواہ کچھ بھی ہو جائے گر میں اس بچے سے تو نہیں لڑوں گا۔ لیکن تیری خواہش ہے تو اس جنگ میں میرے چار فرزند موجود ہیں جو شجاعت و دلاوری میں شہرۂ آفاق ہیں ان میں سے ایک کو بھیج دیتا ہوں۔ وہ چند منٹوں میں اس کا سر کاٹ کر لائے گا۔ چنانچہ ازرق کا ایک بڑا بیٹا صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قیمتی تلوار چمکاتا ہوا

اور بادل کی طرح گرجتا اور دڑاتا ہوا میدان میں نکلا۔ حضرت قاسم نے اس کو آتا دیکھ کر نہایت بے خوفی کے ساتھ یہ فرمایا کہ افسوس! تیرے باپ کو تجھ پر رحم نہیں آیا؟ کہ تجھ کو میری تلوار کا لقمہ بننے کے لیے میدان میں بھیج دیا؟ اچھا آگے بڑھ۔ چنانچہ جیسے ہی وہ حملہ کے لیے آگے بڑھا حضرت قاسم نے اپنا خنجر اُس کے شکم میں بھونک دیا اور وہ اس زخم کی تاب نہ لاکر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑا۔ پھر آپ نے نہایت ہی پھرتی اور چابک دستی کے ساتھ جھپٹ کر اُس کی تلوار چھین لی اور اُس کے لمبے لمبے بالوں کو پکڑ کر جو گھوڑا دوڑایا تو وہ گھسٹتے گھسٹتے مر گیا۔ پھر آپ نے اُس کی لاش کو گھوڑے کی ٹاپوں سے روند کر اُس کی ہڈیوں کو بھی چکنا چور کر دیا۔ ازرق کا دوسرا بیٹا اپنے بھائی کو اس طرح قتل ہوتا دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا اور دیوانہ وار آگے بڑھ کر ایک دم جناب قاسم پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ حضرت قاسم نے مڑ کر ایسا پینترا بدلا کہ دشمن کا وار خالی گیا اور آپ نے پلٹ کر اس کے پہلو میں ایسا نیزہ مارا کہ اِدھر سے اُدھر پار ہو گیا۔ اور وہ وہیں گھوڑے سے گر کر زمین پر ڈھیر ہو گیا پھر ازرق کا تیسرا بیٹا حملہ کے لیے جھپٹا۔ تو آپ نے اس کو بھی ایک نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔ اب ازرق کا چوتھا بیٹا اپنے تینوں بھائیوں کا انتقام لینے کے لیے پاگلوں کی طرح تلوار گھماتا ہوا دوڑ پڑا۔ اور منہ میں جھاگ بھر کر گالیاں دینے لگا۔ حضرت قاسم نے فرمایا کہ بدلگام! ہوش میں آ۔ عورتوں کی طرح گالیاں اور کوسنے دینا مردوں کی شان نہیں ہے۔ اگر جرأت ہے تو آگے بڑھ کر حملہ کر۔ وہ کہنے لگا کہ قاسم! تم نے میرے تین بھائیوں کو قتل کر دیا۔ خدا کی قسم جب تک میں تمھیں قتل کر کے اپنے بھائی کا بدلہ نہ لے لوں گا مجھے قرار نصیب نہیں ہو سکتا۔ حضرت قاسم نے ہنس کر فرمایا!

کر مت گھبرا میں تجھے قرار دینے اور تجھ کو تیرے بھائیوں کے پاس پہنچا دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ کہا اور تلوار کا ایک بھرپور جنچا تلا ہاتھ مارا تو مغرور کا سیدھا ہاتھ کٹ کر دور جا پڑا اور وہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ آپ نے للکارتے ہوئے اس کا تعاقب فرمایا۔ مگر وہ اپنے لشکر میں جا گھسا اور زخم کی تاب نہ لا کر گھوڑے سے گر پڑا اور مر گیا۔

ازرق اپنے چار ہونہار اور مشہور شہسوار بیٹوں کو اس طرح ذلت کے ساتھ قتل ہوتا دیکھ کر غیظ و غضب میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور منہ میں جھاگ بھر کر غصہ میں دانت پیستے ہوئے اور جھلاہٹ میں داڑھی کے بال نوچتے ہوئے۔ گھوڑا کدا کر میدان میں نکل پڑا اور کہنے لگا کہ بچے! تم نے بچوں کو تو مار لیا لیکن اب تجھ کو مجھ سے پالا پڑا ہے۔ سنبھل جا! کہ اب تیری زندگی کے صرف چند ہی لمحات باقی رہ گئے ہیں۔ جناب قاسم نے حقارت کے ساتھ اس کو جواب دیا کہ ازرق! ذرا ہوش کی دوا کر۔ تو شامیوں کے لیے طاقت کا پہاڑ ہوگا۔ ابھی تک تو نے ہاشمی کچھار کے شیروں کو نہیں دیکھا ہے ہماری رگوں میں حیدر کرار کا خون ہے۔ ہماری نگاہِ قہر و جلال کے سامنے تو ایک مکھی اور مچھر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ازرق یہ خون کھولا دینے والا طعنہ سن کر اور بھی آگ بگولہ ہوگیا اور نیزہ بازی شروع کر دی۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ برابر کی چوٹیں ہیں تو غضبناک ہو کر تلوار نکال لی۔ حضرت قاسم نے بھی تلوار کھینچ لی اور آگے بڑھے تو ازرق نے آنکھیں پھاڑ کر غور سے دیکھا اور حیران ہو کر پوچھا کہ قاسم! یہ تلوار تو میرے لڑکے کی ہے۔ یہ تمہارے ہاتھ کہاں سے آگئی؟ حضرت قاسم نے ہنس کر فرمایا کہ ہاں تیرا بیٹا اپنی یادگار کے طور پر یہ تلوار مجھے اس لیے دے گیا ہے تاکہ ابھی میں تجھے موت کا

ذائقہ چکھاکر تجھے تیرے بیٹوں کے پاس پہنچادوں۔ ارزق یہ سُن کر فرطِ غضب سے بپھر گیا اور جونہی حملہ کے لیے تلوار اٹھائی حضرت قاسم نے فرمایا کہ ارزق! سنبھل۔ ہم تجھے بڑا تجربہ کار شہسوار سمجھتے تھے مگر تم تو بالکل ہی اناڑی نکلے۔ تم کو اپنے گھوڑے کی پیٹی کا بھی دھیان نہیں کہ وہ ڈھیلی ہو چکی ہے؟ ارزق جلدی سے جھک کر گھوڑے کے تنگ کو دیکھنے لگا۔ اتنے میں حضرت قاسم نے اُس کی کمر پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور آپ اچھل کر اُس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ "یاعمّاہ العطش، العطش"۔ چچا جان! پیاس۔ پیاس! امام تشنہ کام نے فرمایا کہ نورِ نظر! ذرا دیر اور صبر کرو۔ عنقریب تم نانا جان کے مقدس ہاتھوں سے جامِ کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ گے! چچا جان کا فرمان سن کر حضرت قاسم پھر میدان کی طرف پلٹ پڑے اور یہ دیکھا کہ ابنِ سعد قلب لشکر میں کھڑا ہو کر یزیدی فوجوں کی کمان کر رہا ہے۔ آپ نے سوچا کہ کیوں نہ اسی خبیث کو قتل کر کے سرخرو ہو جاؤں۔ چنانچہ برق خاطف کی طرح گھوڑا چمکا کر قلب لشکر میں پہنچ گئے۔ مگر دشمنوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا اور چاروں طرف سے آپ پر نیزہ و تلوار کی بوچھاڑ شروع کر دی یہاں تک کہ ۲۷ زخم کھاکر آپ نڈھال ہو گئے اور گھوڑے سے گر پڑے۔ شیث بن سعد منحوس نے آپ کے سینہ پر ایک نیزہ مارا۔ اُس وقت آپ نے "یاعمّاہ اَدرِکنِیْ" فرمایا۔ یعنی اے چچا جان! میری خبر گیری فرمائیے۔ حضرت امام بھتیجے کی دردناک پکار سن کر دوڑ پڑے اور دیکھا کہ پیکرِ نور خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا ہے۔ امام نے مقدس لاش کو انتہائی محبت سے گود میں رکھ لیا اور چہرۂ پُرنور سے خاک و خون کے دھبوں

کو صاف کرنے لگے۔ اتنے میں قاسم جاں باز نے آنکھیں کھول دیں اور اپنا سر امام کی آغوشِ رحمت میں دیکھ کر فرطِ مسرت سے مسکرائے اور ایک دم اپنی نقدِ جان خلاق ہر دو جہاں کے نام پر قربان کر کے دار الجناں کے مہمان بن گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

برادرانِ ملت! اسی طرح حضرت قاسم کے تینوں بھائی عبد اللہ بن حسن اور عمر بن حسن اور ابو بکر بن حسن بھی انتہائی جاں بازی کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہو گئے!

حضرت عباس بن علی

برادرانِ ملت! اب وہ وقت آگیا کہ اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند جناب عباس علمدار حضرت امام سے میدانِ کارزار کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اور عرض کرتے کہ بھائی جان! سب بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں نے بھوکے پیاسے جام شہادت نوش کر لیا۔ لیکن اب ننھے ننھے بچوں کا پیاس سے تڑپنا اور ان کا بلکنا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ للہ! اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی جان پر کھیل کر ایک مشک پانی لاؤں اور ان پیاسوں کو سیراب کروں۔ حضرت امام زار زار رونے لگے اور فرمایا کہ بھائی عباس میرے علمدار تم ہی ہو۔ اب تم بھی [illegible] کہ تمہارے بعد میرا علم کون اٹھائے گا؟ اور میرے قلب مجروح پر مرہم کون [illegible] گا؟ حضرت عباس نے روتے ہوئے عرض کیا کہ اے ابنِ رسول اللہ! میری جان آپ پر قربان۔ خدا کی قسم اب زندگی میں کوئی مزا باقی نہیں رہا۔ یہ سر گردن پر ایک بارِ گراں معلوم ہوتا ہے۔ اور میں دنیا سے بالکل تنگ آچکا ہوں۔ بس اب میری آخری تمنا

یہی ہے کہ ساقیِ کوثر کے دلاروں کو چند گھونٹ دریائے فرات کا پانی پلا کر میں بھی جلد سے جلد بھائیوں اور بھتیجوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ حضرت عباس کے اصرار سے مجبور ہو کر حضرت امام نے اجازت دے دی۔

حضرات! جناب عباس بہت طاقتور بہادر، اور انتہائی تجربہ کار شہسوار تھے۔ اور کیوں نہ ہو؟ کہ آپ حیدرِ کرار کی قوتِ بازو کے وارثِ نامدار تھے۔ جس وقت آپ ایک مشک کاندھے پر لٹکا کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور مصری تلوار چمکاتے ہوئے رزم گاہ میں تشریف لائے تو سرزمین کربلا کا ذرہ ذرہ پکار اٹھا کہ ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے
ہر قصرِ سلاطینِ زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

کیا شان ہے؟ اللہ رے ضیاءِ رخِ انور
کیا نور ہے جس نور سے ڈھالیں تھیں منور
بس دامنِ صحرا پہ گری نور کی چادر
جن آنکھیں بچھانے لگے ہر ایک قدم پر
دکھلائی جوانی کی جلن جب کبھی رک کر
سینہ سے لگایا فلکِ پیر نے جھک کر

میدان میں آکر آپ نے اپنی گرجدار آواز سے فرمایا کہ اے کوفیانِ بے وفا اور اے شامیانِ پُر دغا! تم لوگوں نے جگر گوشۂ رسول و فرزند بتول کو ڈیڑھ سو عرضیاں بھیج کر مہمان بلایا اور جب وہ مقدس مہمان سفر کی مشقتیں برداشت کر کے تمہاری زمین میں رونق افروز ہوا۔ تو ؎

مسافروں کو نہ دی ایک بوند پانی کی
بلا کے گھر میں غرض خوب میہمانی کی

اے ظالمو! میں اب بھی کہتا ہوں کہ تم لوگ حضرت امام کے خونِ ناحق سے باز آجاؤ اور ساقیِ کوثر کے پیارے بچوں کو اس طرح پیاس سے نہ تڑپاؤ۔ تم لوگ نواسۂ رسول اور گلشنِ فاطمہ کے سب سے ننھے اور نازک پھول یعنی علی اصغر کی پیاس پر رحم کھاؤ کہ وہ نور کی صورت اور حسن و جمال کا زم و نازک پیکر پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر بھوکی پیاسی ماں کی گود میں دم توڑ رہا ہے کم از کم اتنا پانی تو دیدو کہ گلشنِ نبوت کا یہ ننھا پودا تو سیراب ہو جائے۔

حضرات گرامی! بے رحم کوفیوں اور شامیوں کے سینوں میں دل کی جگہ شاید پتھر کا کوئی ٹکڑا تھا کہ جناب عباس کی تقریر سن کر ذرا بھی انھیں رحم نہیں آیا بلکہ ابن سعد، اور شمر و شیث چلا چلا کر یہ کہنے لگے کہ اے عباس! جب تک حسین بن علی، یزید کی بیعت نہ کریں گے خدا کی قسم ہم ہرگز ہرگز ان کے خیمہ میں پانی کی ایک بوند بھی نہیں جانے دیں گے۔ بلکہ اسی طرح اہل بیت کے ایک ایک بچے کو بھوکا پیاسا ذبح کر ڈالیں گے۔ حضرت عباس دشمنوں کا یہ ظالمانہ جواب سن کر جوشِ جہاد میں بیخود ہو گئے۔ اور گھوڑا چمکا کر بجلی کی طرح خنجر آبدار و چمکتی تلوار دھواں دھار چلاتے ہوئے اور گروہِ اشقیا کو موت کی آغوش میں سلاتے ہوئے آگے بڑھے۔ ابن سعد نے جب آپ کو آتے دیکھا تو گھبرا کے چلانے لگا کہ خبردار! میرے سپاہیو! بہت ہی چاق و چوبند اور ہوشیار رہنا۔ اس لئے

آتا ہے خبردار، اب عباسِ علمدار		ناگاہ زمیں رن کی ہوئی مطلعِ انوار
ہر چار طرف سے یہ اُٹھا غلغلہ اک بار		ہشیار، خبردار۔ خبردار، خبردار

اے صلِّ علیٰ کیا پسرِ شیرِ خدا ہے
یہ شیرِ خدا اگر نہیں۔ شمشیرِ خدا ہے

صحرا ہوا پُر نور زہے طلعتِ عباس		لرزہ ہے دلیروں میں زہے ہیبتِ عباس
ملتا ہے مزہ دل کو زہے، صورتِ عباس		کیا حسن ہے؟ کیا جاہ؟ زہے شوکتِ عباس

بازوئے حسین آتا ہے شمشیر زنی کو
یا شیرِ خدا آتے ہیں، خیبر شکنی کو

الغرض عباس علمدار اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر دشمنانِ ستم شعار کی صفوں کے سامنے سینہ تان کر مجاہدانہ شان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور نیزہ ہلا ہلا کر فرمانے لگے کہ ؎

اعدا کو سنا کر کہا کون آتا ہے؟ دیکھیں		نیزہ کو ہلا کر کہا، کون آتا ہے دیکھیں
تیروں کو ملا کر کہا، کون آتا ہے؟ دیکھیں		شمشیر دکھا کر کہا، کون آتا ہے؟ دیکھیں

ہم شیر ہیں، ہم کو کوئی للکار سکے گا؟
تلواریں تو کیسی؟ کوئی دم مار سکے گا؟

ہاں! مجھ کو رکھو یاد، میں حیدر کا پسر ہوں		اور باغِ نبوت کے شجر کا میں ثمر ہوں
میں دیدۂ ہمت کے لیے نورِ نظر ہوں،		پیاسا ہوں مگر ساقیِ کوثر کا پسر ہوں

واللہ! مری ضرب طمانچہ ہے بلا کا
دلبند ہوں میں شیرِ خدا شیرِ خدا کا

ہشیار ہو! میں فاتحِ خیبر کا پسر ہوں		سقائے حرم ساقیِ کوثر کا پسر ہوں
میں شیرِ خدا قاتلِ عنتر کا پسر ہوں		عباس مرا نام ہے حیدر کا پسر ہوں

پانی کے لیے آتا ہوں، تم روک تو دیکھو
شیروں کی لڑائی ہے ذرا ٹوک تو دیکھو

حضرت عباس نے یہ کہا اور گھوڑا دوڑا کر دشمنوں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے ہوئے اس زور شور سے آگے بڑھے کہ گرد و غبار کے بادل میں یزیدی لشکر کا دل بادل درہم برہم ہو گیا۔ اور باوجودیکہ دشمنانِ کور باطن چرخِ شجاعت کے اس روشن ستارہ کو چاروں طرف سے بادلوں کی طرح گھیر کر نیزہ و تلوار کا مینھ برسا رہے تھے مگر پھر بھی یہ حیدر کرار کی گود کا پالا شہسوار کئی ہزار پیادہ و سوار کو مارتے کاٹتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے پہنچ گیا۔ اور مشک کو پانی سے بھر لیا۔ اس زبردست حملہ اور مار دھاڑ کی وجہ سے آپ پر بے انتہا پیاس کا غلبہ ہو گیا۔ چنانچہ شدتِ تشنگی سے بے تاب ہو کر آپ نے چلو بھر پانی ہاتھ میں لیکر چاہا کہ پی لیں۔ تاکہ تازہ دم ہو کر اعداء سے لڑتے ہوئے، پانی کی مشک خیمۂ اہل بیت میں پہنچا دیں۔ مگر جونہی پانی منہ کے قریب لے گئے عابد بیمار، اور علی اصغر شیر خوار کی پیاس یاد آگئی۔ آپ کی غیرتِ ایمانی نے یہ قبول نہیں کیا کہ ساقی کوثر کے بیٹے تو پیاس سے تڑپتے رہیں اور میں پانی سے سیراب ہو جاؤں چنانچہ فوراً ہی آپ نے چلو کا پانی پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ اے دریائے فرات! گواہ رہنا کہ تیرا ایک ایک قطرہ اس وقت تک مجھ پر حرام ہے جب تک کہ میں ساقیِ کوثر کے دلاروں کو بھر پیٹ پانی نہ پلا لوں۔ یہ کہا اور مشک کو اپنے کاندھے پر لٹکا کر خیمہ کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ ابن سعد نے اپنے

لشکر کو للکار کر کہا۔ کہ خبردار۔ ہوشیار! اگر یہ مشک خیمۂ اہل بیت میں پہنچ گئی۔ اور شیرِ خدا کے شیروں کو پانی مل گیا۔ تو تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہے گا جس کے بچے یتیم، اور جس کی بیویاں بیوہ نہ ہو جائیں۔ یہ سنتے سیاہ شام نے عباسِ تشنہ کام کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور تیر و تلوار کی بارش کرنے لگے۔ یہاں تک کہ نوفل مردود نے پیچھے سے دھوکا دے کر ایسی تلوار چلائی کہ آپ کا داہنا بازو شہید ہو گیا۔ اور آپ نے جھپٹ کر بائیں کاندھے پر مشک لٹکا لی۔ پھر کسی ستم شعار نے ایسی تلوار ماری کہ آپ کا بایاں بازو بھی کٹ کر دور زمین پر گر پڑا۔ جب دونوں بازو کٹ گئے تو آپ نے جھک کر مشک کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ اور گھوڑے کی رکاب دشمنوں کو ٹھوکر مارتے ہوئے خیمہ کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ کہ ناگہاں کسی ظالم نے ایسا تاک کر مشک پر تیر مارا کہ مشک میں سوراخ ہو گیا اور پانی گرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ جب خیمہ کے پاس پہنچے تو مشک میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں تھا اور جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ نڈھال ہو کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑے اور آخری وقت میں یہ کہہ کر حضرت امام کو پکارا کہ "يَا أَخَاهُ أَدْرِكْ أَخَاكَ" یعنی اے بھائی جان! اپنے بھائی کی خبر لیجئے۔ حضرت امام اس آواز پر بے تابانہ دوڑ کر پہنچے تو کیا دیکھا؟ کہ عباس علمدار خون میں نہائے ہوئے بہشت بریں کا سرخرو ستارہ بننے کے لیے تیار ہیں۔ حضرت امام نے اس زور سے آہ کھینچی کہ کربلا کی زمین شدتِ غم سے دہل گئی اور آپ کو اپنی آغوشِ رحمت میں اٹھا کر خیمۂ اطہر میں لائے اور زبانِ مبارک پر غم میں ڈوبے ہوئے یہ کلمات تھے کہ اَلْآنَ اِنْکَسَرَ ظَهْرِیْ

وَ قَلَّتْ حِیْلَتِیْ" یعنی اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور میرا سہارا کوئی نہ رہا۔ پھر آپ روتے ہوئے حضرت عباس کے خون آلود چہرے پر اپنا منہ رکھ کر اے بھائی۔ اے بھائی کہکر پکارنے لگے سے

چلائے گر کے لاش پہ شبیر نامدار　　بھائی تمہاری نرگسی آنکھوں پہ ہیں نثار
اس نزع میں بھی تھا تمہیں بھائی کا انتظار　　آنکھیں پھرا کے ڈھونڈھتے ہو مجھ کو بار بار

شاید زباں ہے بند جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

بے تاب ہے حسین، برادر! جواب دو　　اے میرے نوجوان، مرے صفدر! جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبر جواب دو　　اے نورِ چشمِ ساقیِ کوثر جواب دو

لکنت زبانِ خشک کو ہے تشنہ کام ہیں
بھائی تمہارے سر کی قسم! ہم تمام ہیں

یہ بات سن کے نزع میں عباس تھرتھرائے　　قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہ کے آئے
دو بار سر پٹک کے پکارے کہ ہائے ہائے　　پُرخوں دہن حسین کے قدموں کے پاس لائے

ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پر دھرا رہا، اور دم نکل گیا

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرات اسی طرح حضرت عباس کے دوسرے بھائی یعنی عثمان بن علی و عبداللہ بن علی و محمد بن علی و جعفر بن علی سب یکے بعد دیگرے نہایت ہی جوش جہاد کے ساتھ لڑتے ہوئے راہ حق میں اپنا گلا کٹا کر شہید ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اجمعین)

حضرت علی اکبر

حضراتِ گرامی! اب امام کے سامنے آپ کے نورِ نظر حضرت علی اکبر حاضر ہیں اور میدانِ جنگ کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اللہ اکبر! عجیب وقت ہے کہ چہیتا بیٹا شفیق باپ سے سر کٹانے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔

اگر تو صاحبِ اولاد ہو گا
تجھے اولاد کا غم یاد ہو گا

عزیزانِ ملت! درحقیقت حضرت امام کے لیے بڑے امتحان کا وقت تھا۔ اٹھارہ برس کا جوان بیٹا، بڑھاپے کا سہارا، پیری کا عصا۔ اجازت دیں تو کس قلب و جگر سے؟ اور نہیں اجازت دیتے تو گلشنِ رسالت کا گلِ شاداب رنج و غم سے کھلایا جاتا ہے کیونکہ اس آرزومندِ شہادت کو شوقِ جہاد نے اس قدر وارفتہ بنا دیا تھا کہ اگر حضرت امام ان کو میدانِ جنگ میں جانے سے روک دیتے تو صدمات سے ان کے سینے میں شیشۂ دل پاش پاش ہو جاتا۔ چاروناچار حضرت امام کو اجازت دینی ہی پڑی۔

حضرات! حضرت علی اکبر کا لقب "شبیہ پیمبر" ہے یعنی ان کی شکل و صورت اور چہرے کا نقشہ ہو بہو جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب دیدارِ محمدی کا شوق بے تاب کرتا تھا تو وہ دور دور سے سفر کر کے مدینہ منورہ آتے تھے اور علی اکبر کے چہرۂ انور کا جمال دیکھ کر ان کے

دلوں کو تسلی حاصل ہو جاتی تھی۔ یہ نور کا پیکر اور تنویر مصطفےٰ کا مرقع، جس کے جمالِ صورت پر ہزاروں رعنائیاں تصدق اور جس کے قدموں پر نوجوانی کی لاکھوں بہاریں قربان ہو رہی تھیں، جب وقت میدانِ جنگ کا ارادہ کر کے روانہ ہونے لگا تو حضرت امام خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور تبرکات کا صندوق کھول کر بہترین تبرکات جو محفوظ تھے نکال کر لائے۔ اور عروسِ شہادت کی گود میں قیامت تک سونے والے دولھا کو ان مقدس تبرکات سے آراستہ فرما دیا۔ اور اپنے شاہزادہ علیِ اکبر کو اس شان سے میدان میں بھیجا کہ ؎

قبائے رحمتِ عالم پہنائی جسمِ اطہر پر
شہِ خیبر کے پٹکے سے کمر باندھی گئی کس کر

سرِ انور پہ رکھا خود، انہی زرہ پہنائی
بڑھائی جوشن و چار آئینہ سے شانِ رعنائی

سجائے دست و بازو نیزہ و شمشیر و خنجر سے
دعا مانگی اٹھا کر دستِ رحمت ربِّ اکبر سے

الٰہی! یہ میرا لختِ جگر ہے راحتِ جاں ہے
یہ تیری راہ میں سوجاں سے اب ہونے کو قرباں ہے

خداوندِ جہاں! مقبول فرما میری قربانی
عطا کر صبر اس کو جب ہو اس پر تیر بارانی

دعائیں دیں کہا نورِ نظر! جاؤ خدا حافظ
رہِ حق میں عدو سے جنگ فرماؤ، خدا حافظ

غرض مقدس باپ کی پیاری پیاری دعاؤں سے دامن بھر کر یہ اسد اللّٰہی شیر میدان میں آیا۔ اور ذوالفقارِ حیدری چمکا کر مجاہدانہ لہجے میں رجز کا یہ شعر پڑھا کہ ؎

أَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيّ
نَحْنُ أَهْلُ الْبَيْتِ أَوْلَى بِالنَّبِيّ

یعنی اے گروہِ اشقیاء! تم مجھے جان لو اور پہچان لو کہ میرا نام علی اکبر ہے، اور میں امام حسین کا بیٹا ہوں اور امام حسین فاتح خیبر علی حیدر کے نورِ نظر ہیں اور یاد رکھو

کہ ہم "اہل بیت" ہیں۔ اور سن لو کہ خدا کے اس آسمان کے نیچے اور خدا کی اس زمین کے اوپر خدا کے نبی کا ہم سے زیادہ قریبی رشتہ دار کوئی نہیں ہے۔

شہزادہ نے جس وقت یہ رجز پڑھی تو آپ کی مجاہدانہ ہیبت سے ریگستان کربلا کا ذرہ ذرہ کانپ اٹھا اور کور باطن یزیدیوں کو جب شبیہ پیمبر علی اکبر کے چہرۂ انور پر جمالِ مصطفےٰ کی تجلیاں نظر پڑیں تو وہ محوِ حیرت بن کر ابن سعد سے پوچھنے لگے کہ یہ کون سوار آگیا؟ کہ جس کے حسن و جمال کی تجلیاں نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ ابن سعد نے کہا کہ یہ امام حسین کے فرزند ہیں۔ جو جمالِ صورت میں ہم شکلِ مصطفےٰ اور جلالِ سیرت میں وارثِ علی مرتضیٰ ہیں۔ یہ سن کر یزیدی فوج میں ایک سناٹا چھا گیا اور ان کے ضمیر کی آواز نے انہیں جھنجھوڑا کہ اللہ اکبر! تنویر مصطفےٰ کی نورانی تصویر پر کون تلوار اٹھانے کی جرات کر سکتا ہے؟ لیکن یزید پلید کے انعام و اکرام کی طمع کا بھوت ان کے سروں پر سوار تھا اور دنیا کی حرص نے انہیں اس قدر اندھا بنا دیا تھا کہ وہ اہل بیت کی قدر و منزلت، اور اپنے کرتوت کی شامت و نحوست کو جانتے ہوئے بھی اپنی شقاوت سے باز نہیں آئے۔ اور آلِ رسول کے خونِ ناحق کا نہ مٹنے والا دھبہ اپنی پیشانیوں پر لگا کر دونوں جہاں کی روسیاہی میں گرفتار اور قہرِ قہار و غضبِ جبار کے سزاوار بنے! بہر کیف علی اکبر نے اعداء کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر ایک نعرہ مارا۔ اور فرمایا کہ اے ستمگارو! اگر تمہیں آلِ رسول کے خون کی پیاس ہے تو تم میں جو سب سے زیادہ بہادر ہو اس کو میدان میں بھیجو۔ اور تم کو زورِ بازوئے حیدر دیکھنا ہو تو میرے سامنے آؤ۔ شہزادۂ عالی وقار کی مجاہدانہ للکار سن کر لشکرِ اشرار سہم گیا اور کسی میں بھی یہ ہمت و جرات نہیں ہوئی کہ ذوالفقارِ

حیدری کا سامنا کرتا جب بار بار کی للکار کے باوجود کوئی خونخوار آگے نہیں بڑھا تو آپ نے خود ہی گھوڑا کدا کر دشمنوں کی صفوں پر حملہ کر دیا اور جس طرف رخ کیا ستمگاروں کا آہنی لشکر کائی کی طرح پھٹتا چلا گیا ایک ایک وار میں کئی کئی دیو پیکر خونخواروں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ کبھی لشکر کے میمنہ پر قہر الٰہی کی بجلی گرا دی تو خوف و ہراس سے دلاوروں کا لشکر زیر و زبر ہو گیا اور کبھی پلٹ کر فوج کے میسرہ پر عقاب کی طرح جھپٹے تو بہادروں کی صفوں کو درہم برہم کر ڈالا اور کبھی قلب لشکر میں غوطہ لگا کر نیزہ کی ضرب اور تلوار کی مار کا جو ہر دکھایا تو گردن کشوں کے سر موسم خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ جھڑ کر گرنے لگے۔ ہر طرف ایک شور برپا ہو گیا۔ بڑے بڑے سورماؤں کے اوسان خطا اور بڑے بڑے جنگجو بہادروں کی ہمتیں شکستہ اور حوصلے پست ہو گئے۔ شیر حق کا حملہ نہ تھا بلکہ قہر الٰہی کا ایک عذاب عظیم تھا جو اُن کے سروں پر برقِ خاطف بن کر مسلط ہو گیا تھا۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگا دیے اور کربلا کی زمین کو ظالموں کے خون سے رنگین بنا ڈالا۔ لیکن تیز دھوپ تپتا ہوا ریگستان، جھلسا دینے والی گرم گرم لُو کے تھپیڑے میں دوڑ دھوپ اور حملوں کی شدت نے اس مجاہد جاں باز کو پیاس سے بے قرار کر دیا۔ چنانچہ آپ پلٹ کر حضرت امام کی خدمت میں آئے اور مہربان باپ کو اپنی خشک زبان دکھا کر عرض کیا کہ "یَا اَبَتَاهُ اَلْعَطَشُ" یعنی ابا جان! پیاس کا غلبہ ہے۔ مگر یہاں پانی کہاں تھا؟ جو اس تشنۂ شہادت کو سیراب کیا جاتا۔ شفیق باپ نے اپنی انگشتری عنایت فرمائی اور کہا کہ بیٹا! اس کو منھ میں رکھ لو۔ مقدس باپ کی مشفقانہ تسلی سے کچھ تسکین ہوئی تو پھر رزم گاہ کا رخ کیا اور فرمایا کہ اے گروہِ اشرار! جس کے سر پہ موت کا سودا ہو۔

وہ شیر سے سامنے آئے اور ذوالفقار کی مار کا مزا چکھ لے۔ آپ نے کئی بار للکار کر مبارز طلب فرمایا۔ مگر کسی بہادر کا قدم آگے نہیں بڑھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بھوکے شیر کے سامنے بکریوں کا ایک گلہ ہے جو جان کے خوف سے دم بخود اور لرزہ براندام ہے۔

یہ منظر دیکھ کر ابن سعد نے طارق پہلوان سے کہا اے طارق! بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک اکیلا ہاشمی نوجوان میدان میں تم ہزاروں کو للکار رہا ہے۔ مگر تم میں کوئی بھی ایسا غیرت مند نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کرے۔ اے طارق! اگر تو آگے بڑھ کر اس نوجوان کا سر کاٹ لے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے عبید اللہ بن زیاد سے موصل کی گورنری کا پروانہ دلادوں گا۔ دنیا کا کتا طارق گورنری کے لالچ میں فرزند رسول کا خون بہانے کے لیے دوڑ پڑا اور نیزہ تان کر حضرت علی اکبر پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ مگر اسد اللّٰہی شجاعت کے وارث نے کمالِ ہنرمندی سے دشمن کے وار کو رد کر دیا اور خود آگے بڑھ کر طارق کے سینے میں ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پیٹھ سے پار ہو گیا۔ اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے گرا اور گرتے ہی مر گیا اور شہزادہ نے اپنے گھوڑے کی ٹاپ سے اس کی لاش کو روند کر اس کی ہڈیوں کو بھی چکنا چور کر دیا۔ طارق کے بیٹے عمرو بن طارق نے اپنے باپ کو اس ذلت کے ساتھ قتل ہوتے دیکھا تو اس پر خون سوار ہو گیا اور وہ غصہ میں آگ بگولا ہو کر جھلاّیا ہوا آگے بڑھا اور مجنونوں کی طرح حضرت علی اکبر پر حملہ کرنے لگا۔ مگر آپ نے ایک ہی نیزہ کی مار سے اس کو بھی اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔ طارق کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق باپ اور بھائی کا انتقام لینے کے لیے شعلہ جوالہ کی طرح اچھلتا کودتا تلوار لیکر

گھوڑے پر سوار ہوا اور حضرت علی اکبر پر چڑھ دوڑا۔ مگر آپ نے اُس کا پٹکا پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ وہ گھوڑے سے گرنے لگا۔ پھر آپ نے اس کو اس زور سے زمین پر پٹکا کہ اس کا دم نکل گیا اور حضرت علی اکبر کی ہیبت حیدری سے یزیدی لشکر میں زلزلہ آگیا ابن سعد نے غصہ میں آکر مصراع بن غالب کو حملہ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ نہایت متکبرانہ انداز میں نیزہ ہلاتا ہوا آپ کی طرف بڑھا اور جیسے ہی اُس نے نیزہ تانا آپ نے نیزہ پر ایسی تلوار ماری کہ اُس کا نیزہ قلم ہوگیا اور پھر اُس کے سر پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا سر دو ٹکڑے ہوکر زمین پر گر پڑا۔ ابن سعد نے جب یہ دیکھا کہ اب کسی بہادر میں اس شیرِ حق کے مقابلہ کی تاب و ہمت نہیں ہے تو اُس نے ایک بہادر پہلوان کو حکم دیا کہ وہ ایک ہزار سواروں کو ساتھ لیکر پہلے ان کا محاصرہ کرلے پھر دور سے تیروں کی بارش کی جائے اور جب یہ شیرِ خدا کا شیر زخمی ہوکر مضمحل ہو جائے تو اس کو نیزوں سے چھید کر تلوار سے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ستم شعاروں نے یکبارگی چاروں طرف سے گھیرا ڈال کر تیروں کی بارش شروع کردی۔ یہاں تک کہ زخموں سے چکنا چور ہوکر چمنِ فاطمہ کا یہ غنچۂ حسین اپنے خون میں نہا کر رنگین ہوگیا اور ابنِ نُمیر نے آپ کے سینۂ انور پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر تشریف لائے اور شفیق باپ کو پکارا کہ "یَا اَبَتَاہُ اَدْرِکْنِیْ"۔ ابا جان! اپنے نورِ نظر کو سنبھالئے۔ شہزادہ کی پکار پر حضرت امام بے تابانہ گھوڑا دوڑا کر میدان میں پہنچے اور آپ کو اُٹھا کر خیمہ میں لائے اور شبیہ پیمبر کے چہرۂ انور سے خون آلود غبار اپنے دامنِ اطہر سے صاف کرنے لگے۔ اتنے میں علی اکبر نے آنکھیں کھول دیں اور آخری بار حضرت امام کا دیدار کر کے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔

اور بہشتِ بریں کو روانہ ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت امام نے بادیدۂ تر لختِ جگر کی لاش کو فرشِ زمین پر لٹا کر زبانِ حال سے یہ فرمایا کہ ؎

جب خاک پر لٹا چکے لاشِ پسر امام	تا دیر روئے پھر یہ زمیں سے کیا کلام
میں ابنِ بو تراب ہوں مظلوم و تشنہ کام	اور ہے یہ میرا لختِ جگر بدرِ لالہ فام

ایذا نہ دیجیو کہ مرا گلعذار ہے
برچھی کے پھل سے اس کا کلیجہ فگار ہے

حسرت زدہ جہاں سے اُٹھا ہے یہ مہ جبیں	سن سن کے اس کا واقعہ روئیں گے مومنین
تیغوں سے پاش پاش ہے سب جسمِ نازنیں	رکھ اس کو احتیاط سے دامن میں اے زمیں

اٹھارہ سال کی ہے یہ دولت حسین کی
اب ہے ترے سپرد امانت حسین کی

حضرت علی اصغر

حضرات گرامی! ابھی امام عالی مقام علی اکبر کی لاشِ مبارک کو زمین پر لٹا کر اُٹھے ہی تھے کہ حضرت امام کی بہن حضرت بی بی زینب حضرت امام کے شیر خوار بچے علی اصغر کو گود میں لیے ہوئے تشریف لائیں اور کہنے لگیں کہ بھائی حسین! اب ہم سے علی اصغر کی پیاس دیکھی نہیں جاتی۔ بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے اور یہ شیر خوار بچہ پیاس سے بے تاب اور تشنگی کی شدت سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا ہے۔ پھول جیسا حسین در نگین چہرہ بھوک پیاس اور تپش سے مرجھا گیا ہے اور اس کے پتلے پتلے گلابی رنگ کے ہونٹ جس کی نزاکت و رنگینی پر گلاب کی کلیاں قربان ہوتی تھیں۔ پیاس کی شدت

سے کالے پڑ گئے ہیں۔ اس کا رونا بلکنا اور تڑپنا مچلنا دیکھنے کی اب ہمارے اندر تاب نہیں ہے۔ اس لیے بھائی جان! میری یہ رائے ہے کہ آپ اس ننھی سی جان کو میدان میں لیجا کر ستمگاروں کو دکھائیے۔ شاید ان سنگ دلوں کو اس بچے کی پیاس پر رحم آ جائے اور وہ چند گھونٹ اس بچے کو پانی پلا دیں۔

بہن کے اصرار سے مجبور ہو کر امام عالی مقام اپنے نورِ نظر علی اصغر کو اپنی گود میں اٹھا کر سیاہ دل دشمنوں کے سامنے تشریف لے گئے کہ اے میرے نانا جان کا کلمہ پڑھنے والو! میں اپنے تمام شہزادگانِ اہل بیت کو تو تمہاری بے رحمی اور جور و جفا کی نذر کر چکا۔ اب یہ میرا سب سے چھوٹا بچہ ہے جو گلشنِ رسول کا سب سے ننھا پودا ہے، جو پیاس کی شدت سے دم توڑ رہا ہے۔ میرا یہ بے زبان بچہ اس نے اب تک کسی سے کوئی سوال نہیں کیا ہے۔ مگر آج یہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو تمہاری طرف پھیلا کر تم سے دریائے فرات کے چند گھونٹ پانی طلب کر رہا ہے۔ اگر تمہارے باغی ہیں تو ہم ہیں تمہارے دشمن ہیں تو ہم ہیں۔ تم ہمیں پانی مت دو۔ مگر اس نور کی تصویر اور حسن کی مورت کی پیاس پر رحم کھاؤ اور خدا کے لیے تم میرے لال اور چمنِ فاطمہ کے نونہال کو چند گھونٹ دریائے فرات کا پانی پلا دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میدانِ محشر میں تمہیں اپنے نانا جان کے ہاتھ سے بھر بھر پیٹ کوثر و سلسبیل کا جام پلا دوں گا۔

برادرانِ ملت! ابھی حضرت امام کی دل ہلا دینے والی تقریر جاری ہی تھی کہ حرملہ بن کاہل مردود نے زہر کا بجھایا ہوا تیر ایسا نشانہ باندھ کر مارا کہ علی اصغر کے خشک حلقوم کو چھیدتا ہوا حضرتِ امام کے بازو میں چبھ گیا۔ حضرت امام نے تیر کھینچ کر نکالا تو خون کا فوارہ علی اصغر کے گلے سے ابلنے لگا۔ پیاسے بچے نے فوراً ہی دم توڑ دیا

اور ننھی سی لاش خون میں نہا گئی۔ حضرت امام نے حسرت بھری نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ننھے شہید کی لاش کو اپنے کلیجے سے چمٹائے اور چادر میں چھپائے ہوئے آہستہ آہستہ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ خیمہ کے دروازے پر حضرت امام کی بہن دوسری پردہ نشینانِ اہلبیت کے ساتھ امام کی آمد کا انتظار کر رہی تھیں۔ امام کو دور سے آتا دیکھ کر حضرت بی بی زینب حضرت بی بی سکینہ سے کہنے لگیں کہ بیٹی سکینہ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید علی اصغر کو پانی مل گیا اور پیاسا بچہ پانی سے سیراب ہو کر باپ کی گود میں سو گیا ہے۔ کیونکہ جب بچہ جا رہا تھا تو پیاس سے تڑپتا اور مچلتا ہوا گیا تھا۔ لیکن اب ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا اور بڑے سکون سے باپ کی گود میں سوتا چلا آ رہا ہے۔ لیکن حضرت امام نے جب خیمہ میں پہنچکر خون میں نہائی ہوئی ننھے شہید کی لاش کو چادر میں سے نکالا تو یہ منظر دیکھ کر مستوراتِ حرم کی چیخ نکل گئی۔ ؎

پھرے وہاں سے جو لاشہ لیے ہوئے شبیر　　　کھڑی تھیں ڈیوڑھی پہ اور روہی تھیں سب دلگیر
قریب آ کے یہ بولے حسینِ پُر تنویر　　　سدھارے اصغرِ بے شیر، کھا کے حلق پر تیر
تمھارا ماہِ لقا، خون میں بھر گیا بانو!
تڑپ کے گود میں مرحوم، مر گیا بانو!

حضرت امام نے ننھی سی لاش کو بہن کی گود میں دیا اور فرمایا کہ بہن زینب! صبر کرو اور شکر ادا کرو کہ خدا نے ہماری یہ سب سے چھوٹی قربانی بھی قبول فرمالی اور بہن زینب! خدا کا سجدۂ شکر ادا کرو کہ مجاہدینِ کربلا کا سب سے ننھا سپاہی بھی اپنے خون کا آخری قطرہ راہِ حق میں قربان کر کے دونوں جہاں میں سرخرو ہو گیا۔ حضرت بی بی زینب نے

علی اصغر کی لاش کو گود میں لیا اور کہنے لگیں کہ ہائے! میں اب اس کو کس طرح اسکی ماں کے پاس لیکر جاؤں؟ میں تو اس کو ابھی ابھی اس کی ماں سے یہ کہکر لائی تھی کہ میں تیرے بچے کو پانی پلانے کے لیے لے جا رہی ہوں۔ حضرت زینب نے جس وقت ماں کی گود میں علی اصغر کی لاش کو دیا تو ماں نے ہائے میرا لال! کہکر لاش کو اپنے کلیجے سے لگا لیا اور روتے ہوئے کہا کہ بیٹا! ایک مرتبہ اور اپنی ماں کے سوکھے ہوئے پستان میں منہ لگا لو۔ کیونکہ اب تم کو اپنے سینے سے لگانا مجھے کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ ہائے افسوس! ؎

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

امام عالی مقام کی شہادت

ساعتِ آہ و بکاؤ بے قراری آگئی
سیدِ مظلوم کی رن میں سواری آگئی

ساتھ والے، بھائی بیٹے ہوچکے ہیں سب شہید
اب امامِ بیکس و تنہا کی باری آگئی

حضرات! اب وقت آگیا ہے کہ تمام احباب اور جوانانِ اہل بیت شہید ہوچکے ہیں صرف حضرت امام عالی مقام، اور ان کے ایک فرزند امام زین العابدین باقی رہ گئے ہیں جو بسترِ بیماری پر انتہائی ضعف و نقاہت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب حضرت امام نے تنہا میدان جنگ میں جانے کا عزم فرمایا۔ تو حضرت زین العابدین اپنی بیماری اور ناتوانی کے باوجود مجاہدانہ عزم کے ساتھ ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ ابا جان! پہلے مجھے سر کٹانے کی اجازت

دیجئے یہ نہیں ہو سکتا کہ میرے ہوتے ہوئے آپ شہید ہو جائیں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ بیٹا! میں تمھیں ہرگز کبھی میدانِ جنگ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ تمھارے سوا اب اہل بیت کی ان مستورات کا کوئی محرم باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ان بکیسانِ غریب الوطن کو وطن تک کون پہنچائے گا؟ اور ان کی نگہداشت اور خبر گیری کون کرے گا؟ میرے جد و پدر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں وہ کس کو سپرد کی جائیں گی؟ میری نسل اور حسینی سیدوں کا سلسلہ کس سے چلے گا؟ میرے بعد میرا جانشین تمھارے سوا اب کون ہوگا؟ بیٹا زین العابدین! یہ ساری امیدیں تمھاری ذات سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا اے جانِ پدر! تم ہرگز ہرگز میدانِ جنگ کا قصد نہ کرو۔ اور دیکھو ضعف و ناتوانی سے تمھارے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ لہٰذا تم بستر پر لیٹ جاؤ۔ پھر حضرت امام نے حضرت زین العابدین کو بہت سی وصیتیں فرمائیں اور اپنے سینے کے باطنی علوم و اسرار سے انھیں سرفراز و فیضیاب فرما کر اپنا جانشین بنایا اور خود اس شان سے میدان کا قصد فرمایا کہ مصری قبا زیب تن فرمائی اور تبرکات میں سے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس عمامہ سر پر باندھا اور حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی ڈھال پشت پر رکھی اور حیدر کرار کی تلوار، ذوالفقار کا گلے میں ہار پہنا اور تمام اہلِ خیمہ کو صبر و شکر کی وصیت فرما کر اور سب کو اپنا آخری دیدار دکھا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اللہ اکبر! اہلِ خیمہ نے اس ہوشربا منظر کو کن آنکھوں سے دیکھا ہوگا؟ ناز کے پالے بچوں کے سروں سے شفقتِ پدری کا سایہ اٹھ رہا ہے اور مقدس بیویوں کا سہاگ رخصت ہو رہا ہے۔ غریب الوطن، بیکس مسافروں کا قافلہ حسرت بھری نگاہوں سے اپنے میرِ کارواں کے چہرے کا آخری نظارہ کر رہا ہے۔ پردہ نشینانِ

حرم خوف و ہراس اور حسرت و یاس کی خاموش تصویریں بنی ہوئی کھڑی ہیں۔ اور سب کی آنکھوں سے اشکِ غم کے موتی ٹپک ٹپک کر ان کے قدموں پر قربان ہو رہے ہیں۔ حضرت امام نے سب کو خدا کے سپرد کیا اور میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے کئی دن کی بھوک پیاس سے مضمحل اور بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں کے غم سے نڈھال ہیں اور سامنے ہزارہا خون کے پیاسے خونخواروں کا لشکر سمندر کی طرح موجیں مار رہا ہے۔ مگر حسین بن علی جن کی رگوں کے اندر خون کے قطرے قطرے میں رسولِ خدا کا خون شامل تھا۔ ان مصائب و آلام کے ہجوم میں بھی صبر و تحمل اور عزم و استقامت کا پہاڑ بن کر خونخوار اشرار کے مقابل مجاہدانہ شان و شوکت کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور پہلے اپنی پُر جلال آواز اور مجاہدانہ لہجے میں ایک ولولہ انگیز رجز پڑھی جس کے چند اشعار آپ بھی سن لیجئے۔

حضرت امام نے فرمایا کہ ؎

وَالِدِیْ شَمْسٌ وَّ اُمِّیْ قَمَرٌ　　　وَاَنَا الْکَوْکَبُ اِبْنُ النَّیِّرَیْنِ

میرے باپ سورج ہیں اور میری ماں چاند۔ اور میں ستارہ ہوں اور ان دونوں چاند اور سورج کا بیٹا ہوں

مَنْ لَّہٗ جَدٌّ کَجَدِّیْ فِی الْوَرٰی　　　اَمْ کَاُمِّیْ فِیْ جَمِیْعِ الثَّقَلَیْنِ

تمام مخلوق میں کس کا نانا میرے نانا کے مثل ہے؟ اور تمام جن و انس میں کون ہے جس کی ماں میری جیسی ہو؟

فَاطِمَۃُ الزَّھْرَاءُ اُمِّیْ وَ اَبِیْ　　　فَارِسُ الْخَیْلِ وَرَامِی النَّبْلَتَیْنِ

فاطمہ زہرا میری ماں ہیں۔ اور میرے باپ دلدل سوار اور ایک کمان سے دو تیر چلانے والے ہیں

ھَازِمُ الْاَبْطَالِ فِیْ ھَیْجَائِہٖ　　　یَوْمَ بَدْرٍ وَّ اُحُدٍ وَّ حُنَیْنٍ

میرے باپ نے بدر و احد اور حنین کی لڑائیوں میں بڑے بڑے دلاوروں کو شکست دیدی ہے۔

پھر آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس میں اپنے فضائل اور اپنی بے گناہی کو آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن و آشکار کر دیا۔ چنانچہ آپ کے کلمات طیبات کو سن کر یزیدی لشکر کے بہت سے لوگ متاثر ہو کر زار زار رونے لگے۔ لیکن شمر وغیرہ خبثاء نے یہ دیکھ کر کہ حضرت امام کی تقریر سے لوگوں کے قلوب متاثر ہو رہے ہیں اور حضرت امام کی حقانیت اور آپ کی بے گناہی اور مظلومیت کا آفتاب طلوع ہو کر لوگوں کے دلوں میں ایک نورانی انقلاب پیدا کر دے گا تو ان لوگوں نے ایک دم شور و غل مچانا شروع کر دیا کہ آپ یا تو یزید کی بیعت کیجئے یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیے اس کے سوا ہم کچھ سننے کے لیے تیار نہیں ہیں!

حضرت امام نے فرمایا کہ اے کور باطنو! مجھے معلوم ہے کہ تمھارے دلوں پر باطنی شقاوت کی مہر لگ چکی ہے۔ لیکن میرا یہ خطبہ صرف اتمام حجت کے لیے تھا۔ تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے حق اور امام برحق کو پہچانا نہیں تھا اس لیے لاعلمی میں ہم نے اہل بیت کا خون بہایا تھا۔ الحمد للہ! کہ میں تمھارا یہ عذر ختم کر چکا۔ اب رہا یزید کی بیعت کا سوال؟ تو یہ مجھ سے کبھی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں باطل کے سامنے سر جھکاؤں اور اپنا پاک ہاتھ یزید پلید کے ناپاک ہاتھ پر رکھ کر بیعت کروں۔ لہٰذا اب تم اپنا ارادہ پورا کر لو اور جس کو میرے مقابلہ کے لیے بھیجنا چاہتے ہو اس کو میرے سامنے بھیجدو۔ ابن سعد نے سب سے پہلے تمیم لئیم کو جو ملک شام کا ایک نامور سردار تھا۔ جنگ کے لیے بھیجا اور وہ بے حیا یزید کے انعام و اکرام کے لالچ میں ابن رسول اللہ کا سر کاٹنے کے لیے نہایت غرور کے ساتھ تلوار چمکاتا ہوا آیا۔ مگر ابھی وار کے لیے اُس کا ہاتھ اُٹھا ہی تھا کہ

حضرت امام نے ذوالفقار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ تمیم کا سر کٹ کر گیند کی طرح دور جا کر گرا۔ پھر یزید ابطحی جس کی دلاوری کی عراق و مصر، بلکہ شام و روم تک میں دھوم مچی ہوئی تھی نہایت متکبرانہ انداز میں شیطانی چال چلتا ہوا حملہ کے لیے بڑھا۔ اور ایک دم اچانک حضرت امام پر تلوار چلا دی۔ مگر آپ نے اس کے وار سے بچ کر اس کی کمر پر ایسی تلوار ماری کہ وہ ککڑی کی طرح کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر ابن سعد کا حکم پا کر ایک تیسرا سرکش پہلوان نعرہ مارتے اور شور مچاتے ہوئے آگے بڑھا اور بڑے گھمنڈ سے کہنے لگا کہ حسین بن علی! اب ہوشیار ہو جاؤ۔ میں وہ جنگجو دلاور ہوں کہ پورے شام و عراق میں میری شجاعت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ یہ کہکر وہ مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے بڑھا اور فوجِ اشرار کو یقین ہو گیا کہ یہ ضرور امام کا کام تمام کر دے گا۔ امام نے اس کی گستاخانہ چال دیکھی تو ڈانٹ کر فرمایا کہ اے شامی گنوار کے بیٹے! تو کس کے سامنے اتنی ڈینگیں مار رہا ہے؟ کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ ہوش کی دوا کر۔ اِدھر اُدھر مت دیکھ۔ سامنے نظر کر تیرے مقابل فاتحِ خیبر، علی حیدر کی شجاعت کا وارث شیر نر کھڑا ہے۔ شامی پہلوان یہ سن کر اور زیادہ طیش میں بھر گیا اور چیخ کر بولا کہ حسین! سنبھلنا۔ میں وہ شمشیر مارتا ہوں کہ اگر پہاڑ پر ماروں تو پہاڑ سرمہ بن جائے۔ یہ کہا اور امام پر تلوار چلا دی۔ مگر امام نے اس کا وار خالی دے کر اس کی کمر پر ذوالفقار کا ایک جنچا تُلا ہاتھ مارا۔ تو ایسا معلوم ہوا کہ ایک کھیرا تھا جو کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور اس ضربِ حیدری کی ہیبت سے زمینِ کربلا کا ذرہ ذرہ دہل گیا اور قدرت پکار اٹھی کہ ؎

شاہِ مرداں، شیرِ یزداں، قوتِ پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا علی، لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

پھر تو حضرتِ امام قہرِ الٰہی کی بجلی بن کر لشکرِ اشرار پر ٹوٹ پڑے۔ اور جو سامنے آیا ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ کسی کو نیزے کی انی پر اُٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹکا کہ اس کی ہڈیاں بھی چکنا چور ہو گئیں۔ کسی کو اُس کا ٹیکا پکڑ کر جھٹکا دیا تو اُس کو گھوڑے سے زمین پر پٹکا اور اس پر گھوڑا دوڑا کر گھوڑے کی ٹاپ سے اُس کو روند کر پامال کر ڈالا۔ کسی کی پشت پر تلوار ماری تو وہ دو ٹکڑے ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ کسی کے سر پر ذوالفقار کا وار کیا تو خود و مغفر کے پرزے پرزے اڑا دیے۔ کسی کی گردن پر شمشیرِ حیدری چلائی تو اُس کا سر کٹ کر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ غرض ریتیلی زمین کو دشمنوں کے خون سے رنگین بنا ڈالا اور ریگستانِ کربلا میں بہادروں کے سروں کا کھیت بو دیا۔ اور آپ کی ہیبت و شجاعت کا دشمنوں کے دلوں پر ایسا سکہ بیٹھا کہ یزیدی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔

ابن سعد نے جب اپنے لشکریوں میں ہول اور ساری فوج کو ڈانوا ڈول ہوتے دیکھا تو اُس نے یہ سمجھ لیا کہ دست بدست کی جنگ میں تو ہماری ساری فوج کبھی اس حیدری شیرِ حق کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اس لیے اُس نے محاصرہ کر کے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ہر چہار طرف سے فوجِ اشرار نے یلغار کر کے حضرتِ امام کو گھیر لیا۔ پھر دور سے تیر اندازی کی بارش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ایک زہر میں بجھایا ہوا تیر حضرت امام کی اُس مقدس پیشانی پر لگا جس کو ہزاروں بار محبوبِ پروردگار نے محبت اور پیار سے چوما تھا۔ تیر لگتے ہی خون کا فوارہ چہرۂ

انور پر بہہ نکلا اور آپ غش کھا کر گھوڑے کی زین سے زمین پر اتر پڑے۔ پھر ظالموں نے نیزہ و شمشیر کی مار سے آپ کو اس قدر زخمی کر دیا کہ نورانی پیکر خون میں نہا گیا۔ اور آپ بہتر زخم کھا کر زمین پر بیٹھ گئے اور شیطان صفت سنان نے سینۂ اقدس پر نیزہ مارا اور آپ جب سجدے میں گر پڑے تو شمر مردود نے تلوار ماری اور آپ شہید ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

برادرانِ ملت! ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ دس سوار آپ کے قتل کے لیے آگے بڑھے۔ مگر جو سامنے آتا خوف اور شرم سے پیچھے لوٹ جاتا۔ لیکن شمر، سنان خولی، شبل یہ چاروں خبثا آپ کے سامنے آئے اور شمر مردود آپ کے سینۂ اقدس پر سوار ہو گیا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ اے ستمگارو! آج جمعہ کا دن ہے اور سورج ڈھل گیا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ میرے نانا جان کی امت کے خطبا و یا تو منبروں پر میرے نانا جان کا خطبہ پڑھ رہے ہوں گے یا نماز جمعہ ادا کر رہے ہوں گے افسوس! اس وقت حسین بن علی ایسی بیکسی و بے بسی کے عالم میں ہے کہ نماز جمعہ نہیں ادا کر سکا۔ لیکن اے شمر! تو ذرا دیر کے لیے میرے سینے سے ہٹ جا تاکہ میں جس حال میں بھی ہوں۔ خدا کا فرض ادا کر لوں۔ چنانچہ حضرت امام نے تیمم فرما کر نماز شروع کر دی۔ قراءت بھی پڑھ لی۔ رکوع بھی کر لیا سجدہ بھی کر لیا مگر برادرانِ ملت! یہ سجدہ حضرت امام کی نماز کا تو پہلا ہی سجدہ تھا۔ مگر امام عالی مقام کی زندگی کا یہی آخری سجدہ تھا۔ ابھی آپ نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ سنان نے نیزہ مارا اور شمر نے تلوار چلا دی اور آپ شہید ہو گئے۔ پھر خولی نے یا شبل نے آگے بڑھ کر سر اقدس کو تنِ مبارک سے جدا کر دیا اور حضرت امام کا وہ مقدس خون

جس کے ایک ایک قطرہ کی قیمت زمین و آسمان اور اس جہان کا سارا سامان بھی نہیں ہو سکتا۔ یزیدی ستمگاروں نے ۱۰ محرم ۶۱ھ جمعہ کے دن کربلا میں انتہائی بے دردی کے ساتھ بہا دیا۔ لیکن مسلمانو! کربلا کی زمین کا ذرہ ذرہ قیامت تک یہ پکارتا اور اعلان کرتا رہے گا کہ ؎

جو زیرِ خنجرِ قاتل ادا نماز کرے
نماز ایسے نمازی پہ کیوں نہ ناز کرے

عزیزانِ ملت! آج حضرت امام گو ہماری نظروں کے سامنے نہیں رہے۔ مگر اُن کے مقدس خون کا قطرہ قطرہ قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کو کربلا کی زمین سے یہ ولولہ انگیز اور رنگین پیغام دیتا رہے گا ؎

خوں میں نہاؤ، زخم سہو، سر فدا کرو
جب وقت آئے دیں پہ یوں حق ادا کرو

برادرانِ اسلام! مرنا تو سب کو ہے۔ مگر جگر گوشۂ رسول و فرزندِ بتول نے سجدہ میں سر کٹا کر اپنے نانا جان کی اُمت کو "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کی عملی تفسیر اور "وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" کا یہ درسِ حیات دیا۔ کہ مسلمانو! مرو تو اس شان سے مرو۔ کہ ؎

حلق پر تیغ چلے، سینے پہ جلّاد رہے
لب پہ ہو نام ترا۔ دل میں تری یاد رہے

برادرانِ ملت! افسوس ہے تاریخِ اسلام میں یہ کیسا خون رلانے والا سانحہ ہے؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں ہی نے ابن رسول اللہ کے

سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک گشت کرایا۔ پھر عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ کے گورنمنٹ ہاؤس کو آراستہ کیا۔ اور دربارِ عام منعقد کر کے حضرت امام کے سرِ اقدس کو اپنے تخت کے نیچے رکھا اور بے ادبی کی پھر شمر ناپاک کے ساتھ ان مقدس سروں کو یزید کے پاس دمشق بھیجا۔ یزید نے سرِ مبارک اور اہل بیت کو حضرت امام زین العابدین کی ہمراہی میں مدینہ منورہ روانہ کیا اور حضرت امام کا سرِ اقدس حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا یا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پہلو میں مدفون ہوا۔

رحمتِ عالم کو صدمۂ عظیمہ

حضرات گرامی! اس حادثۂ فاجعہ سے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب نازک پر جو صدمۂ جانکاہ گزرا وہ انداز و قیاس سے باہر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک روز دوپہر کو میں خواب میں حضور احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ پُر انوار سے مشرف ہوا اور میں نے دیکھا کہ حضور کے گیسوئے معنبر چہرۂ انور پر بکھرے ہوئے ہیں اور دستِ مبارک میں ایک خون سے بھری ہوئی بوتل ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری جان آپ پر قربان۔ یہ بوتل کیسی ہے؟ اور اس قدر رنج و ملال کی کیا بات ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ میرے لختِ جگر حسین اور اُن کے جاں نثار رفیقوں کا خون ہے۔ جس کو میں آج صبح سے اُٹھا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے اس تاریخ اور وقت کو یاد رکھا۔ اور جب چند دنوں کے بعد خبر آئی تو معلوم ہوا کہ یہی وہ وقت تھا کہ حضرت امام شہید کیے گئے تھے۔

(بیہقی)

جسم اطہر پر بہتر زخم لگا کر اُن کا سر کاٹ لیا۔ اور گلشنِ رسول کو تاخت و تاراج کر کے خانۂ اہلبیت کے اُس روشن چراغ کو بجھا دیا جس سے تمام دنیائے سلام میں ہدایت کی روشنی تھی!

برادرانِ اسلام! آہ۔ آہ! اس صدمۂ جانکاہ سے دل گھائل قلب مجروح جسم لرزہ براندام اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ افسوس۔ صد ہزار افسوس! ؎

یہ عنایتوں کی جزا ملی، یہ ہدایتوں کا صلہ ملا
جو چراغِ نورِ نبی کا تھا اُسے کربلا میں بجھا دیا

یہ حسین تیرا ہی کام تھا کہ سب اپنے لال فدا کئے
تجھے ان ستاروں نے ڈوب کر شبِ غم کا چاند بنا دیا

وہ حسین خیمے میں جائیں گے وہاں جا کے کس کو دکھائیں گے
جسے ماں کی گود سے لائے تھے اُسے زیرِ خاک سُلا دیا

بسنان و تیر کی دھوپ میں یہ علی کے لعل کی ہمتیں
کبھی نوجواں کا جگر دیا کبھی بے زباں کا گلا دیا

چمن آپ اپنا لٹا گئے کہ بہارِ دینِ خدا رہے
نہ جچا جو رنگِ بہار سے تو لہو بھی اپنا ملا دیا

برادرانِ ملت! دربارِ رسول و آلِ رسول میں صلاۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیجئے اور پڑھئے الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ وعلی اٰلک و اصحابک یا حبیب اللہ

یزیدیوں کی غنڈہ گردی

حضرات! امام عالی مقام کی شہادت کے بعد یزیدیوں نے خیمۂ اطہر کا سارا سامان لوٹ لیا۔ اور خیمہ کو جلا ڈالا۔ اور اپنے مقتولوں کو تو دفن کیا۔ اور تمام شہدائے اہل بیت کا سر کاٹ کر اُن کی مقدس لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند کر اُن کی ہڈیوں کو بھی چکنا چور کر دیا اور ان سر بریدہ لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر اور تمام شہدائے کرام کے

اندھیرا اور خون کی بارش

حضرات! روایت ہے کہ حضرت امام کی شہادت کے روز آپ کا مقدس خون زمین پر گرتے ہی دن میں ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور تین دن کامل بغیر بدلی کے دھوپ غائب رہی اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا رہا۔ آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ اور اُس دن بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا۔ اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا تھا اور ساری فضا پر رنج اور اُداسی کے آثار نمودار نظر آتے تھے۔ (بیہقی)

جنوں کی نوحہ خوانی

حضرات! انسان تو انسان حضرت امام کی شہادت کا رنج وغم جنوں نے بھی منایا۔ چنانچہ محدث ابونعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی ہے کہ میں نے جنوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اس طرح نوحہ پڑھتے ہوئے سنا کہ ؎

مَسَحَ النَّبِیُّ جَبِیْنَہٗ فَلَہٗ بَرِیْقٌ فِی الْخُدُوْدِ

اَبَوَاہُ مِنْ عُلْیَا قُرَیْشٍ جَدُّہٗ خَیْرُ الْجُدُوْدِ

یعنی حسین کی مقدس پیشانی کو نبی نے مسح فرمایا تھا۔ جس کا نور ان کے چہرۂ انور پر چمک رہا ہے ان کے ماں باپ قریش کے اعلیٰ ترین افراد میں سے ہیں۔ اور ان کے نانا تمام جہان سے بہترین ہیں

یزید پلید کی ہلاکت

حضرات گرامی! امام عالی مقام کی شہادت کے بعد یزید بالکل ہی بے لگام ہو گیا۔ اور اس کے ظالمانہ دورِ حکومت میں ظلم و عدوان اور بداعمالی و عصیان سے خدا کی زمین تلملا اٹھی۔ زنا، سود، شراب خواری و حرامکاری کی ہر طرف گرم بازاری ہو گئی۔ نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی پابندیاں

اٹھ گئیں اور شعائرِ اسلام کی علی الاعلان بے حرمتی ہونے لگی۔ اس فرعونِ زمانہ کی سرکشی اور شیطنت اس حد تک بڑھی کہ ۶۳ھ میں اس نے مسلم بن عقبہ کو بارہ یا بیس ہزار لشکر کا سپہ سالار بنا کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا حکم دیا۔ اور اس لشکرِ اشرار نے رسول کے دربار اور مدینہ منورہ کے کوچہ و بازار میں وہ طوفان برپا کیا کہ جس کو دیکھ کر کفار بھی نادم و شرمسار ہو جائیں۔ ان فرعون صفت خونخواروں نے سات سو صحابہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کیا۔ اور دوسرے عام مسلمانوں کو ملا کر دس ہزار مومنین کو ذبح کر ڈالا۔ ان شیطانی فوجداروں نے مسجد نبوی کے ستونوں میں گھوڑے باندھے اور اہل مدینہ کے ساتھ ایسی ایسی بدتمیزیاں کیں کہ اُن کے تصور سے بھی جسم کا رونگٹا رونگٹا، اور بدن کا بال بال لرزہ براندام اور نڈھال ہو جاتا ہے۔ پھر یہی طاغوتی لشکر مکہ کرمہ پر حملہ آور ہوا۔ راستہ میں امیرِ لشکر مر گیا۔ تو دوسرا سپہ سالار مقرر ہوا اور ان شیطانوں نے کعبہ معظمہ پر سنگ باری کی۔ اور حرم محترم میں نجاست پھینکی۔ پھر کعبہ معظمہ میں آگ لگا دی جس سے غلافِ کعبہ اور چھت جل گئی، اور کعبہ کے تمام تبرکات کو جلا ڈالا۔ انہیں تبرکات میں حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے فدیہ میں قربانی کیے ہوئے دنبہ کے وہ سینگ بھی جل گئے جو سینکڑوں برس سے کعبہ میں بطور تبرک رکھے ہوئے تھے۔ کئی دنوں تک کعبہ بے غلاف رہا اور باشندگانِ حرم سخت مصیبتوں میں مبتلا رہے۔ آخر کار یزید پلید قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار ہوا۔ اور تین برس سات مہینے تختِ حکومت پر شیطنت کر کے ۱۵ ربیع الاول ۶۴ھ کو جس دن اس کے حکم سے کعبہ معظمہ میں آگ لگائی گئی۔ اڑتالیس برس کی عمر پا کر ملک شام کے شہر حمص میں قسم قسم کے امراض خبیثہ میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا۔

یزیدی فوج کو جب اپنے طاغوت کی موت کا پتہ چلا تو وہ ذلیل و خوار ہو کر مکہ مکرمہ سے فرار ہونے لگے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی فوجوں اور باشندگانِ حرم نے ان ستمگاروں کو کتوں اور چوہوں کی طرح دوڑا دوڑا کر مار ڈالا۔

ستمگاروں کا بُرا انجام

حضرات! یزید کی ہلاکت کے بعد اہلِ حجاز و یمن اور عراق و خراسان والوں نے تو حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور مصر و شام والوں نے یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید کو تخت پر بٹھایا۔ معاویہ بن یزید انتہائی نیک و صالح اور عبادت گزار مسلمان تھا اور اپنے باپ کی بداعمالیوں سے عمر بھر بیزار رہا۔ بادلِ ناخواستہ تختِ حکومت پر بیٹھا لیکن حکومت سنبھالنے کے بعد سے تادم مرگ بیمار ہی رہا۔ اور چالیس دن یا چند ماہ کے بعد اکیس سال کی عمر میں انتقال کر لیا موت کے وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین بنا دیجئے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس حکومت میں کوئی لذت و حلاوت نہیں پائی۔ تو میں اس تلخی میں دوسرے کو کیوں مبتلا کروں؟ میں نے تم سب لوگوں کو اپنی بیعت سے آزاد کیا تم لوگ جس کو چاہو یہ سلطنت دیدو۔

برادرانِ ملت! مقامِ عبرت ہے کہ وہ سلطنت جس کو یزید نے اہلِ بیتِ نبوت کے خون پر قائم کی اور جس سلطنت کی بقا اور استحکام کے لیے ہزاروں بے گناہوں کو قتل و غارت کیا۔ خود یزید بھی اس سے بہت ہی کم مدت تک مستفید ہو سکا۔ اور آج اسی یزید کا بیٹا اس سلطنت کو اپنی ٹھوکر سے مار رہا ہے معاویہ بن یزید کی موت کے بعد مصر و شام والوں نے بھی حضرت عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی

اور آپ پوری دنیائے اسلام کے "امیرالمومنین" ہو گئے۔ پھر مروان بن الحکم نے بغاوت کی اور مصر و شام پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ ۶۵ھ میں جب مروان بن الحکم مر گیا تو اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا اور اسی عبدالملک بن مروان کے عہد میں "مختار بن عبید" کو کوفہ میں غلبہ و اقتدار حاصل ہوا۔

مختار بن عبید کا کارنامہ

حضرات! مختار بن عبید نے برسراقتدار آتے ہی سب سے پہلے قاتلانِ حضرت امام سے انتقام لینے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اس نے کوفہ کے گورنمنٹ ہاؤس میں تخت پر بیٹھ کر "ابن سعد" کو طلب کیا۔ ابن سعد کا بیٹا حفص حاضر ہوا۔ تو مختار نے ڈانٹ کر پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے؟ حفص نے جواب دیا کہ اے امیر! وہ تو ایک مدت سے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو کر عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مختار نے غصہ میں سرخ ہو کر کہا کہ "نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی" آج وہ گوشہ نشین ہو کر عبادت گزار بن گیا ہے؟ حضرت امام حسین کے قتل کے دن وہ گوشہ نشین عبادت گزار کیوں نہیں بنا؟ آج وہ ایران کی گورنری کا خواب کہاں گیا؟ جس کی حرص و تمنا میں اس خبیث نے ابن رسول اللہ کو قتل کرایا تھا۔ اس کے بعد مختار نے ابن سعد کو گرفتار کرایا اور طرح طرح کا عذاب دے کر ابن سعد اور اس کے بیٹے حفص اور شمر وغیرہ تمام قاتلانِ امام کو قتل کر دیا۔ اور ان کے سروں کو حضرت امام کے سوتیلے بھائی محمد بن الحنفیہ کے پاس بھیجدیا۔ پھر مختار نے اپنی فوجوں کو حکم دیدیا کہ جو شخص بھی معرکہ کربلا میں یزیدی لشکر میں شامل رہا ہو۔ اس کا قتل عام کیا جائے۔ چنانچہ یہ حکم سنتے ہی کوفیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ مگر مختار کی

فوجوں نے ان سب کا تعاقب کیا اور جس کو جہاں پایا ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کر ڈالا اور ان کی لاشوں کو جلا کر ان کے گھروں کو لوٹ لیا، خولی بن یزید جس نے امام عالی مقام کا سر کاٹا تھا وہ بھی گرفتار کر کے مختار کے دربار میں گھسیٹ کر لایا گیا۔ مختار نے پہلے تو اس کے ہاتھ پاؤں کٹوائے پھر اس کو سولی پر لٹکایا پھر آگ میں جھونک دیا اسی طرح ابن سعد کے تمام لشکر اشرار کو طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ قتل کیا اور چھ ہزار کوفی جو یزیدی لشکر کے ساتھ کربلا میں تھے ان میں سے ہر ایک کو مختار نے ہلاک کر دیا۔

عبیداللہ بن زیاد کا ناپاک سر

عبیداللہ بن زیاد جو کوفہ کا یزیدی گورنر تھا اور جس نے حضرت امام اور اہلِ بیت کو کربلا میں قتل کرایا۔ یہ تیس ہزار کی فوج لیکر "موصل" میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو فوج کا سپہ سالار بنا کر اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ چنانچہ موصل سے پندرہ کوس کی دوری پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں دن بھر جم کر گھمسان کی لڑائی ہوئی اور آخر کار شام تک ابراہیم کا لشکر فتحیاب ہو گیا اور عبیداللہ بن زیاد اسی میدان میں محرم کی دسویں تاریخ ۶۷ھ کو دریائے فرات کے کنارے قتل ہوا اور اس کا سارا لشکر بھی مقتول ہو گیا۔ ابراہیم نے عبیداللہ بن زیا کا سر کاٹ کر مختار کے دربار میں کوفہ بھیجا۔ اور مختار نے دربار آراستہ کر کے مجمعِ عام میں عبیداللہ بن زیاد کے سر کو اپنے تخت کے نیچے ٹھیک اسی جگہ پر رکھوایا جس جگہ اس بدنصیب نے ابن رسول اللہ کے سر کو رکھوایا تھا۔

ناک میں سانپ

حضرات! ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ جس وقت ابن زیاد بدنہاد کا ناپاک سر مختار کے دربار میں لاکر زمین پر رکھا گیا تو ناگہاں ایک سانپ غیب سے نمودار ہوا اور وہ تین دفعہ اس کی ناک میں داخل ہوا اور منہ سے نکلا۔ پھر ایک دم غائب ہوگیا۔ اور کسی کو آج تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا؟

ایک لاکھ چالیس ہزار مقتول

برادرانِ ملت! حاکم محدث کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پر یہ وحی بھیجی تھی کہ قومِ یہود نے حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کیا تو اُن کے ایک خون کے بدلے ستر ہزار یہودی قتل ہوئے اور آپ کے نواسے حضرت امام حسین کے ایک خون کے بدلے ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار شامی و کوفی مقتول ہوں گے۔ چنانچہ حضرتِ حق جل مجدہٗ کا وعدہ پورا ہوا کہ مختار کی لڑائی میں ستر ہزار شامی و کوفی قتل ہوئے اور پھر عباسی سلطنت کے بانی عبداللہ سفاح کے ہاتھ سے ستر ہزار شامی و کوفی مارے گئے!

قدرتی انتقام

حضرات گرامی! قاتلانِ امام عالی مقام میں سے جو بدبخت قتل ہونے سے بچے۔ وہ طرح طرح کے ذلت آمیز و عبرت خیز قدرتی عذابوں میں مبتلا ہوگئے۔ چنانچہ وہ بدنصیب جس نے حضرتِ امام کا سرِ اقدس شکار بند سے باندھا تھا بڑا ہی خوبصورت اور حسین جوان تھا مگر اس واقعہ کے بعد اس کی صورت ایسی مسخ ہوکر بگڑ گئی کہ وہ ایک دم کالا رو سیاہ اور کریہہ المنظر ہوگیا۔ لوگوں نے اس کا حال پوچھا۔ تو اس نے بتایا کہ کربلا سے واپسی کے بعد میں روزانہ خواب میں دو

خوفناک آدمیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے جلتی ہوئی آگ پر اوندھا لٹکاتے ہیں۔ اسی طرح ہر روز میرا چہرہ جلتا اور پگھلتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ میرا چاند سا منہ سیاہ اور میرا حال تباہ ہوگیا۔ یہ خبیث تادمِ مرگ اسی بلا میں گرفتار رہ کر مر گیا۔

اسی طرح جابر بن یزید ازدی جس نے حضرت امام کا عمامہ سر مبارک سے اتار کر اپنے سر پر باندھ کر خوشی میں رقص کیا تھا۔ اُس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ فوراً ہی پاگل ہوگیا۔ گندی نالیوں کا پانی پیتا اور گوبر اور دوسری نجاستیں کھاتا پھرتا تھا۔ مجبوراً اس کے گھر والوں نے اس کو زنجیر میں جکڑ دیا اور اسی حالت میں وہ زمین پر ناک رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

جُعونہ حضرمی جس نے حضرت امام کا کرتا اتار کر پہن لیا تھا وہ مردود بھی کوڑھی ہوگیا اور اس کے جسم کی کھال اور سر اور داڑھی کے بال سڑ سڑ کر زمین پر گر پڑے!

اسود بن خظلہ نے حضرتِ امام کی تلوار پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ بھی جذام میں مبتلا ہوا۔ اور اس کے تمام بدن پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے یہاں تک کہ اس کا سارا بدن سڑ گیا۔

حُرملہ بن کاہل جس نے حضرت علی اصغر کے حلقوم پر تیر مارا تھا۔ وہ اس عذاب میں گرفتار ہوا کہ اس کا اگلا رُخ شکم کی جانب ہر وقت آگ کی طرح جلتا تھا اور پیٹھ کی طرف پچھلا حصہ برف سے زیادہ ٹھنڈا رہتا تھا۔ پشت کی طرف وہ ہمیشہ آگ جلائے رکھتا اور شکم کی طرف ہر وقت پانی چھڑکتا اور پنکھا جھلتا رہتا اور اس کو پیاس کی ایسی شدت رہا کرتی تھی کہ ہر وقت پانی پیتا رہتا تھا۔ مگر اُس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ آخر اسی مصیبت میں گرفتار رہتے ہوئے سسک سسک کر ہلاک ہوگیا۔ الغرض

گلشن زہرا کے لہلہاتے باغ کو اجاڑ کر رحمتِ عالم کے شیشۂ دل کو پاش پاش کرنے والے دشمنانِ امام میں سے کوئی بھی قدرت کے قاہرانہ انتقام سے نہیں بچا اور سب کے سب قہر قہار و غضبِ جبار میں گرفتار ہو کر عذابِ دارین کے سزاوار ہوئے!

برادرانِ ملت! یاد رکھیے کہ اس دنیا میں جس طرح ہر چیز کی خاص خاص تاثیریں ہیں اسی طرح "عدل اور ظلم" کی بھی خاص خاص تاثیرات ہیں۔ یاد رکھیے کہ عدل کی تاثیر آبادی ہے اور ظلم کی تاثیر بربادی۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو ‏ ‏ از مکافاتِ عمل غافل مشو

یعنی گیہوں بونے سے گیہوں اگتا ہے اور جو بونے سے جو اگتا ہے۔ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ اس لیے اپنے عمل کی جزا اور پاداش سے غافل نہ رہو۔ مشہور مثل ہے کہ "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے"!

برادرانِ ملت! مقامِ عبرت ہے کہ صرف چند برسوں میں دشمنانِ امام قدرت کے قاہرانہ انتقام میں مبتلا ہو کر دنیا سے نیست و نابود ہو گئے اور ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ سچ کہا کسی شاعر نے کہا کہ ؎

دیدی! کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را

چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

یعنی شمع نے پروانے کا خونِ ناحق کیا۔ تو تم نے اس کا انجام بھی دیکھا! کہ پروانے کے خونِ ناحق نے شمع کو اتنی دیر بھی اماں نہیں دی کہ وہ صبح تک روشن رہ سکے بلکہ صبح ہونے سے پہلے ہی شمع بھی بجھا دی گئی!

برادرانِ ملت! میری تقریر کافی طویل ہو گئی۔ حالانکہ بہت سے واقعات۔ بطور اختصار بھی ذکر نہ کر سکا۔ بہرحال اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ لیکن آئیے! حضرات شہداء کرام کی خدمت میں سلام عقیدت عرض کر کے اس مبارک مجلس کو دعا پر ختم کریں!

سلام

مرتضیٰ کے دلاوروں پہ لاکھوں سلام
چشم زہرا کے تاروں پہ لاکھوں سلام

نورِ عینین مولیٰ علی پر درود
ہاشمی نامداروں پہ لاکھوں سلام

بھوکے پیاسے، غریب الوطن خستہ جاں
با خدا روزہ داروں پہ لاکھوں سلام

سر ہتھیلی پہ رکھ کر جو ساتھی ہوئے
اُن بہتّر سواروں پہ لاکھوں سلام

قتل کی شب جو محوِ عبادت رہے
اُن تہجد گزاروں پہ لاکھوں سلام

قوتِ بیکساں، دستگیرِ جہاں
بے بسوں کے سہاروں پہ لاکھوں سلام

جن کے ایماں سے ایماں نے پایا فروغ
ایسے ایمان داروں پہ لاکھوں سلام

وما علینا الا البلاغ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علیٰ حبیبہ سید المرسلین وآلہ و صحبہ اجمعین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین
۱۳ ھ ۹۸